شب گزیدہ سحر

کے اشرف

جملہ حقوق بحق خواجہ اشرف محفوظ ہیں

ISBN 978-1-4507-4345-7

شب گزیدہ سحر : ناول

مصنف : کے اشرف

سرورق : ممتاز حسین

تعداد اشاعت : 1000

سال اشاعت : 2010

مطبع : مطبوعات پبلشرز

قیمت : 350روپے

مطبوعات پبلشرز، 696جی، جوہر ٹاؤن، لاہور

انتساب

دنیا بھر کے محنت کشوں کے نام

اظہارِ تشکر

ہر کتاب کے پیچھے لکھنے والے کے علاوہ کئی لوگوں کا ہاتھ ہوتا ہے۔ شب گزیدہ سحر کی تخلیق کے پس منظر میں بھی کئی دوستوں کی اعانت شامل ہے۔ کس کس کا شکریہ ادا کروں۔

اس کتاب کی تحریر میں جن دوستوں کی راہنمائی میسر رہی ان میں سر فہرست ہیں ولانووا یونیورسٹی کے پولٹیکل سائنس کے پروفیسر ڈاکٹر خفیظ ملک صاحب جن کے ذریعے سوویت یونین کے نظام کے اندر جھانکنے کا موقع ملا۔ اگر ان کی مدد فراہم نہ ہوتی تو شاید میں سوویت یونین کو اتنی گہرائی سے نہ جان پاتا جو اس کتاب کی تخلیق کے لئے ضروری تھی۔ اس کتاب کی تحریر کے دوران انہوں نے نہ صرف بار بار ذاتی طور پر میرے سوالوں کے جواب دیئے بلکہ سوویت یونین پر لکھی گئی اپنی کتاب بھی عطا کی جسے پڑھ کر مجھے سوویت یونین، پاکستان اور افغانستان کے چار دہائیوں پر پھیلے تعلقات کی پیچیدگیوں کو بہتر طور پر سمجھنے میں مدد ملی۔

اس ضمن میں ایک اور دوست جن کا شکریہ ادا کرنا انتہائی ضروری سمجھتا ہوں وہ ہیں یونیورسٹی آف کیلیفورنیا، برکلے میں قائداعظم چیئر کے حالیہ پروفیسر ڈاکٹر اشتیاق احمد جنہوں نے میری دوسری کتابوں کی طرح اس کتاب پر بھی نظر ثانی کی اور زبان وبیان کے حوالے سے کئی مفید مشورے دیئے۔

اس کے علاوہ شکر گزار ہوں اپنے ان ہزاروں قارئین کا جنہوں نے میری پہلی کتابیں پڑھ کر اپنی قیمتی آراء سے نوازا۔ ان کی آراء پڑھ کر مجھے اندازہ ہوا کہ آج کا قاری کتنا باشعور ہے۔ وہ نہ صرف ادبی تخلیقات کو پوری توجہ سے پڑھتا ہے بلکہ اس کی فنی خامیوں اور خوبیوں کا گہری نظروں سے جائزہ لیتا اور لکھنے والے کو ان سے مطلع کرتا ہے۔

پیش گفتار

تاریخ انسانوں، ملکوں، قوموں، ثقافتوں اور تہذیبوں کا قبرستان ہے۔ ملک بنتے اور ٹوٹ جاتے ہیں۔ یہ عمل آغازِ تاریخ سے جاری ہے اور اختتام تاریخ تک یونہی جاری رہے گا۔

دنیا کے نقشے پر کئی ملک ابھرے اور ڈوب گئے۔ آنے والے زمانوں میں اس نقشے پر کئی اور ملک ابھریں گے اور ڈوب جائیں گے۔

مختلف زمانوں میں جو ملک دنیا کے نقشے پر ابھرے کتنے انسانوں نے ان کے ساتھ وفاداری کے حلف اٹھائے اوران کے لئے جانیں قربان کیں لیکن ان کی قربانیوں کے باوجود وہ ملک صفحہ ہستی سے اس طرح مٹے کہ ان کا ذکر اب تاریخ کی کتابوں میں بھی نہیں ملتا۔

اس وقت بھی دنیا کے نقشے پر سینکڑوں ملک ہیں جن کے لئے ان کے شہری ہمہ وقت اپنا تن، من اور دھن قربان کرنے کے لئے تیار رہتے ہیں لیکن اس بات کی کوئی ضمانت نہیں دے سکتا کہ ان کی قربانیوں کے باوجود وہ ممالک ہمیشہ اسی طرح قائم رہیں گے۔ اس بات کی بھی کوئی ضمانت نہیں کہ ان کی سلامتی کی ضمانت دینے والے بھی قائم رہیں گے یا نہیں۔

بیسویں صدی میں بھی کئی ملک دنیا کے نقشے پر ابھرے اور اسی طرح بکھر گئے۔ اب ان کا تذکرہ بھی کہیں نہیں ہوتا۔ ان کا ذکر اب نہ کوئی نشانِ عبرت کے طور پر کرتا ہے نہ نشانِ عظمت کے۔

بیسویں صدی کے اوائل میں بننے والے ایسے ہی ممالک میں سے ایک سوویت یونین بھی تھا۔ سوویت یونین کئی اعتبار سے تاریخ میں ابھرنے والے دیگر ممالک سے مختلف تھا۔

دیگر ممالک کے برعکس سوویت یونین دنیا بھر کے محنت کشوں کی امیدوں اور امنگوں کا مرکز تھا۔ ایشیا، افریقہ ،یورپ اور لاطینی امریکہ کے مزدور اور کسان سوویت یونین کو اپنی جدوجہد کی علامت کے

طور پر استعمال کرتے۔ وہ اپنے اپنے ملکوں میں جاری اپنی جدوجہد میں سوویت یونین سے راہنمائی حاصل کرتے اور وہاں کے مزدوروں اور کسانوں کی کامیابیوں کو اپنے لئے مشعل راہ بناتے۔

ایشیا، افریقہ، یورپ ار لاطینی ممالک میں سے کئی ایک میں سوویت یونین کے بارے میں سوچنا، بات کرنا یا لکھنا ناقابل معافی جرم تھا۔ کمیونزم کا ذکر یا سوویت یونین کا نام کسی کے خلاف بھی ان ممالک کی خفیہ ایجنسیوں کو متحرک کرنے کے لیے کافی تھا۔ اس کے باوجود ان ممالک کے مزدور اور کسان بصد خوشی اپنی حکومتوں کے مظالم برداشت کرتے، تشدد سہتے، جیلیں کاٹتے لیکن سوویت یونین کے مزدوروں اور کسانوں کی دکھائی راہ پر اپنا سفر جاری رکھتے۔ اس سفر پر ان ممالک کے مزدور اور کسان تنہا گامزن نہیں تھے کئی عظیم دانشور، شاعر، ادیب اور صحافی بھی ان محنت کشوں کی جدوجہد میں برابر کے شریک تھے۔

پاکستان میں بھی کئی شاعروں اور ادیبوں نے اپنی ساری زندگی مزدوروں اور کسانوں کی جدوجہد میں ان کا ساتھ دیا۔ اس ضمن میں فیض احمد فیض اور جالب کے نام خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ فیض احمد فیض کی خدمات کا اعتراف تو سوویت یونین میں بھی کیا گیا۔ مزدوروں اور کسانوں کی تحریکوں کے لئے ان کی خدمات پر انہیں سوویت یونین کے سب سے بڑے اعزاز لینن ایوارڈ سے نوازا گیا۔

سوویت انقلاب کے اثرات ایشیا، افریقہ، یورپ اور لاطینی امریکہ میں صرف مزدوروں، کسانوں، شاعروں، ادیبوں اور صحافیوں تک محدود نہیں تھے۔ اس کے اثرات ان براعظموں میں واقع ممالک کی سیاست، معاشرت، معیشت اور حکومتی پالیسیوں پر بھی مرتب ہوئے۔ سوویت یونین کی وجہ سے لوگوں کا طرز فکر تبدیل ہوا۔ سوچنے کے معیار بدلے۔ فطرت اور زندگی کے ساتھ رشتہ تبدیل ہوا۔

آج اگر دنیا میں مذہبی انتہا پسندی بڑھ رہی ہے تو اس کا بھی بل واسطہ یا بلا واسطہ تعلق سوویت یونین کے خاتمے کے ساتھ ہے۔ آج اگر سوویت یونین موجود ہوتا تو شاید دنیا کو شدت پسندی کے ایسے مکروہ چہروں سے سابقہ نہ پڑتا۔ دنیا کا توازن یوں درہم برہم نہ ہوتا۔

سوویت یونین کی عدم موجودگی سے کئی ایسی قوتوں کے شائستگی، انسانی حقوق اور انسانی آزادیوں کے جعلی نقاب اتر گئے جو سوویت یونین کو شیطانی قوت کہتے تھے لیکن اپنی شیطانی شکلیں ان نقابوں کے پیچھے چھپائے ہوئے تھے۔

آج اگر سوویت یونین موجود ہوتا تو ان کے چہرے ابھی تک ان نقابوں کے پیچھے چھپے رہتے اور انہیں کبھی یہ جعلی نقاب اتارنے کی جرات نہ ہوتی۔ لیکن جیسا ہم نے آغاز میں عرض کیا ہے اس عالم ناپائیدار میں کسی چیز کو دوام حاصل نہیں۔ ملک بھی اس اصول سے ماورا نہیں۔ آج اگر سوویت یونین دنیا کے نقشے سے غائب ہو چکا ہے تو کون جانے کل اور کون کون سے ملک دنیا کے نقشے سے غائب ہو جائیں گے۔

شب گزیدہ سحر سوویت یونین کے بننے اور بکھرنے کی کہانی ہے۔ ان انسانی نسلوں کی داستان ہے جنہوں نے انقلاب کے خواب دیکھے، انقلاب کو جنم دیا، انقلاب کی پرورش کی اور پھر اپنی آنکھوں کے سامنے انقلاب کا شیرازہ بکھرتے دیکھا۔

شب گزیدہ سحر اسی انقلاب کی کہانی ہے۔ یہ دنیا بھر کے محنت کشوں کو اس انقلاب کی داستان سناتی رہے گی تاکہ ان کے دلوں میں جدوجہد کے اس ولولے کو زندہ رکھے جس کے الاؤ کی حدت سے سیاسی، سماجی، معاشی اور فکری غلامی کی زنجیریں پگھلتی ہیں اور انسان ہمیشہ کے لیے غلامیوں کے طوق سے آزاد ہو جاتا ہے۔

کے اشرف

برکلے، کیلیفورنیا، یو ایس اے

20 اکتوبر 2010

Email: kashraf@ix.netcom.com

فصل 1

گاڑی ماسکو کے ریلوے اسٹیشن پر رکی تو آغا عاطف نے اپنی کلائی پر بندھی گھڑی پر نظر ڈالی۔ اس وقت صبح کے ٹھیک ساڑھے سات بج رہے تھے۔ وہ بیس سال قبل آج ہی کے دن عین اس وقت اس دنیا میں وارد ہوا تھا۔ آج اس کا جنم دن تھا۔ کیسا اتفاق تھا کہ جس تاریخ اور جس وقت وہ بیس سال قبل پیدا ہوا تھا اسی دن اور اسی وقت بیس سال بعد وہ لاہور سے اپنا رخت سفر اٹھائے ماسکو پہنچا تھا۔

آغا عاطف لاہور کے نامی گرامی وکیل آغا قنبر علی کا بیٹا تھا۔ آغا قنبر علی کے تین بیٹے اور ایک بیٹی تھی۔ دو بیٹے عاطف سے بڑے تھے اور بیٹی اس سے چھوٹی تھی۔

آغا عاطف ان پاکستانی نوجوانوں میں سے تھا جو ستر کی دہائی میں پاکستان چھوڑ کر دنیا بھر کے کونے کونے میں پھیل گئے تھے۔ کوئی مڈل ایسٹ گیا، کوئی یورپ، کوئی امریکہ اور کوئی چین۔

آغا عاطف نے پاکستان چھوڑا تو مڈل ایسٹ، یورپ، امریکہ یا چین جانے کی بجائے براستہ کابل روس چلا آیا اور وہ بھی روس کے دل ماسکو میں۔ وہ یہاں تعلیم کے لیے آیا تھا۔ اس نے کئی سالوں سے لوممبا یونیورسٹی کے بارے میں سن رکھا تھا وہ چاہتا تھا کہ وہ اس یونیورسٹی سے ڈگری حاصل کرے۔

اس نے گورنمنٹ کالج لاہور سے بی ایس سی کی ڈگری لی تھی۔ جس کی بنیاد پر اسے آسانی سے کسی بھی فیلڈ میں پہلے ماسٹر اور پھر پی ایچ ڈی میں داخلہ مل سکتا تھا۔

جس دن آغا عاطف ٹرین کے ذریعے ماسکو پہنچا ماسکو اپنے مخصوص سرمئی رنگ میں ڈوبا ہوا تھا۔ ماسکو آمد پر وہ بہت خوش تھا۔ وہ کوئی نظریاتی آدمی نہیں تھا۔ لیکن پیپلز فرینڈشپ یونیورسٹی کے بارے میں اس نے اپنے دوستوں سے جو کچھ سن رکھا تھا وہ چاہتا تھا کہ وہ اس ماحول میں چند سال بسر کرے۔

گورنمنٹ کالج سے بی ایس سی کرنے کے بعد اس نے تین چار سال پاکستان میں آوارگی کرتے گزارے تھے۔

آغا قنبر علی کا خیال تھا کہ عاطف گورنمنٹ کالج سے بی اے کرے اور اس کے بعد ان کی طرح ایل ایل بی کر کے وکالت کو بطور پیشہ اپنائے۔ لیکن آغا عاطف ہونہار بروہ کے چکنے چکنے پات کے مصداق بچپن سے ہی وکالت کے پیشے سے الرجک تھا۔

اسے اپنے والد قنبر علی کا ہر روز دفتر جانا، مختلف لوگوں کے جرائم کی کہانیاں سننا، ان کے کیس تیار کرنا اور پھر عدالت میں پیش ہو کر انہیں چھڑانے یا پھنسانے کے لیے جھوٹے سچے دلائل دینا بالکل اچھا نہیں لگتا تھا۔

وہ اکثر اپنے والد آغا قنبر علی سے پوچھتا کہ "انہیں عدالت میں کھڑے ہو کر کسی شخص کی حمایت اور کسی کے خلاف دلائل دیتے ہوئے کیسا محسوس ہوتا ہے۔"

آغا قنبر علی مسکرا کر کہتے کہ بیٹا" وکیل صرف سچ تک پہنچنے میں عدالت کی مدد کرتے ہیں۔"

وہ سر جھٹک کر کہتا" جھوٹ کے ذریعے سچ تک کیسے پہنچا جا سکتا ہے؟ آپ صرف عدالت کو مجبور کرتے ہیں کہ وہ سچ کی بجائے قانون کے شکنجے میں پھنسے شخص کے کیس کو آپ کے نقطہ نظر سے دیکھے اور اس کے حق میں یا اس کے خلاف فیصلہ سنائے۔"

آغا قنبر علی اپنے بیٹے کی گفتگو سن کر جھلا جاتے۔ پیار سے اس کے گال تھپتھپاتے اور پھر کہتے کہ "ہم صرف مجرموں کو کیفر کردار تک پہنچانے اور معصوم لوگوں کو باعزت رہائی دلانے کی کوشش کرتے ہیں۔"

وہ باپ کا جواب سن کر ان سے لپٹ جاتا اور محبت سے جواب دیتا کہ "وہ گھر پر بھی اس کے ساتھ وکالت کرتے ہیں۔"

اسی طرح کے خاندانی ماحول میں جب اس نے ماڈل ٹاؤن ہائی اسکول سے میٹرک کر کے گورنمنٹ کالج میں داخلے کے فارم بھرے تو اس نے ایف ایس سی میں داخلہ لیا۔ اس نے ایف ایس سی میں داخلہ لیتے ہوئے ایسے مضامین کا انتخاب کیا جن کی بنیاد پر اس کے آپشنز کھلے رہیں۔ لیکن اس کھلے ذہن کے ساتھ بھی وہ بی ایس سی کرنے تک اپنا ذہن نہ بنا سکا کہ اس نے زندگی میں کیا کرنا ہے۔

جب گورنمنٹ کالج سے بی ایس سی کرنے اور پاکستان میں تین چار سال آوارگی کے بعد بھی مستقبل کے بارے میں وہ اپنا ذہن نہ بنا سکا تو آغا قنبر علی اس سے جزبز رہنے لگے۔ وہ کُھل کر تو اسے کچھ نہ کہتے لیکن اسے ہر وقت یاد دلاتے رہتے کہ اس کی کیریئر چننے کی عمر گزرتی جا رہی ہے۔ اور وہ تا حال اپنے دوستوں کے ساتھ رات گئے ریستورانوں میں ہائے ہُو میں مصروف رہتا ہے اپنے مستقبل کے بارے میں کچھ نہیں سوچتا۔

آغا قنبر علی کی انہی باتوں کی وجہ سے اس نے فیصلہ کیا کہ وہ ماسکو جائے گا اور کچھ عرصہ وہاں گزارے گا۔

ماسکو میں جب وہ ریلوے اسٹیشن سے باہر آیا تو خزاں زدہ شہر نے اس کا استقبال کیا۔

ماسکو میں موسم خزاں میں نہ صرف شہر بھر میں پھیلے پارکوں کے درختوں کے پتے گر کر شہر پر ایک عجیب حزنیہ کیفیت طاری کر دیتے ہیں بلکہ لوگوں کے چہروں پر بھی ہلکی سی سنجیدگی چھا جاتی ہے۔ ان کے درمیان باہمی فاصلے بڑھ جاتے ہیں اور وہ شراب خانوں اور گرجا گھروں میں بھی ایک دوسرے سے ہٹ کر بیٹھتے ہیں۔

آغا عاطف کو خزاں زدہ، سنجیدہ ماسکو، کچھ عجیب سا شہر لگا لیکن وہ اپنے وہاں آنے کے فیصلے سے مطمئن تھا۔ اس نے سرمئی ماسکو کے عقب میں کھڑے سنہری کلسوں اور جدید عمارات کے اس شہر میں پہلی بار اپنے مستقبل کے جھلملاتے چراغ کی ہلکی سی روشنی دیکھی۔ اسٹیشن سے باہر آکر اس نے ایک ٹیکسی والے سے لومبا یونیورسٹی چلنے کے لیے کہا تو ٹیکسی والے نے تنے ہوئے سپاٹ چہرے کے ساتھ اسے روسی زبان میں ٹیکسی میں بیٹھنے کے لیے کہا۔

آغاعاطف کو روسی نہیں آتی تھی۔ اس نے انگلش کا سہارا لینے کی کوشش کی تو ٹیکسی والے نے اسے عجیب مشکوک نظروں کے ساتھ دیکھا اور پھر اس کے ٹیکسی میں بیٹھتے ہی ٹیکسی کو گیئر میں ڈال دیا۔

دو ڈھائی گھنٹے ماسکو کی سڑکوں پر دوڑنے کے بعد ٹیکسی پیپلز فرینڈ شپ یونیورسٹی کے کیمپس کے سامنے جا کر رکی تو ٹیکسی والے نے اسے روسی میں کہا کہ اس کی منزل آگئی ہے۔

اس نے ٹیکسی والے کا ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ شکریہ ادا کرتے ہوئے جیب سے چند روبل نکال کر ٹیکسی والے کے سامنے پھیلا دیئے ٹیکسی والے نے اس کی مسکراہٹ کا نوٹس لیے، یا کچھ کہے بغیر، اس کی ہتھیلی پر رکھے روبلوں میں سے ایک روبل اٹھالیا اور پھر اسے وہیں سڑک پر چھوڑ کر کسی انجانی منزل کی طرف روانہ ہو گیا۔

آغاعاطف اپنا بیگ گلے میں لٹکائے کیمپس کے مین دروازے کے پاس جا کر کھڑا ہو گیا۔ اسے پتہ تھا کہ دنیا بھر کے ترقی پذیر ممالک سے آئے طالب علموں کے علاوہ پاکستان سے چھپ چھپا کر ماسکو آئے ہوئے بہت سے طالب علم بھی اس عظیم دانشگاہ میں زیرِ تعلیم تھے۔

اسے بہت سے روسی لڑکوں اور لڑکیوں کے علاوہ دنیا بھر کے ان ملکوں سے آئے کئی طالب علم دکھائی دیئے لیکن کوئی پاکستانی طالب علم دکھائی نہ دیا۔ جب مین گیٹ کے پاس کافی دیر کھڑا رہنے کے بعد اسے کوئی پاکستانی طالب علم دکھائی نہ دیا تو اسے تھوڑی سی مایوسی ہوئی اور اس نے اپنے دوسرے آپشنز پر غور کرنا شروع کر دیا۔

اگرچہ ماسکو میں ابھی برف باری نہیں ہوئی تھی لیکن فضا میں خاصی خنکی تھی۔ وہ چاہتا تھا کہ دن ہی دن میں اسے ٹھہرنے کے لیے کوئی جگہ مل جائے تو وہ زیادہ اطمینان کے ساتھ ماسکو میں اپنے مستقبل کی منصوبہ بندی کر سکتا ہے۔

وہ اسی ادھیڑ بن میں تھا کہ اسے طالب علموں میں سرداروں والی ایک زعفرانی پگڑی دکھائی دی۔

وہ تیزی سے قدم اٹھاتا اس پگڑی والے نوجوان کی طرف بڑھا اور اس سے پہلے کہ وہ دوسرے طالب علموں کے ہجوم میں گم ہو جاتا آغا عاطف اس تک پہنچ گیا۔

"میرا نام آغا عاطف ہے۔ میں لاہور سے آج ہی پہنچا ہوں اور ماسکو میں کسی کو نہیں جانتا۔ اس یونورسٹی میں داخلہ لینا چاہتا ہوں۔ اور یہیں قیام کرنا چاہتا ہوں۔"

اس نے ساری باتیں ایک ہی سانس میں پگڑی والے نوجوان سے کہہ ڈالیں۔

زعفرانی پگڑی والا نوجوان طالب علم کرپال سنگھ تھا۔ کرپال سنگھ پنجابی سکھ تھا۔ وہ امرتسر کا رہنے والا تھا اور پڑھائی کے سلسلے میں ماسکو میں مقیم تھا۔ وہ چند سال قبل ماسکو آیا تھا اور آئندہ کئی سال وہیں رہنے کا ارادہ رکھتا تھا۔ آغا عاطف کی ایک ہی سانس میں کہی ساری باتیں سن کر کرپال سنگھ نے اسے کھلے بازوؤں کے ساتھ خوش آمدید کہا۔

کرپال سنگھ یونیورسٹی کے اندر جانے کی بجائے آغا عاطف کو ساتھ لیکر ہاسٹل چلا آیا۔ ہاسٹل میں اس نے وارڈن کے دفتر میں جاکر آغا عاطف کی اپنے ساتھ رہائش کا فارم بھرا اور پھر اسے اپنے کمرے میں لے گیا۔ کمرہ اتنا کشادہ نہیں تھا لیکن اتنا بڑا ضرور تھا کہ اس میں دو انسان با آسانی رہ سکتے تھے۔

کرپال سنگھ آغا عاطف کو اپنے کمرے میں چھوڑ کر واپس یونیورسٹی چلا گیا۔

آغا عاطف نے کھڑکی میں کھڑے ہو کر ماسکو پر نظریں دوڑائیں تو ماسکو اسے ایک ایسی خوبصورت دوشیزہ کی طرح دکھائی دیا جس کی آنکھوں میں اداسی اور چہرے پر خزاں کی زردی پھیل رہی تھی۔ وہ چند لمحے وہیں کھڑکی میں کھڑے ہو کر دور تک پھیلے ماسکو کا منظر دیکھتا رہا۔

پھر اس پر کئی دنوں کے طویل سفر کی تھکاوٹ غالب آگئی اور وہ کھڑکی پر پردہ کھینچ کر لمبی تان کو سو گیا۔

فصل 2

رات گئے کرپال سنگھ یونیورسٹی سے واپس لوٹا تو آغا عاطف گہری نیند سو رہا تھا۔

کرپال سنگھ نے بلی کی چال چلتے اپنے کام کئے اور سونے کے لیے بستر پر دراز ہو گیا۔ وہ جانتا تھا کہ آغا عاطف لمبا سفر کر کے یہاں پہنچا تھا اور اسے مکمل آرام کی ضرورت تھی۔

اگلے دن کرپال سنگھ نیند سے بیدار ہوا تو آغا عاطف پہلے سے اٹھ کر کھڑکی میں کھڑا ماسکو کا ٹھہرا ہوا منظر دیکھ رہا تھا۔ خزاں کی اس بھیگی بھیگی صبح میں وہ ان لاکھوں کروڑوں مزدوروں اور کسانوں کے بارے میں سوچ رہا تھا جنہوں نے کارل مارکس کے فلسفے پر عمل کرتے ہوئے ولادیمیر لینن کی قیادت میں روسی انقلاب کو جنم دیا تھا اور پھر ایک عظیم انقلابی سلطنت کی بنیاد رکھی تھی۔

اس انقلاب میں مزدوروں اور کسانوں نے بہت اہم کردار ادا کیا تھا لیکن مزدروں کی ڈکٹیٹر شپ پر مبنی اس عظیم سلطنت میں مزدوروں اور کسانوں کے علاوہ روسی سماج کے دیگر حصوں نے بھی اہم رول ادا کیا تھا۔

وہ شاعر اور ادیب جنہوں نے انقلابی نظمیں اور کہانیاں لکھیں، اسکولوں اور کالجوں کے طالب علم اور استاد جنہوں نے انقلاب کے لیے مزدوروں اور کسانوں کی تنظیموں کا ساتھ دیا، وہ عام لوگ جو مزدور اور کسان نہیں تھے لیکن انقلاب سے ہمدردی رکھتے سب نے مل کر اس عظیم سلطنت کو جنم دیا تھا جسے دنیا آج سوویت یونین کے نام سے جانتی تھی۔ سوویت یونین جو پوری دنیا کے ترقی پذیر ممالک کے لوگوں کی امید کا مرکز اور ماڈل تھا۔

آغا عاطف کھڑکی میں کھڑا یہ باتیں سوچ رہا تھا کہ اسے کرپال سنگھ کی "ست سری اکال" سنائی دی۔

آغا عاطف نے جواباً "ست سری اکال" کہا اور کھڑکی سے ہٹ کر پاس ہی پڑی ہوئی ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ پھر کہنے لگا کہ وہ نہیں جانتا کہ وہ کرپال سنگھ کا کس طرح شکریہ ادا کرے۔

کرپال سنگھ نے کھنکھناتی ہوئی پنجابی میں جواب دیا"شکریہ کس چیز دا بھرا جی۔ مینوں تواڈا ایتھے آنا چنگا لگا اے۔ میں اپنے آپ نوں خوش قسمت سمجھنا کہ مینوں تواڈی خدمت دا موقع ملیا اے۔"

آغا عاطف ان پنجابیوں میں سے تھا جن کے ماں باپ پنجابی ہونے کے باوجود فیشن میں اپنے بچوں کے ساتھ اردو بولتے تھے۔ میاں بیوی آپس میں لڑتے تو پنجابی بولتے لیکن بچوں کو اردو میں حکم دیتے کہ وہ چند لمحوں کے لیے اِدھر اُدھر ہو جائیں تاکہ وہ ٹھیک طرح سے لڑ لیں۔

آغا عاطف نے کرپال سنگھ کی بات کا پنجابی میں جواب دینے کی کوشش کی لیکن کرپال سنگھ نے اس کو پنجابی کے لفظوں کے ساتھ الجھتے دیکھا تو کہنے لگا"تسی غم نہ کرو جی۔ تسی ہندی بولو۔ مینوں ہندی سمجھ آندی اے۔"

کرپال سنگھ کی بات سن کر آغا عاطف نے اطمینان کا سانس لیا۔ اور پھر پنجابی کی بجائے اردو میں کہنے لگا کہ اس کے خیال میں اسے مستقل قیام اور یونیورسٹی میں داخلے کے لیے کیا کرنا ہو گا۔

کرپال سنگھ نے آغا عاطف کی پنجابی کے ساتھ الجھن دیکھ کر اس کے ساتھ ہندی میں گفتگو شروع کر دی۔ وہ جانتا تھا کہ ہندی اور اردو دراصل ایک ہی زبان ہے لیکن ہندوستانی اسے ہندی اور پاکستانی اس کو اردو کہتے ہیں۔

کرپال سنگھ نے آغا عاطف کا سوال سن کر اس سے مذاق کرتے ہوئے کہا کہ اسے وہاں رہنے کے لیے پہلے دو زبانیں سیکھنی ہوں گی۔ ایک روسی اور دوسری۔۔۔

پھر وہ رک گیا تو آغا عاطف نے اس کی بات جاری رکھتے ہوئے کہا اور"۔۔۔۔دوسری پنجابی۔"

کرپال سنگھ آغا عاطف کی حاضر جوابی دیکھ کر ہنس پڑا۔ پھر کہنے لگا"واہے گرو کی قسم آگا جی آپ کے ساتھ ہمارا ٹائم بہت اچھا گزرے گا۔"

آغا عاطف نے کرپال سنگھ کے منہ سے آگا سنا تو ہنس کر کہنے لگا "اور کرپال سنگھ جی مجھے بھی آپ کو "گ" اور "غ" میں فرق کرنا سکھانا پڑے گا۔ سارے ہندوستانی آغا کو آگا اور غم کو گم کہتے ہیں حالانکہ آگا اور گم مختلف الفاظ ہیں اور ان کے معنی بھی مختلف ہیں۔

"ٹھیک اے آگا جی۔ اگر آپ نے پنجابی دوبارہ سیکھ لی تو میں بھی "غ" اور "گین" میں فرق کرنا سیکھ لوں گا۔"

کرپال سنگھ کی بات سن کر آغا عاطف بے اختیار ہنسنا شروع ہو گیا۔ پھر کہنے لگا "ہاں تو کرپال سنگھ جی پھر مجھے پہلا کام کیا کرنا ہو گا۔"

"پہلا کام یہ ہے کہ یونیورسٹی کے رجسٹریشن آفس میں جا کر رجسٹریشن کرانی ہو گی۔ آج کل یونیورسٹی میں داخلے نہیں ہو رہے لیکن ابتدائی روسی سکھانے کی کلاسوں میں کسی وقت بھی داخلہ ہو سکتا ہے۔ پہلے تم روسی زبان کی کلاس میں داخلہ لوگے۔ تقریباً چھ ماہ میں تم اس قابل ہو جاؤ گے کہ روسی پڑھ، لکھ اور بول سکو۔ لیکن زبان پر عبور حاصل کرنے میں تمہیں تقریباً دو سال لگ جائیں گے۔" کرپال سنگھ نے آغا عاطف کی بات کا تفصیلاً جواب دیا۔

"تو ٹھیک ہے۔ آج کیمپس پر چلتے ہیں۔ رجسٹریشن آفس میں رجسٹریشن کراتے ہیں اور کل سے روسی زبان کی پڑھائی شروع۔"

"رجسٹریشن تو آج ہو جائے گی لیکن پڑھائی کوئی ہفتہ بعد شروع کرنا۔ میں چاہتا ہوں کہ پہلے تمہیں ماسکو سے متعارف کراؤں۔ کیونکہ ماسکو کافی پیچیدہ شہر ہے۔ اس کے تہہ در تہہ نظام کو سمجھنا ضروری ہے۔ اگر تم ماسکو کی پیچیدگیوں کو سمجھے بغیر صرف یونیورسٹی تک محدود ہو گئے تو تم کسی وقت بھی کسی خطرناک صورت حال سے دوچار ہو سکتے ہو۔"

آغا عاطف نے متشکرانہ نظروں سے کرپال سنگھ کی طرف دیکھا۔ پھر کہنے لگا:

"کرپال جانتے ہو میرے لیے مشکل ترین وقت وہ تھا جو میں نے لاہور سے ماسکو تک سفر کرتے گزارہ ہے۔ ان چند دنوں میں میں نے زندگی کے اتنے رنگ دیکھے ہیں جن کے بارے میں میں کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ لیکن ان چند دشوار دنوں کے بعد میں محسوس کرتا ہوں کہ میں اپنے گھر پہنچ گیا ہوں۔"

"ہاں ہاں آگا جی۔ آپ گم نہ پالیں۔ کیا ہوا جو آپ بارڈر کے اس پار سے آئے ہیں۔ آپ ہیں تو اپنے پنجابی بھائی۔ آپ یہ بتائیں آپ کوئی وادکا وگیرا ابھی پیتے ہیں یا نہیں۔"

"وادکا کی بات بعد میں۔ کرپال پہلے یا تو مجھے آگا کہنے کے بجائے آغا کہا کرو اور اگر آغا نہیں کہہ سکتے تو عاطف کہہ کر پکارا کرو۔ مجھے تمہارا آگا کہنا عجیب لگتا ہے۔"

آغا عاطف کی بات سن کر کرپال نے کھل کر قہقہہ لگایا۔ پھر کہنے لگا: "عاطف ٹھیک ہے۔ یہ چلے گا۔ لیکن آگا کو آغا میں بدلنے میں شاید مجھے کچھ وقت لگے۔"

"ٹھیک ہے۔ تب تک تم مجھے عاطف کہہ کر بلایا کرو۔ لیکن مسئلہ صرف آگا یا آغا کا نہیں تم نے ایک ہی جملے میں آگا، گم اور وگیرا استعمال کیا ہے۔ چنانچہ تم "گین" کو "غین" کہنا سیکھ لو تو سارا مسئلہ حل ہو جائے گا۔"

پھر اس نے کرپال سنگھ کے ساتھ گفتگو کا موضوع بدل دیا: "یار کرپال یہ بتاؤ کہ ماسکو اتنا اداس شہر کیوں ہے؟ شہر میں اتنے زیادہ سنہری کلس ہونے کے باوجود اس شہر میں مجھے ایک عجیب اداسی اور غمزدگی کا احساس ہوا ہے۔ کیا یہ شہر ہمیشہ ایسا ہی رہتا ہے۔"

عاطف کی بات سن کر کرپال سنگھ نے پھر قہقہہ لگایا۔ اپنے پگڑی بغیر بالوں کو چٹیا کی طرح لپیٹ کر سر پر باندھتے ہوئے بولا: "نہیں عاطف یہ بات نہیں۔ دنیا کے دوسرے شہروں کی طرح ماسکو کے بھی چار موسم ہیں۔ ہاں برفباری کی وجہ سے سردی کا موسم ذرا طوالت کھینچ جاتا ہے۔ اس کا علاج روسیوں نے وادکا کی شکل میں ڈھونڈ رکھا ہے۔ وادکا روسی زبان میں پانی کو کہتے ہیں۔ اسی لیے میں نے تمہیں پوچھا تھا کہ وادکا پیتے ہو یا نہیں۔"

"پاکستان میں واد کا کم لوگ پیتے ہیں۔ ملتی ضرور ہے۔ لیکن زیادتر لوگ وسکی پیتے ہیں۔ ہم بھی دوستوں کی محفل میں کبھی کبھار وسکی کا شاٹ لگایا کرتے تھے۔"

"بس بس۔ اگر وسکی پیتے تھے تو واد کا بھی چلے گی۔ اور ماسکو میں واد کا از دی وے ٹو گو۔۔۔" کرپال نے عاطف کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

"بالکل واد کا نہ صرف چلے گی بلکہ دوڑے گی۔ لیکن ہمیں اپنی پڑھائی پر بھی متوجہ رہنا ہے۔" عاطف نے کرپال کے انداز میں فوراً جواب دیا۔

عاطف اور کرپال میں یہ گفتگو چل رہی تھی کہ دیوار پر آویزاں گھڑی کی سوئیاں صبح کے ساڑھے آٹھ بجے کی پوزیشن پر پہنچ گئیں۔ کرپال نے عاطف سے معذرت کی اور جلدی سے یونیورسٹی جانے کے لیے تیاری شروع کر دی۔

نہا دھو کر اس نے کپڑے بدلے، سر پر زعفرانی پگڑی رکھی، گلے میں کتابوں کا بیگ ڈالا اور پھر یہ کہہ کر دروازے سے باہر نکل گیا کہ وہ گیارہ بجے کے قریب لوٹے گا۔ تب تک اگر وہ تیار ہو جائے تو وہ اسے رجسٹریشن آفس لے جائے گا تاکہ اس کی روسی زبان کی کلاس میں رجسٹریشن کرائی جا سکے۔

گیارہ بجنے میں ابھی کافی وقت تھا۔ عاطف ایک بار پھر کھڑکی کے سامنے کھڑے ہو کر خزاں زدہ ماسکو کے سین دیکھنے میں مصروف ہو گیا۔

فصل 3

کرپال سنگھ کی رخصتی کے بعد، آغا عاطف نے کئی دنوں بعد نیم گرم پانی سے غسل کیا تو اسے اپنے آپ میں ایک تازگی کا احساس ہوا۔ یہ ایک عجیب سا احساس تھا۔ اس سے پہلے بھی وہ روزانہ غسل کیا کرتا تھا لیکن تب یہ معمول کا معاملہ تھا۔ آج وہ ماسکو میں ایک چھوٹے سے اسٹوڈیو میں ایک چھوٹے سے باتھ روم میں نیم گرم پانی سے غسل کر رہا تھا تو اسے لگ رہا تھا کہ اس کا خاندانی تفاخر، خاندانی رشتے، وہ ماحول جس میں اس نے جنم لیا تھا، سب کچھ غسل کے ساتھ بہے چلے جا رہا تھا۔ اب وہ صرف ایک فرد تھا جس کا نام آغا عاطف تھا۔ اور ایک بڑی سی دنیا تھی جس کا راستہ لوممبا یونیورسٹی سے ہو کر گزرتا تھا۔

آج اسے غسل کرنے میں ایک عجیب سا لطف آرہا تھا۔ اس کا جی چاہتا تھا کہ وہ یونہی شاور سے بہتے نیم گرم پانی کے نیچے کھڑا رہے اور پھر ایک نیا انسان بن کر اس باتھ روم سے باہر آئے۔ بالکل اس خزاں زدہ ننگ دھڑنگ درخت کی طرح جو موسم بہار کی پہلی بارش کے بعد تروتازہ ہو جاتا ہے اور پھر اس کا وجود پتوں اور پھولوں سے بھرنا شروع ہو جاتا ہے۔

آغا عاطف کا گورا چٹا رنگ تھا۔ جوانی سے بھرپور بدن۔ توانائی سے بھرے بازو اور انکھوں میں بے پناہ اعتماد کی چمک۔ اس پر ایسی معصومانہ وجاہت کہ نوجوان لڑکیاں دیکھیں تو دیکھتی رہ جائیں۔ اس کے چہرے سے نظریں ہٹانا چاہیں تو ہٹا نہ سکیں۔

غسل سے فارغ ہو کر آغا عاطف نے باتھ روم کے آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر شیو کی، بال بنائے، اپنے بیگ سے نکال کر جین کی پینٹ پہنی، اوپر سرخ رنگ کی شرٹ پہنی، اور پھر شرٹ کے اوپر پینٹس سے ملتی جین کی جیکٹ پہن کر بیرونی دروازے پر آویزاں قد آدم آئینے میں اپنے سراپا کا جائزہ لیا تو اس کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ اسے پہلی بار اپنا آپ اتنا اچھا لگا کہ اس سے پہلے کبھی نہیں لگا تھا۔ وہ جب سے ماسکو آیا تھا اس نے کچھ کھایا پیا نہیں تھا۔ بھوک سے اس کے معدے میں بلّیاں اور چوہے دوڑ

رہے تھے لیکن وہ اپنے میزبان پر غیر ضروری بوجھ نہیں ڈالنا چاہتا تھا۔ اب بھوک اس کے لیے ناقابل برداشت ہو رہی تھی اور وہ چاہتا تھا کہ کچھ کھائے پیئے تا کہ اس کی بھوک کچھ ماند پڑے۔

گیارہ بجے کرپال سنگھ یونیورسٹی سے اسے ساتھ لے جانے کے لیے لوٹا تو اس نے پہلی بات اس سے لنچ کے بارے میں کی۔ کرپال سنگھ نے پہلے اس سے معذرت کی کہ اس نے اسے کھانے پینے کے بارے میں نہیں پوچھا۔ پھر ہنستے ہوئے کہنے لگا" روسی ہندوستانیوں کی طرح کھانے پینے کے زیادہ شوقین نہیں۔ اس لیے اگر تمہیں روسی خوراک دیکھ اور کھا کر مایوسی ہو تو پہلے مجھے اور پھر اپنے آپ کو معاف کر دینا۔ "

عاطف نے کرپال کی بات سنی تو کہنے لگا" تمہیں معاف کرنے کی سمجھ تو آتی ہے لیکن اپنے آپ کو معاف کرنے کی بات میرے پلے نہیں پڑی۔ "

"اچھا اگر اب پلّے نہیں پڑی تو چند دن بعد پڑ جائے گی اور پھر جب تک تم ماسکو میں رہو گے روز بروز اس بات کے معنی کھلتے چلے جائیں گے۔ " کرپال نے آغا عاطف کی بات کا جواب دیتے ہوئے کہا۔

انہی باتوں میں اسٹوڈیو سے نکل کر پیدل چلتے وہ رجسٹریشن آفس پہنچے تو وہاں بیٹھی چند لڑکیوں میں سے ایک نے انہیں خوش آمدید کہا۔

وہ روسی بول رہی تھی۔ آغا عاطف کو رجسٹریشن آفس میں بیٹھی کلرک لڑکی کی گفتگو میں سے کچھ پلّے نہ پڑا۔ لیکن وہ اپنی طرف دلچسپی سے دیکھتی اس کی آنکھوں سے بے خبر نہ رہ سکا۔

اس نے کرپال سنگھ سے پوچھا کہ وہ کیا کہہ رہی ہے۔ کرپال سنگھ نے کہا وہ کہہ رہی ہے چونکہ وہ پاکستان سے آیا ہے اس لیے اس کو رجسٹر کرنے سے پہلے اسے داخلی امور کی وزارت سے اجازت لینی ہو گی۔

پھر وہ مسکراتے ہوئے روسی میں کہنے لگی۔ اس میں فکر کی کوئی بات نہیں۔ یہ معمول کی کاروائی ہے۔ وہ ابھی اس کا فارم داخلی امور کی وزارت میں بھجوائے گی اور دن کے اختتام سے پہلے فارم دستخط ہو کر واپس آجائے گا۔

کرپال نے لڑکی کی بات کا آغا عاطف کے لیے ترجمہ کیا تو اس نے اطمینان کی سانس لی۔

پھر اس لڑکی نے چند فارم آغا عاطف کو تھما دیئے۔ فارم روسی زبان میں تھے اور آغا عاطف کو کچھ پتہ نہیں تھا کہ ان فارموں میں کیا لکھا ہے۔
وہ لڑکی سے فارم لے کر وہیں پڑی ایک ٹیبل اور اس کے گرد رکھی کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ کرپال فارم پر ہر خانے میں لکھا سوال آغا عاطف سے پوچھ کر روسی میں لکھ رہا تھا۔
آغا عاطف کبھی کرپال کے لکھے روسی الفاظ پر نظریں دوڑاتا اور کبھی کنکھیوں سے اپنی طرف دیکھتی اس لڑکی کی طرف دیکھتا جو اب بھی گاہے گاہے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔
اس کا خیال کاؤنٹر پر کھڑی لڑکی، کرپال کے سوالوں اور فارم پر اس کے چلتے قلم کے درمیان گردش کر رہا تھا۔
"کیا میں کبھی یہ زبان پڑھ، لکھ اور بول پاؤں گا؟ " پھر اسے خیال آیا کہ کرپال پنجابی ہے۔ اگر وہ اتنی شستہ روسی بول، پڑھ اور لکھ سکتا ہے تو ایک دن وہ بھی اس کی طرح روسی زبان میں ایکسپرٹ ہو جائے گا۔
وہ دونوں فارم بھر چکے تو کرپال نے آغا عاطف سے فارم پر اس کے دستخط کرائے اور فارم لڑکی کے حوالے کر دیئے۔ لڑکی نے سارے فارموں کی جانچ پڑتال کی۔ اس کے پاسپورٹ کی کاپی بنا کر ان فارموں کے ساتھ لگائی۔ اور انہیں دوسرے فارموں کے ساتھ ایک ٹوکری میں رکھ دیا۔
وہ رجسٹریشن آفس سے باہر نکلے تو آغا عاطف نے کرپال سے دفتر میں کام کرنے والی لڑکیوں کے بارے میں پوچھا۔ اس نے شوخی کرتے ہوئے کہا کہیں ایسا تو نہیں اس کا ان لڑکیوں پر دل آ گیا ہے۔ پھر خود ہی کہنے لگا وہ اسی یونیورسٹی کی طالبات ہیں۔ یونیورسٹی کے اس طرح کے انتظامی امور زیادہ تر طالب علم ہی چلاتے ہیں۔ لیکن مستقل اسٹاف بھی ہے۔
یہی باتیں کرتے وہ یونیورسٹی میں واقع کیفے میں پہنچے تو وہاں پہلے سے طالب علموں کی لمبی لائن لگی تھی۔ ایک کاؤنٹر پر پلاسٹک کی چھوٹی چھوٹی ٹریئوں میں فوڈ اس طرح رکھی تھی کہ لائن تیزی کے ساتھ چل

رہی تھی۔ سب لڑکے اور لڑکیاں ایک ایک کر کے ٹرے اٹھا کر کیفے کے ہال میں لگی ٹیبلوں پر بیٹھ کر کھا رہے تھے۔

آغا عاطف نے ٹرے میں رکھی خوراک دیکھی تو اس کے چہرے پر سوالیہ نشان ابھرا۔ اس نے کرپال کے ساتھ جلدی سے ایک ٹرے اٹھائی اور پھر دونوں جا کر ایک ٹیبل پر بیٹھ گئے۔ ٹرے میں ایک پلیٹ میں بند گوبھی اور کھیروں کا مکس سلاد رکھا تھا جس پر کسی میٹ کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے بکھرے ہوئے تھے ۔ بند گوبھی اور کھیرے تازہ نہیں تھے بلکہ انہیں سرکے میں محفوظ کیا گیا تھا۔ ساتھ ہلکے سیاہ رنگ کی روٹی کے دو دو سلائس رکھے تھے اور ایک بڑا سا اُبلا ہوا آلو۔ روٹی شاید رائی سے بنائی گئ تھی۔ کھانا کافی تھا لیکن ان دیکھا اور ان جانا۔ آغا عاطف نے تھوڑا سا سلاد منہ میں ڈالا۔ اسے لگا اس کی توقع کے برعکس سلاد خاصہ خوش مزہ تھا۔ اس کے چہرے سے سوالیہ نشان غائب ہو گیا۔

کرپال نے پوچھا کہ وہ پینے کے لئے کیا لے گا۔ پھر ساتھ ہی کہنے لگا زیادہ لوگ لنچ کے ساتھ وادکا یا بیئر لیتے ہیں۔ وہ اگر وادکا یا بیئر نہ لینا چاہے تو پانی اور چائے بھی موجود ہے۔

آغا عاطف نے فی الحال پانی پر اکتفا کرنا مناسب سمجھا۔ کرپال اپنے لیے ایک دوسرے کاؤنٹر پر رکھی وادکا کی بوتل اور عاطف کے لیے پانی کا گلاس اٹھا لایا۔ آغا عاطف نے دیکھتے ہی دیکھتے روٹی کے ٹکڑے اور سلاد پیٹ میں اتارے اور پانی کا سارا گلاس ایک گھونٹ میں خالی کیا تو اس کے پیٹ میں ناچتی بلّیوں اور چوہوں کا کھیل ختم ہوا۔

کرپال آہستہ آہستہ لنچ کھا رہا تھا۔ کبھی وہ روٹی کا ٹکڑا منہ میں ڈالتا، کبھی سلاد اور کبھی وادکا کی چسکی لیتا۔

وہیں بیٹھے بیٹھے آغا عاطف نے کرپال سے پوچھا: "روسی زبان خاصی دشوار ہے۔ اس نے کس طرح اتنی جلدی اس مشکل زبان پر عبور حاصل کیا۔"

کرپال نے وادکا کی چسکی لیتے ہوئے جواب دیا۔ "روسی زبان بالکل مشکل نہیں ایک بار کوئی اس کے حروفِ تہجی سے اچھی طرح آشنا ہو جائے تو پھر آسان ہو جاتی ہے۔ روسی زبان ہمارے لسانی نظام کا حصہ

ہے۔اس کے حروف کی آوازیں ہماری آوازوں سے ملتی ہیں۔اس میں ایسی الجھنیں نہیں جیسی انگریزی یا دوسری یورپی زبانوں میں ہیں۔"

آغا عاطف نے کرپال کا جواب سن کر ایک لمبی سرد آہ بھری اور کہا: "فی الحال تو یہ بہت مشکل دکھائی دیتی ہے۔" پھر موضوع بدلتے ہوئے بولا: " یار کرپال میں نے اب تک جتنے روسی مرد اور عورتیں دیکھے تھے سب کے چہروں پر ایک عجیب سنجیدگی اور تناؤ تھا لیکن رجسٹریشن آفس والی لڑکی کے چہرے پر مسلسل مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔اور وہ بات بھی بہت شائستگی سے کر رہی تھی۔"

"نہیں، نہیں روسی بہت اچھے لوگ ہیں۔ان کو سنجیدہ رہنا سکھایا جاتا ہے۔خاص طور پر مرد سنجیدگی کو مردانگی کا حصہ سمجھتے ہیں۔" کرپال نے آغا عاطف کو جواب دیتے ہوئے کہا۔

"اچھا کرپال یہ بتاؤ کہ جو ابھی ہم نے کھایا تھا اسے روسی زبان میں کیا کہتے ہیں۔"

"اسے روسی میں زاکوسکا کہا جاتا ہے۔زاکوسکا بنیادی طور پر مکس سبزیوں کا سلاد ہوتا ہے جو کبھی تازہ سبزیوں سے اور کبھی محفوظ کی گئی سبزیوں سے بنتا۔اس میں غذائیت بڑھانے کے لیے میٹ مکس کیا جاتا ہے۔زیادہ تر یہ میٹ مچھلی یا چکن کا ہوتا ہے۔" کرپال نے آغا عاطف کے سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا۔

"زاکوسکا دیکھنے میں ایسے ہی لگتا تھا لیکن کھانے میں خوش مزہ تھا۔" آغا عاطف نے اپنی پہلی روسی غذا کے بارے میں اپنے تاثرات کا اظہار کیا۔

"ہاں روسی غذا کی ظاہری سجاوٹ پر کم توجہ دیتے ہیں۔جس طرح یہ اپنی زندگیوں میں یک رخے ہیں،اسی طرح یہ اپنی زبان اور غذاؤں کے بارے میں بھی سادگی پسند کرتے ہیں۔" کرپال سنگھ نے آغا عاطف کی بات کا جواب دیتے ہوئے کہا۔

"زندگی کا یہ یک رخا پن روسیوں کو مروادے گا۔آج کی دنیا منافقوں اور منافقتوں کی دنیا ہے۔دشمنی بھی دوستی کی آڑ میں کی جاتی ہے۔خاص طور پر مغربی ممالک نے کمالِ مہارت سے منافقت کو آرٹ کے

درجے تک پہنچا دیا ہے۔ روسیوں کو ماڈرن ڈپلومیسی سیکھنی ہو گی۔ اگر یہ منافقت کے آرٹ میں مہارت حاصل نہ کر سکے تو بے موت مارے جائیں گے۔"

کرپال نے آغا عاطف کی بات سنی تو اس کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔ پھر اس نے آغا عاطف کو ماسکو کے ثقافتی ماحول کے بارے میں سمجھاتے ہوئے کہا:

"آگا جی، ابھی آپ کو روسی نہیں آتی۔ لیکن جب آپ روسی سیکھ جائیں تو ماسکو میں بیٹھ کر روسیوں کے بے موت مارے جانے کی بات کبھی نہ کرنا۔ ایسی باتیں کرنے والے بعض اوقات ماسکو میں مشکل میں پڑ جاتے ہیں۔"

انہی باتوں میں انہوں نے اپنا لنچ ختم کیا۔ کرپال نے وادکا کی آخری چسکی لگائی اور پھر کہنے لگا کہ "میں اب باقی کلاسوں میں جاؤں گا تم چاہو تو واپس اسٹوڈیو جا سکتے ہو یا کہیں اور گھومنا پھرنا چاہو تو بھی ٹھیک ہے۔"

آغا عاطف نے کہا کہ وہ اسٹوڈیو جانے سے پہلے لائبریری جائے گا اور وہاں کتابوں کا جائزہ لے گا۔ ہو سکتا ہے وہاں اسے کچھ اور ہندوستانی اور پاکستانی طالب علم مل جائیں۔

اس نے کیفے کے باہر کرپال سنگھ کو خدا حافظ کہا۔ پھر ارادہ بدل کر لائبریری جانے کی بجائے ارد گرد کے ماحول کا جائزہ لینے کے لیے کیمپس سے باہر چلا گیا۔ سڑک پر اکا دکا روسی خواتین اور مرد روائتی لباس پہنے سڑکوں پر چلتے دکھائی دیئے۔ تاہم پاکستان کے برعکس اسے سڑکوں پر بچے بہت کم دکھائی پڑے ۔ وہ توقع کر رہا تھا یہاں بھی اسے بہت سے بچے سڑکوں پر بھاگتے دوڑتے اور کھیلتے دکھائی دیں گے لیکن یہاں ایسا کچھ نہیں تھا۔

روس میں کافی عرصہ پہلے مارکسی حکومت نے خاندانی نظام توڑ دیا تھا جس سے پیدا ہونے والے مسائل کے بعد اب اسے دوبارہ قائم کرنے کی کوشش کی جا رہی تھی۔ لیکن اگر کسی سماج میں خاندانی نظام کو توڑ دیا جائے تو پھر اسے دوبارہ منظم کرنا آسان نہیں ہوتا۔

چند گھنٹے سڑکوں پر آوارگی کرنے کے بعد وہ اسٹوڈیو پہنچا تو کرپال پہلے ہی وہاں موجود تھا۔ اس نے پگڑی سر سے اتار رکھی تھی اور اس کے عورتوں سے زیادہ طویل بال شانوں پر بکھرے تھے۔

اس نے آغا عاطف کو خوش آمدید کہا، پھر اس سے اس کی آوارگی کا احوال سنا، اپنے شانوں پر بکھرے بال لپیٹ کر سر پر ان کا ڈونٹ بنایا اور پھر شام کے لیے روائتی روسی سوپ کاشا بنانا شروع ہو گیا۔ سڑکوں پر آوارگی کی وجہ سے آغا عاطف کی بھوک پھر چمک اٹھی تھی۔ اسے کاشا کی خوشبو اچھی لگی۔ اس نے کرپال کے ساتھ کھڑے ہو کر سوپ بنانے میں اس کی مدد شروع کر دی۔ یہ اس کا روسی غذا تیار کرنے میں پہلا سبق تھا۔

فصل 4

ماسکو مزدوروں کی جنت سوویت یونین کا دارالخلافہ تھا۔ دنیا بھر کے مزدور ماسکو کو اپنی طاقت سمجھتے تھے۔ کئی ممالک نے امریکہ کی قیادت میں سوویت یونین کا دنیا میں بڑھتا ہوا اثر ورسوخ روکنے کے لیے داخلی اور بین الاقوامی سطح پر ایسی پالیسیاں وضع کر رکھی تھیں جن کی وجہ سے ان ممالک کے شہریوں کے لیے روس کا سفر کرنا آسان نہیں تھا۔

پاکستان بھی انہی ممالک میں شامل تھا۔ روس جانے والے زیادہ تر پاکستانی اس بات کو ترجیح دیتے تھے کہ وہ حکومتِ پاکستان کے علم میں لائے بغیر سوویت یونین کا سفر کریں۔

صورت حال اس قدر خراب تھی کہ ان دنوں عام آدمی کے لیے سوویت ایمبیسی جانے کا مطلب تھا پاکستان کے خفیہ اداروں کی توجہ کا مرکز بننا۔

ہندوستان اور سوویت یونین دو ملک ایسے تھے جن کی ایمبیسی میں داخلے کے بعد پاکستان کے خفیہ اداروں سے بچ کر پاکستان میں آزادانہ زندگی گزارنا تقریباً ناممکن تھا۔ ہر ایسے شخص کی فائل کُھل جاتی تھی جو کسی بھی مقصد کے لیے انڈین یا سوویت ایمبیسی میں داخل ہوتا یا اس کے ارد گرد دکھائی دیتا۔ لیکن ہندوستانی شہریوں کو ایسی صورت حال درپیش نہیں تھی۔ وہ آزادانہ طور پر سوویت یونین آجاسکتے تھے۔ اس وجہ سے ماسکو میں ہندوستانی زیادہ دکھائی دیتے تھے جبکہ پاکستانی خال خال ہی دکھائی پڑتے تھے۔ یہی حال روسی تعلیمی اداروں میں بھی تھا۔

ضروری کوائف کی تکمیل کے بعد آغا عاطف روسی زبان کی ابتدائی کلاس میں پہنچا تو وہ اس کلاس میں اکیلا پاکستانی تھا۔ تاہم کئی ہندوستانی لڑکے لڑکیاں موجود تھے۔ ان میں سے ایک کا نام ساچن تھا۔ ساچن پونا کا رہنے والا تھا۔ اس نے پونا یونیورسٹی سے بی ایس سی کر رکھی تھی۔ ہندی بولتا تھا۔

ہندوستانی لڑکیوں میں سے ایک سپیتمی تھی۔ سپیتمی دارجیلنگ سے آئی تھی۔ اس نے کلکتہ یونیورسٹی سے بی اے کرر کھا تھا۔ اس کی مادری زبان بنگالی تھی۔ اسے ہندی نہیں آتی تھی۔ چنانچہ وہ سب سے انگریزی میں گفتگو کر رہی تھی۔ ساچن اور سپیتمی سے گفتگو کر کے آغا عاطف کو لگا کہ وہ وہاں تنہا نہیں ہے۔

کرپال سنگھ کے دوستانہ رویئے نے اسے پہلے ہی ماسکو میں اجنبیت کا احساس نہیں ہونے دیا تھا۔ اب ساچن اور سپیتمی سے ملاقات کے بعد اسے لگا کہ ماسکو میں کچھ لوگ ہیں جن کے ساتھ اس کی دوستی ہو سکتی ہے اوران کے ساتھ وہ کچھ وقت بھی گزار سکتا ہے۔

روسی زبان کی پہلی کلاس میں بیٹھے ابھی وہ ایک دوسرے سے شناسائی حاصل کر رہے تھے کہ آسمانی رنگ کی شرٹ اور کریم کلر کی پینٹ میں ملبوس ایک روسی لڑکی کلاس روم میں داخل ہوئی۔ یہ ان کی روسی زبان کی استاد تھی۔

آغا عاطف نے کلاس میں آنے والی استاد کی طرف دیکھا تو اس کی آنکھیں حیرت سے کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ اس کی استاد وہی لڑکی تھی جس نے رجسٹریشن آفس میں اس اسے فارم دیئے تھے اور اس کی مدد کی تھی۔

لڑکی کے چہرے پر اب بھی وہی مسکراہٹ صبح کے سورج کی طرح چمک رہی تھی۔ اس نے سر کلاس کھڑے ہو کر کلاس سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا:

"پروبی ات۔"

پھر انگریزی میں پوچھنے لگی کیا کسی کو اس لفظ کے معنی آتے ہیں۔ ساچن کو پہلے سے روسی زبان میں کچھ شدھ بدھ حاصل تھی۔ وہ فوراً بولا کہ "پروبی ات" کا مطلب ہے ہیلو۔

ساچن کا جواب سن کر اس نے تختہ سیاہ پر روسی میں "پروبی ات" لکھا۔ پھر انگریزی میں کہنے لگی کہ وہ چاہتی ہے کہ روسی حروف ابجد سکھانے سے پہلے وہ کچھ اہم الفاظ تمام طالب علموں کو سکھائے۔ یہ

روز مرّہ کے الفاظ ہیں۔ جو روزانہ زندگی میں استعمال ہوتے ہیں۔ ان الفاظ کو جاننے کی وجہ سے تم لوگ روسی زبان کے صوتی نظام سے آشنا ہو جاؤ گے۔

پھر میں تمہیں روسی حروف ابجد لکھنا اور ان کی آوازیں سکھاؤں گی۔ اس کے بعد ان کو جوڑ کر الفاظ بنانا اور پھر الفاظ سے جملے مرتب کرنا۔ اگر تم میرے ساتھ چلے تو چھ ہفتوں میں تمہیں روسی کے حروف ابجد لکھنا، ان سے الفاظ بنانا اور پھر لفظوں سے جملے بنانا آجائے گا۔

اس کے بعد اگلے چھ ہفتوں میں تم اسکول اور پھر کالج لیول کی روسی لکھنے اور پڑھنے کے قابل ہو جاؤ گے۔ چھ ماہ بعد تم یونیورسٹی میں اپنی مرضی کے مضامین میں داخلے کے لیے تیار ہو جاؤ گے۔ پھر میرا کام ختم ہو جائے گا۔

اس کے بعد اس نے تختہ سیاہ پر دو اور حروف لکھے۔ ایک لفظ کو اس نے "دھا" اور دوسرے کو "نیت" تلفظ کیا۔ پھر اس نے کلاس میں بیٹھے طالب علموں سے پوچھا کہ کیا کوئی ان الفاظ کا مطلب جانتا ہے۔ ساچن نے پھر "دھا" کا مطلب "ہاں" اور "نیت" کا مطلب "ناں" کہا تو لڑکی کی آنکھوں میں چمک پیدا ہوئی۔

اس نے ساچن سے مخاطب ہو کر روسی میں کچھ کہا۔ لیکن ساچن اس کی بات سمجھنے سے قاصر رہا۔ پھر اس نے طالب علموں سے مخاطب ہو کر کہا کہ وہ ان کی استاد ہے۔ اور اس کا نام کترینا ہے۔

جب وہ اپنا نام بتا رہی تھی، آغا عاطف نے محسوس کیا کہ رجسٹریشن آفس کی طرح آج بھی وہ کبھی کبھی اس کی طرف دیکھتی اور پھر باقی طالب علموں کی طرف متوجہ ہو جاتی تھی۔

آغا عاطف خوش تھا کہ وہ انگریزی بول سکتی تھی۔ اگر اس دن اسے پتہ ہوتا کہ وہ انگریزی جانتی ہے تو کرپال کی مدد لینے کی بجائے براہ راست اس کے ساتھ ڈیل کرتا۔

کترینا کی نظروں کا مرکز بننے کے بعد آغا عاطف نے بھی اس کی طرف توجہ دینی شروع کر دی۔ لیکن اس نے اس کے بارے میں تجاہل عارفانہ کا انداز اختیار کیا۔ حالانکہ کہ سچ بات یہ تھی کہ کترینا نے

رجسٹریشن آفس میں ہی آغا عاطف کے دل کی سلطنت پر قبضہ جمالیا تھا۔

وہ لاہور میں اپنے دوستوں کے ساتھ اور کبھی تنہا لڑکیوں کے چکر میں رہتا تھا لیکن اس نے کبھی کسی لڑکی کے بارے میں سنجیدگی سے نہیں سوچا تھا۔ اپنی زندگی کی طرح وہ اپنی مستقبل کی ملکہ کے بارے میں سوچنے سے بھی کوسوں دور تھا۔

لیکن رجسٹریشن آفس میں جب اس نے کترینا کی طرف دیکھا اور پھر کترینا کے چہرے پر موسم بہار کے پھولوں کے رنگ بکھرے دیکھے تو اس کی سٹی گم ہو گئی۔

اس نے چند بار اس دن کیفے میں بیٹھے اور پھر اسٹوڈیو میں کرپال سنگھ سے کترینا کا ذکر کیا لیکن اس طرح کہ کرپال اس کے دل میں اس کے لیے اڑتی تتلیوں کے پروں کی پھڑ پھڑاہٹ محسوس نہ کر سکا۔

اب کلاس روم میں بیٹھا وہ کترینا کی اپنی طرف اٹھتی اور ہٹتی نظریں دیکھ رہا تھا۔ رجسٹریشن آفس میں اسے احساس تھا کہ اسے روسی نہیں آتی۔ یہاں وہ سوچ رہا تھا کترینا اس کی ٹیچر ہے اور وہ اس کا طالب علم۔ کیا ایک طالب علم کو اپنی ٹیچر سے محبت کرنی چاہیے؟

لیکن کترینا اور اس کی عمر میں کوئی فرق نہیں تھا۔ وہ اکیس برس کا نوجوان لڑکا تھا اور کترینا اسی عمر کی نوجوان لڑکی۔ وہ پاکستانی تھا اور وہ روسی۔

کترینا یونیورسٹی میں پڑھتی تھی، آفس میں کام کرتی تھی، اور مختلف ملکوں سے نئے آنے والے طالب علموں کو ابتدائی روسی پڑھاتی تھی۔

آغا عاطف خوش تھا کہ کترینا اس کی روسی کی استاد تھی۔ شاید اب وہ روسی زیادہ آسانی سے سیکھ سکے گا۔ یا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ ابتدائی روسی کی کلاس میں اٹک جائے اور روسی بالکل نہ سیکھ سکے۔ کیونکہ اس کی نظریں بار بار کترینا کے چہرے کی طرف اٹھ اور پھر سمندر کی لہروں کی طرح اس کے جسم پر بکھر رہی تھیں۔ اس کے الفاظ موسیقی کے ترنم کی طرح اس کے کانوں میں داخل ہوتے اور پھر دل کی گہرائیوں میں گم ہو جاتے۔

کترینا ابتدائی چند جملوں کے بعد کئی اور جملے طالب علموں کو سکھا چکی تھی۔ کلاس میں بیٹھے لڑکے اور لڑکیاں "گار جیوا" "تم کیسے ہو؟" کی پریکٹس کر رہے تھے لیکن آغا عاطف ابھی تک "پروبی ات" یعنی "ہیلو" اور "دھا" اور "نیت" یعنی "ہاں" اور "ناں" پر اٹکا ہوا تھا۔

کترینا نے آغا عاطف کو "دھا" اور "نیت" میں الجھے دیکھا تو اس سے مخاطب ہو کر کہنے لگی۔

"اگر اس نے مقررہ وقت میں زبان نہ سیکھی تو یونیورسٹی میں اس کے داخلے کے امکانات معدوم ہو جائیں گے۔ اگر وہ یونیورسٹی میں آگے بڑھنا چاہتا ہے تو اسے بہر صورت باقی طالب علموں کے ساتھ چلنا ہے۔"

آغا عاطف نے کترینا کی بات سن کر دو تین بار زبان سے "دھا" "دھا" کہا اور ساتھ ہی سر کو "ہاں ہاں" کے انداز میں حرکت دی۔

کترینا نے آغا عاطف کا ہاں ہاں میں سر ہلتے دیکھا تو مسکراتے ہوئے کہنے لگی:

"عاطف شکر کرو تم ماسکو میں ہو بلغاریہ میں نہیں۔ اگر وہاں ہوتے تو تمہارے سر ہلانے کا مطلب ہوتا نہیں نہیں۔"

"اسی لیے تو میں بلغاریہ نہیں گیا ماسکو آیا ہوں۔ تاکہ "دھا" کو "دھا" اور "نیت" کو "نیت" رکھ سکوں۔

آغا کا جواب سن کر کترینا نے اسے ایک اور سوال پوچھا: "تم پاکستان سے آئے ہو کیا تم کامریڈ فیض کو جانتے ہو۔"

کترینا کے منہ سے فیض کا نام سن کر آغا عاطف کو بہت تعجب ہوا۔ اسے اندازہ نہیں تھا کہ روسی فیض صاحب سے اتنی محبت کرتے ہیں کہ یونیورسٹی کی ایک طالبہ بھی ان کے نام سے آشنا ہے۔

کلاس میں بیٹھے سب طالب علم کترینا اور آغا عاطف کا انگریزی میں ہونے والا مکالمہ سن رہے تھے۔ پھر وہ

باقی طالب علموں سے مخاطب ہو کر بولی۔ جب تمہیں روسی زبان پر عبور ہو جائے تو کامریڈ فیض کی روسی میں شائع ہونے والی نظمیں ضرور پڑھنا۔ ان کی شاعری روسی زبان میں ڈھل کر اور بھی خوبصورت ہو گئی ہے۔

کترینا سر کلاس بول رہی تھی اور آغا عاطف اس کی آواز کے زیر و بم میں کھویا اپنے دھند آلود مستقبل میں مسلسل سفر کر رہا تھا۔

اسے محسوس ہو رہا تھا کہ روس کترینا کے ذریعے رفتہ رفتہ اس کی روح میں اترنا شروع ہو گیا ہے۔ اس کا جی چاہا کہ وہ آگے بڑھ کر کترینا کا ہاتھ تھام لے اور پھر اسے کہے کہ وہ اس کے ساتھ مزدوروں اور کسانوں کی اس جنت میں ایک محنت کش کے طور پر باقی زندگی گزارنا چاہتا ہے۔

لیکن جب کترینا نے آج کی کلاس کا آخری لفظ "دس ودانیا" یعنی "خدا حافظ" تختہ سیاہ پر لکھا تو آغا عاطف واپس حقیقی دنیا میں لوٹ آیا۔

اس کا چہرہ اس وقت شرم سے سرخ ہو گیا جب کترینا کے کلاس روم سے جانے کے بعد ساچن اور سپیتمی نے اس کا مذاق اڑایا کہ وہ اپنی روسی زبان کی استاد کی محبت میں گرفتار ہو گیا ہے۔

اسے لگا کہ اس کی کوئی ایسی چوری پکڑی گئی ہے جسے وہ کسی پر افشا نہیں ہونے دینا چاہتا تھا۔ لیکن اس لمحے اسے قدرے اطمینان ہوا جب ساچن اور سپیتمی نے اسے بتایا کہ لگتا ہے کہ مس کترینا اس سے زیادہ اس کی محبت میں گرفتار ہے۔ پھر وہ اسے پوچھنے لگے کیا وہ پہلے کترینا سے مل چکا ہے۔

اس نے "نیت" "نیت" کہتے ہوئے اپنا سر نفی میں ہلا دیا اور پھر کہنے لگا کہ میں ماسکو میں ہونے کے باوجود اپنا سر بلغاریہ والوں کی طرح ہلا رہا ہوں۔

پھر وہ ساچن اور سپیتمی کے ساتھ مل کر لنچ کے لئے یونیورسٹی کے کیفے ٹیریا کی طرف چل پڑا۔ آخر خالی پیٹ عشق بھی تو نہیں کیا جا سکتا۔ اور وہ بھی اپنی روسی ٹیچر کے ساتھ۔

فصل 5

اگلی صبح دن چڑھے آغا عاطف کرپال کا بنایا سوپ کھا کر روسی زبان کی کلاس میں جانے کے لیے نکلا تو سورج نیلے مشرقی آسمان پر پوری آب و تاب سے چمک رہا تھا۔ ہوا میں سردی تھی۔ لیکن سردی قابل برداشت تھی۔ وہ پیدل چلتا کلاس میں پہنچا تو کترینا پہلے سے وہاں موجود تھی۔

آغا عاطف کو دیکھتے ہی کترینا کا چہرہ کھل اٹھا۔ اس نے اس سے دیر سے آنے کا سبب پوچھا۔ آغا عاطف کے چہرے کے رنگ ساون بھادوں کی دھوپ کی طرح بدلنا شروع ہو گئے۔

اسے اس طرح کترینا سے گفتگو کرتے دشواری پیش آ رہی تھی۔ اس نے کل سے کترینا کو بطور استاد دیکھنے کی بجائے ایک لڑکی کے طور پر دیکھنا شروع کر دیا تھا۔

کترینا نے اسے دیر سے آنے کا سبب پوچھا تو اس نے روسی میں یاساجولیو کہنے کی کوشش کی لیکن اس کی زبان اور اس کے ذہن نے اس کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا۔ حالانکہ رات اس نے کتنی بار کرپال سنگھ کے ساتھ ان الفاظ کی پریکٹس کی تھی۔

وہ چاہتا تھا کہ کترینا کی گذشتہ دن کی گفتگو کے بعد اس کو متاثر کرنے کے لیے اس کے ساتھ روسی میں چند جملے بولے گا لیکن ایک اچھا موقع ملنے کے باوجود وہ یاساجولیو نہ کہہ سکا۔ وہ کہنا چاہتا تھا کہ مجھے افسوس ہے۔ لیکن اس کی زبان یاسا پر اٹک کر رہ گئی۔ جب کترینا نے دیکھا وہ یاساجولیو کہنے کی کوشش کر رہا ہے تو اس نے ہنستے ہوئے اس کا جملہ مکمل کر دیا۔

پھر اس نے تختہ سیاہ پر آغا عاطف کا جملہ لکھا اور کلاس سے پوچھا کہ کیا کسی کو اس جملے کا مفہوم آتا ہے۔ ساچن جو کہ کل بڑھ چڑھ کر بول رہا تھا اس جملے کا مفہوم نہیں جانتا تھا۔ آغا عاطف نے سینہ پھلا کر بڑے فخر کے ساتھ جواب دیا کہ یاساجولیو کا مطلب ہے آئی ایم سوری۔ کترینا بھی آغا عاطف کے جواب سے خوش ہوئی۔

آغا عاطف نے کترینا کو پہلے دن ایک ٹیچر کی بجائے ایک لڑکی کی طرح دیکھا تھا، جس سے وہ اپنے دل کی گہرائیوں میں محبت کر رہا تھا، اس لئے وہ کترینا کے ہر لفظ، ہر جنبش اور چہرے کے ہر تاثر کو ایک طالب علم کی بجائے ایک عاشق کے طور پر دیکھ رہا تھا۔

وہ نہیں جانتا تھا کہ کچھ چہرے فطرت ایسے بھی بناتی ہے جن پر ایک مخصوص تاثر ہمیشہ موجود رہتا ہے۔ کترینا کا چہرہ بھی انہی چہروں میں سے ایک تھا۔ اس کے چہرے کی ساخت کچھ ایسی تھی کہ اس پر ہمیشہ مسکراتے رہنے کا گمان گزرتا تھا۔ کوئی بھی اسے دیکھتا تو یہی محسوس کرتا کہ وہ اس کی طرف دیکھ کر مسکرا رہی ہے۔

اس کے باوجود کہ اس کے چہرے کی ساخت ایسی تھی وہ بہر حال ایک نوجوان لڑکی تھی۔ اپنے ارد گرد لڑکیوں کو دیکھ کر مردوں کے مزاجوں میں اٹھنے والے جوار بھاٹے سے آشنا تھی۔ آغا عاطف کے وجود سے نکلنے والی غیر مرئی شعائیں اس کے دل و دماغ تک پہنچ رہی تھیں۔ اور وہ ان کا اثر بھی قبول کر رہی تھی۔

آغا عاطف کی "یاسا۔۔۔یا۔۔۔۔سا۔۔۔۔" نے اسے خاص طور پر بہت محظوظ کیا تھا۔

آج کلاس کے بعد اسے کوئی کام نہیں تھا۔ وہ بالکل فارغ تھی۔ رجسٹریشن آفس آج ویسے بند تھا۔ اور اسے کہیں آنا جانا نہیں تھا۔ اس نے فیصلہ کیا کہ آج کلاس کے بعد وہ آغا عاطف کے ساتھ لنچ کرے گی۔

آغا عاطف سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ماسکو میں وارد ہونے کے چند ہی دن بعد ایک روسی لڑکی اتنی جلدی اس طرح اس کے قریب آجائے گی۔

چنانچہ کلاس کے بعد جب کترینا نے اسے اپنے ساتھ لنچ کرنے کے لیے پوچھا تو اس کا چہرہ فرطِ جذبات سے سرخ ہو گیا۔ اس نے گلاب کی طرح کھلے ہوئے چہرے کے ساتھ اپنی طرف بڑھتے دوسرے گلاب کی لنچ کی دعوت فوراً قبول کر لی۔

کترینا اور آغا عاطف روسی زبان کی کلاس سے نکل کر ایک دوسرے کے ساتھ، ایک دوسرے کی معیت میں، پہلو بہ پہلو چلتے، یونیورسٹی کے کیفے کی طرف روانہ ہوئے تو سب لڑکے اور لڑکیاں ان کی طرف دیکھ رہے تھے۔ ساچن اور سپتمی بھی الگ سے چلتے کیفے کی طرف جا رہے تھے۔ ان میں اور کترینا اور آغا عاطف میں چند قدموں کا فاصلہ تھا۔ چونکہ آغا عاطف کو ابھی روسی نہیں آتی تھی۔ اس لیے وہ دونوں انگریزی میں گفتگو کر رہے تھے۔

آغا عاطف کترینا سے کہہ رہا تھا کہ وہ اسے بہت اچھی لگتی ہے۔ جس دن اس نے اسے رجسٹریشن آفس میں دیکھا تھا وہ اسی دن اس کے دل میں گھر کر گئی تھی۔

کترینا اسے کہہ رہی تھی کہ وہ بھی اسے اچھا لگا تھا۔ اس نے جین کی پینٹ، سرخ شرٹ اور شرٹ کے اوپر جین کی جو جیکٹ پہن رکھی تھی وہ اس پر بہت جچ رہی تھی۔

آغا عاطف اسے کہہ رہا تھا کہ یہ مڈل کلاس سے تعلق رکھنے والے عام پاکستانی لڑکوں اور لڑکیوں کا لباس ہے۔ وہ جین کی پینٹ کے اوپر کسی بھی رنگ کی شرٹ اور اگر موسم میں خنکی ہو تو ساتھ جین کی جیکٹ پہنتے ہیں۔

انہی باتوں میں وہ کیفے پہنچے تو آسمان پر ہلکے ہلکے بادل چھانے لگے تھے۔

کترینا اور آغا عاطف نے لائن میں کھڑے ہو کر لنچ کی ایک ایک ٹرے اٹھائی اور ایک ٹیبل پر جا کر بیٹھ گئے۔

کترینا جا کر وادکا کی دو چھوٹی بوتلیں اٹھا لائی۔ ایک اپنے لئے اور دوسری آغا عاطف کے لئے۔ لنچ کے ساتھ وادکا پینے کا یہ تجربہ آغا عاطف کو روس کے علاوہ کہیں نہیں ہوا تھا۔

پاکستان میں عام طور پر شراب پینے والوں کا خیال تھا کہ شراب ہمیشہ خالی پیٹ پینی چاہیے۔ زیادہ سے زیادہ شراب کے ساتھ کسی قسم کے نمکین اسنیکس لئے جانے چاہیں۔ لیکن لنچ کے ساتھ وادکا آغا عاطف کے لئے ایک عجیب تجربہ تھا۔

جو لنچ کے ساتھ واد کا نہیں لے رہے تھے وہ پانی یا چائے استعمال کر رہے تھے۔

آج لنچ پہلے دن کی نسبت قدرے مختلف تھا۔ ٹرے میں ایک پیالہ سوپ، کچھ سلاد اور ساتھ روٹی کے سلائس رکھے تھے۔ آج سلاد تازہ سبزیوں کا تھا۔ لیکن اس پر میٹ کے ٹکڑے نہیں تھے۔ سوپ بھی دیکھنے میں سالن کی طرح دکھائی دیتا تھا جس میں پنیر کے کیوب تیر رہے تھے۔

کترینا اور آغا عاطف آمنے سامنے بیٹھے لنچ کھا رہے تھے اور ساتھ ساتھ بات چیت بھی کر رہے تھے۔ آغا کترینا سے کہہ رہا تھا کہ "اسے اس سے محبت ہو گئی ہے۔"

محبت کے لفظ پر کترینا نے آغا عاطف سے کہا "اس کا محبت کا تصور خاصہ بورزوازی ہے۔" آغا عاطف نے پاکستان میں اپنے کمیونسٹ دوستوں سے بورزوازی کی اصطلاح کئی بار سنی تھی اور وہ بہت حد تک اس کا مفہوم بھی سمجھتا تھا لیکن "بورزوازی محبت" کی اصطلاح اس نے زندگی میں پہلی بار کترینا کے منہ سے سنی تھی۔

اس نے کترینا کے جواب میں شوخی کے انداز میں کہا: "اگر اس کی محبت کا تصور بورزوازی ہے تو پھر وہ جاننا چاہتا ہے کہ محبت کا پرولتاری تصور کیا ہے؟"

"بورزوازی محبت میں مرد اور عورت ایک دوسرے کو اپنی پراپرٹی سمجھتے ہیں۔ جبکہ پرولتاری محبت میں نہ مرد عورت کی پراپرٹی ہوتا ہے اور نہ عورت مرد کی۔ دونوں ایک دوسرے کے دوست، ہم پلہ اور مساوی ہوتے ہیں۔"

"اگر ایسا ہے تو، اس نے کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے کہا، یا ساجو لیو۔ اسے بورزوازی نہیں پرولتاری محبت چاہیے۔"

کترینا، آغا عاطف کا کانوں کو ہاتھ لگانے کا انداز دیکھ کر اور اس کا شوخی بھرا جواب سن کر ہنس پڑی۔ اس کے ہنسنے میں ہلکا سا سنجیدگی کا رنگ غالب تھا۔

آغا عاطف کو کترینا کی محتاط ہنسی اچھی لگی۔ اس کے پہلے سے مسکراتے چہرے کے حصے کچھ اور کھل اٹھے۔ آغا عاطف کا جی چاہا کہ وہ اسی طرح ہنستی رہے اور وہ اسے دیکھتا رہے۔

لنچ کے دوران کترینا نے آغا عاطف سے پوچھا کہ وہ کہاں رہتا ہے۔ آغا عاطف نے اسے بتایا کہ وہ اپنے دوست کرپال سنگھ کے ساتھ رہ رہا ہے۔ "کیا وہی زعفرانی پگڑی والا کرپال سنگھ جو اس دن تمہارے ساتھ رجسٹریشن آفس آیا تھا؟" کترینا نے مسکراتے ہوئے آغا عاطف سے پوچھا۔

"ہاں ہاں وہی کرپال سنگھ ہے۔" آغا عاطف نے اسی طرح پر شوق نگاہوں سے کترینا کو دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

کترینا نے آغا عاطف کو اس طرح اپنی طرف دیکھتے دیکھا تو اپنے اور اس کے چہرے کے درمیان اپنا ہاتھ اس کی طرف ہلاتے ہوئے بولی اس کا اتنے شوق سے اسے دیکھنا کچھ نروس کر رہا ہے۔

آغا عاطف نے اسی طرح محبت آمیز نظروں سے دیکھتے ہوئے کترینا سے کہا: "وہ ہے ہی اتنی خوبصورت کہ وہ چاہے بھی تو اس کے چہرے سے نظریں نہیں ہٹا سکتا۔"

کترینا آغا عاطف کا جواب سن کر چہک اٹھی: "یہ جذبہ بھی اس کی محبت کے بورژوازی تصور کی پیداوار ہے۔" پھر اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولی: " تم میری طرف ضرور دیکھو لیکن مجھے اون کرنے کے لیے نہیں۔ بلکہ ایسے جیسے ایک دوست دوسرے دوست کو دیکھتا ہے۔"

کترینا کی بات سن کر آغا عاطف کچھ الجھن میں پڑ گیا۔ وہ سمجھ نہ سکا کہ اظہار محبت کرے تو کیسے اور کترینا کی طرف دیکھے تو کس طرح؟۔

اس نے پھریاسا جولیو کا سہارا لیتے ہوئے کترینا سے کہا: "وہ ابھی ہفتہ ڈیڑھ قبل پاکستان سے آیا ہے۔ پاکستانی معاشرہ مردوں کا معاشرہ ہے۔ ہمارے ہاں محبت کرنے کا معیار اور خوبصورت لڑکیوں کو دیکھنے کا انداز کچھ ایسا ہی ہے۔"

کترینا ایک بار پھر اس کی بات سن کر ہنس پڑی۔ اور کہنے لگی۔ "کوئی بات نہیں۔ وہ روسی معاشرے میں رہے گا تو رفتہ رفتہ چیزوں کے بارے میں اس کا رویہ تبدیل ہو جائے گا۔ مرد عورت کے تعلقات کے بارے میں اس کے تصورات بھی بدل جائیں گے۔"

"سچ۔۔۔ کیا واقعتاً ایسا ہو جائے گا؟ اگر ایسا ہو جائے تو اسے بہت خوشی ہو گی۔ لیکن وہ کبھی نہیں جان پائے گا کہ ٹھیک کیا ہے اور غلط کیا؟ محبت کے پاکستانی تصورات زیادہ بہتر ہیں یا روسی؟"

آغا عاطف کا جواب سن کر کترینا نے سنجیدہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا اور کہنے لگی:

"میرے پیارے دوست، یاد رکھو، روس میں صرف روسی تصورات درست ہیں۔" اسی طرح باتیں کرتے وہ لنچ سے فارغ ہو کر کیفے سے باہر نکلے تو باہر ہلکی ہلکی بارش ہو رہی تھی۔ جس کی وجہ سے موسم میں خاصی خنکی آچکی تھی۔ آغا عاطف کے سردی سے دانت بجنا شروع ہو گئے۔

کترینا نے اس کا یہ حال دیکھا تو کہنے لگی کہ ابھی ماسکو میں برف باری نہیں ہوئی۔ اگر اس قدر خنکی سے اس کا یہ حال ہے تو بر فباری میں تو اس کے لیے گھر سے نکلنا دشوار ہو جائے گا۔

کترینا نے لنچ کے دوران نوٹ کیا تھا کہ آغا عاطف نے کھانے کے ساتھ وادکا کا استعمال نہیں کیا تھا۔ اس لیے وہ اسے یاد دہانی کراتے ہوئے بولی: "وادکا سے بہتر سردی کا کوئی علاج نہیں۔ اگر وہ لنچ کے ساتھ وادکا استعمال کرتا تو سردی سے اس طرح اس کے دانت نہ بجتے۔"

آغا عاطف نے گہری نظروں سے کترینا کی طرف دیکھتے ہوئے اسے روسی میں "سپائی سی با" یعنی شکریہ کہا تو کترینا بولی کہ اس کی روسی زبان کے الفاظ کا ذخیرہ بڑھ رہا ہے۔ پھر وہ اسے خدا حافظ کہہ کر اپنے راستے پر ہو لی اور آغا عاطف اپنے راستے پر۔

وہ سوچ رہی تھی کہ آغا عاطف غیر روسی ہونے کے باوجود اچھا لڑکا ہے۔ اس سے محبت کی جا سکتی ہے۔ اور آغا عاطف اسٹوڈیو کی طرف واپس جاتے ہوئے سوچ رہا تھا۔ اسے کترینا کو پانے کے لیے محبت کے

روسی انداز سیکھنا ہوں گے۔ اسے بورزوازی محبت کے تصورات سے جان چھڑانا ہوگی اور پرولتاری محبت کے طریقے سیکھنا ہوں گے۔ لیکن کیسے؟ یہ جاننے میں اسے شاید ابھی کچھ وقت لگے گا۔

فصل 6

اس شام کرپال سنگھ اسٹوڈیو لوٹا تو آغا عاطف فلور پر بچھے اپنے بستر پر اوندھے منہ لیٹا تھا۔ اسے پتہ نہ چلا کہ کب کرپال سنگھ یونیورسٹی سے لوٹا اور کب اس نے شام کے کھانے کے لیے سوپ بنانا شروع کیا۔
تازہ سوپ کی خوشبو اس کے دماغ میں گھسی تو وہ بستر پر سیدھا ہوا۔ کرپال سنگھ نے دیکھا آغا عاطف کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ لگتا تھا وہ بستر پر لیٹے رو رہا تھا۔
کرپال سنگھ نے اسے اٹھ کر سوپ کھانے کے بارے میں کہا تو اس نے بہانہ بنایا کہ اسے بھوک نہیں۔ جس کے جواب میں کرپال سنگھ نے اسے پنجابی میں ماں کی ایک موٹی سی گالی دی۔
آغا عاطف کرپال سنگھ کی گالی سن کر اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے باتھ روم میں جا کر منہ پر پانی کے چھینٹے مارے اور کونے میں لگی کرسی پر بیٹھ گیا۔
کرپال سنگھ اپنے اور اس کے لیے سوپ کے دو پیالے اور روٹی کے ٹکڑے میز پر رکھ کر کھانے کے لیے بیٹھا تو آغا عاطف نے اس سے پوچھا کہ پرولتاری محبت کیا ہوتی ہے؟ آغا عاطف کا سوال سن کر کرپال سنگھ کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔
"لگتا ہے تو اس مسکراتے چہرے والی روسی لڑکی کی محبت میں گرفتار ہو گیا ہے۔" کرپال سنگھ نے آغا عاطف کی گزشتہ چند دنوں کی حرکات و سکنات کے پس منظر میں اس سے پوچھا۔
"کرپال تم ٹھیک کہتے ہو۔ وہ میرے دل اور دماغ پر اس طرح چھا گئی ہے کہ میں اس کے تصور سے آزاد نہیں ہو سکتا۔ جہاں جاتا ہوں اس کا تصور میرے ساتھ رہتا ہے۔ یوں لگتا ہے جیسے وہ میرے ساتھ اٹھتی، بیٹھتی، چلتی، پھرتی، کھانا کھاتی اور ہنستی کھیلتی ہے۔ جس دن میں تمہارے ساتھ رجسٹریشن آفس گیا تھا۔ تب سے لیکر اب تک وہ میرے بدن میں خون بن کر دوڑ رہی ہے۔ کوشش کرتا ہوں کہ اس سے اپنی توجہ ہٹاؤں لیکن نہیں ہٹا پاتا۔

اب اسے بھی پتہ چل گیا ہے کہ میں اس سے محبت کرتا ہوں۔ آج وہ کلاس کے بعد مجھے لنچ پر لے گئی تھی۔ وہ کہہ رہی تھی میرا محبت کا تصور بورژوازی ہے۔ اب بندہ پوچھے کیا محبت بھی بورژوازی ہوتی ہے؟" وہ تقریباً سسکنے لگا۔

کرپال سنگھ نے اس کی لمبی تقریر سنی تو کہنے لگا:

"اگر وہ تمہیں لنچ پر لے گئی تھی تو اس کا مطلب ہے وہ تمہیں پسند کرتی ہے۔ یہ صرف روسی ہی نہیں دنیا کی ہر عورت محبت میں مکمل طور پر شرابور ہونے کے باوجود مناسب وقت کا انتظار کرتی ہے۔ جب مناسب سمجھتی ہے تب وہ کسی کی محبت کا جواب محبت سے دیتی ہے۔ تم احمق نوجوانوں کی طرح رونے دھونے کی بجائے محبت میں ذرا آہستہ چلو تو وہ خود بخود تمہیں مل جائے گی۔"

کرپال سنگھ کی بات سن کر امید کی کرن آغا عاطف کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ بن کر پھیل گئی۔ اس کے بے قرار دل کو تھوڑا سا قرار ملا۔ پھر اس نے کرپال سنگھ سے پوچھا کہ کترینا کا دل جیتنے کے لیے اسے کیا کرنا چاہیے۔

کرپال سنگھ نے کہا: "انقلاب نے روسی مردوں اور عورتوں کو زندگی میں تھوڑا سا سنجیدہ بنا دیا ہے۔ انقلاب سے اب تک انہیں جس طرح کے ثقافتی، سماجی، سیاسی اور معاشی تجربات سے گزرنا پڑا ہے اس سے ان کے اندر کئی پرانی چیزیں ٹوٹ پھوٹ گئی ہیں اور کئی نئی چیزوں نے جنم لیا ہے۔

اب ہم ستر کی دہائی کے وسط کے ماسکو میں زندگی بسر کر رہے ہیں۔ سوویت یونین کو دنیا میں سپر پاور کے طور پر دیکھا اور تسلیم کیا جاتا ہے لیکن لگتا ہے کہ ابھی بھی انقلاب کا عمل پورا نہیں ہوا۔ روسی سماج اب بھی تکمیل کے مراحل سے گزر رہا ہے۔

عام روسیوں کی نفرتیں اور محبتیں بھی ان تبدیلیوں کی زد میں ہیں۔ اگر کترینا نے تمہاری طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا ہے تو اسے تھام لو۔ باقی مراحل بھی جلد طے ہو جائیں گے۔"

کرپال سنگھ کی بات سن کر آغا عاطف کو کچھ کچھ سمجھ آنا شروع ہوئی کہ کترینا اس کی محبت کو بورژوازی محبت کیوں کہہ رہی تھی۔ اسے یہ بھی اندازہ ہوا کہ اس نے اس کی طرف دوستی کا جو ہاتھ بڑھایا ہے وہ بلا وجہ نہیں۔

اس نے اپنے ہاتھ میں کترینا کے ہاتھ کا لمس محسوس کیا۔ اس کے ہاتھ کی گرمی محسوس کی۔ اس کے ذہن میں بجلیاں کوندنے لگیں۔ وہ کرب اور لذت کی ملی جِلی کیفیت سے بلبلا اٹھا:

"ہاں، ہاں، محبت انتظار کر سکتی ہے۔ فی الحال دوستی ٹھیک ہے۔ اگر میری استاد اپنے منصب سے اتر کر میری طرف دوستی کا ہاتھ بڑھا سکتی ہے تو میں بھی طالب علم کے منصب سے ہٹ کر اس کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھا سکتا ہوں۔ آخر ہم دونوں ہم عمر ہیں۔ کیا ہوا وہ روسی ہے اور میں پاکستانی۔ کیا ایک روسی لڑکی اور پاکستانی لڑکے میں، چاہے وہ استاد شاگرد ہی کیوں نہ ہوں، دوستی نہیں ہو سکتی؟" کرپال سنگھ نے وہیں میز پر بیٹھے بیٹھے آغا عاطف کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔

"دوست میں تمہارے ساتھ ہوں۔ میں تمہاری اور کترینا کی دوستی کے لیے کچھ بھی کر سکتا ہوں۔ تم اگر چاہو تو کترینا کو یہاں اسٹوڈیو پر دعوت دو۔ قسم واہے گرو کی، اس کے لیے ایسا پنجابی کھانا بناؤں گا کہ وہ اپنے بے رس روسی کھانے بھول جائے گی۔"

آغا عاطف نے بھی اپنا ہاتھ کرپال سنگھ کے کندھے پر رکھ دیا۔ آغا عاطف کو کرپال سنگھ کے ان الفاظ سے ماسکو اور کترینا کی محبت میں ایک نئے اعتماد کا احساس ہوا۔

یہی گفتگو کرتے کرپال سنگھ اور آغا عاطف شام کا سوپ کھا کر بستروں پر لیٹے تو فوراً ہی دونوں نیند کی وادیوں میں پہنچ گئے۔

آغا عاطف نے دیکھا کہ کترینا نے دلہنوں جیسا سفید لباس پہن رکھا ہے۔ اس نے اس کا ہاتھ پکڑ رکھا ہے اور کہہ رہی ہے کہ وہ اسے اپنا ملک دکھانا چاہتی ہے۔ انقلاب کی کہانی سنانا چاہتی ہے۔ اپنے لوگوں سے ملانا چاہتی ہے۔ اس کے ساتھ مل کر ماسکو اور سینٹ پیٹرزبرگ میں گھومنا چاہتی ہے۔ بیا کل جھیل جانا چاہتی

ہے۔ وہاں پانی میں مچھلیوں کی طرح تیرنا چاہتی ہے۔ تیرتے ہوئے پانی میں آگے ہی آگے جانا چاہتی ہے۔ یہاں تک کہ وہ دونوں جھیل کے دوسرے کنارے پر پہنچ جائیں۔ جہاں ان کا ایک گھر ہو۔ وہ ہو، آغا عاطف ہو، اور ان کے بچے ہوں۔

آغا عاطف اسے کہہ رہا تھا بیا کل جھیل کے پانیوں میں تیرنے تک تو بات ٹھیک ہے۔ لیکن جھیل کے اس پار گھر بنانا اور بچے پیدا کرنا بورژوازی سوچ ہے۔ ہمیں ہر بورژوازی سوچ سے بچنا ہے۔ ذاتی گھر بنانا، بچے پیدا کرنا اور خاندان کی بنیاد رکھنا انقلاب کے تصورات کے خلاف ہے۔ ہمیں سب کچھ انقلاب کے کھینچے ہوئے دائروں کے اندر رہ کر کرنا ہے۔ انقلاب کے اندر زندگی ہے اور باہر موت۔ ہمیں بہر صورت زندگی سے اپنا رشتہ برقرار رکھنا اور موت سے دور رہنا ہے۔

ایسے ہی خوابوں میں آغا عاطف کی رات بیت گئی۔ وہ صبح اٹھا تو اس کے جسم کے انگ انگ سے توانائی کے چشمے پھوٹ رہے تھے۔

کرپال سنگھ ابھی تک گہری نیند سو رہا تھا۔ چنانچہ آغا عاطف نے ٹریک سوٹ زیب تن کیا اور اسٹوڈیو سے باہر چلا گیا۔ وہ چاہتا تھا کہ یونیورسٹی گراؤنڈ میں جا کر دوڑ لگائے اور ایکسر سائز کرے۔

جب وہ ہلکے ہلکے دوڑتا یونیورسٹی گراؤنڈ میں پہنچا تو اسے یہ دیکھ کر تعجب ہوا کہ وہاں بہت سے روسی لڑکے اور لڑکیاں پہلے سے موجود تھے۔ کوئی دوڑ رہا تھا۔ کوئی اچھل کود کر رہا تھا۔ کوئی اپنے طور پر پی ٹی کر رہا تھا۔

اس وقت اس کا تعجب خوش گوار حیرت میں بدل گیا جب اس نے کترینا کو نیلے رنگ کے ٹریک سوٹ میں گراؤنڈ میں ایکسر سائز کرتے دیکھا۔ اتفاق سے کترینا نے بھی اسے گراؤنڈ میں آتے دیکھ لیا تھا۔ وہ اسی طرح ایکسر سائز کرتے ہوئے اس کے پاس گئی اور کہنے لگی "دوست چلو یونیورسٹی کے عقب میں واقع پارک کی ٹریل پر چلتے ہیں۔"

چند لمحوں میں دونوں یونیورسٹی سے نکل کر دور تک پھیلے پارک کی ٹریل پر آہستہ آہستہ ایک ساتھ دوڑ رہے تھے۔

آغا عاطف پاکستان میں باقاعدگی کے ساتھ علی الصبح دوڑ لگایا کرتا تھا۔ جس دن سے وہ ماسکو آیا تھا اس نے دوڑ نہیں لگائی تھی۔ لیکن کترینا روزانہ دوڑ لگانے کی عادی تھی۔ وہ برف باری میں بھی اپنا گرم لباس پہن کر نکل جاتی اور برفیلے راستوں پر کئی گھنٹے دوڑتی رہتی۔ یہاں تک کہ تھک کر چور ہو جاتی تو اپنے اسٹوڈیو میں لوٹ آتی۔

صبح صبح کترینا کو گراؤنڈ میں دیکھ کر جتنا آغا عاطف متعجب تھا اسی قدر وہ بھی اسے دیکھ کر حیران تھی۔

ساتھ ساتھ دوڑتے ہوئے کترینا نے آغا عاطف سے پوچھا کہ کیا وہ روزانہ صبح دوڑ لگاتا ہے۔ آغا عاطف نے ہلکی سی پھُولی ہوئی سانس کے ساتھ جواب دیا وہ پاکستان میں ہر صبح دوڑ لگاتا تھا لیکن جب سے وہ ماسکو آیا ہے یہ پہلا دن ہے کہ وہ دوڑنے کے لیے گھر سے باہر نکلا ہے۔

کترینا اس کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے بولی اگر وہ چاہے تو وہ روزانہ اس کے ساتھ دوڑ میں شامل ہو سکتا ہے کیونکہ وہ سوائے بارش کے دنوں کے ہر روز دوڑ لگاتی ہے۔ اگر کوئی ساتھی مل جائے تو پارک میں ٹریل پر چلی جاتی ہے ورنہ یونیورسٹی گراؤنڈ میں گھنٹہ دو دوڑنے کے بعد واپس اپنے اسٹودیو چلی جاتی ہے۔

آغا عاطف نے موقع مناسب جانتے ہوئے فوراً اس کے ساتھ روزانہ ٹریل پر دوڑنے کا ارادہ ظاہر کیا تو کترینا نے بھی فوراً ہاں کر دی۔

رجسٹریشن آفس میں آغا عاطف کو دیکھ کر مسکرانے والی کترینا اب اپنے ہر دن کا آغاز آغا عاطف کے ساتھ پارک میں بنی ٹریل پر دوڑ کر کرنا چاہتی تھی۔

اب وہ آغا عاطف کی استاد نہیں اس کی پارٹنر تھی۔ وہ بھی اس کا شاگرد نہیں اس کا پارٹنر تھا۔ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ ٹریل پر دوڑتے اتنی دور نکل گئے کہ انہیں احساس نہ ہوا کہ وہ کیمپس سے کئی میل دور نکل آئے ہیں۔ پارک میں پانی کی ایک چھوٹی سی جھیل تھی جس کی سطح کو خزاں زدہ پارک کے

درختوں کے پتوں نے تقریباً ڈھانپ رکھا تھا۔ کہیں کہیں، پتوں کے نیچے جھیل کا شفاف پانی دکھائی دے رہا تھا۔

کترینا جھیل کے کنارے پہنچ کر رک گئی۔ وہاں رکھے بنچوں میں سے ایک پر بیٹھ گئی۔ آغا عاطف اس کے پاس کھڑا دوڑ کے انداز میں ہلکے ہلکے حرکت کرتا رہا۔ آخر کترینا نے اسے کہا کہ وہ چند لمحے بیٹھ جائے۔ آغا عاطف نے کہا "اگر وہ ایک بار رک گیا تو پھر اس کے لیے دوڑنا مشکل ہو جائے گا۔ اگر وہ دوڑتے ہوئے واپس جانا چاہتی ہے تو وہ اسے اسی طرح اچھلنے دے۔"

کترینا نے کہا "فی الحال وہ بیٹھ جائے۔ واپسی کے بارے میں واپسی کے وقت سوچا جائے گا۔"

آغا عاطف کترینا کے ساتھ بنچ پر بیٹھ گیا۔ ہوا میں خنکی تھی لیکن ٹھہراؤ تھا۔ جھیل کا پانی بھی ساکن تھا۔ یہاں تک کہ سطح آب پر تیرتے پتے بھی اپنی اپنی جگہ ساکت تھے۔

وہ دونوں پہلو بہ پہلو خاموش بیٹھے جھیل کے پانی کی طرف دیکھتے رہے۔ آغا عاطف نے خاموشی توڑنے کے لیے پوچھا کہ کیا وہ جھیل مصنوعی ہے یا قدرتی۔

کترینا نے کہا کہ وہ جھیل قدرتی ہے۔ برف باری کے موسم میں گرنے والی برف موسم گرما کی آمد پر پگل کر اسے بھر دیتی ہے۔ گرمیوں کے موسم میں یہاں بہت رونق ہوتی ہے۔ موسم خزاں میں پتے اس کے پانی کو اس طرح ڈھانپ دیتے ہیں۔ لیکن جیسے ہی موسم خزاں میں آخری پتہ ہوا کے دوش پر تیرتا جھیل میں سطح آب پر گرتا ہے پارک کی نگرانی کرنے والے سارے پتے صاف کر دیتے ہیں۔ اس کا پانی اتنا شفاف ہے کہ نیچے زمین دیکھی جا سکتی ہے۔

کترینا نے جھیل کا ذکر کیا تو آغا آطف نے بیاکل جھیل کا ذکر چھیڑ دیا۔ اس نے کہا اس کا بہت جی چاہتا ہے کہ وہ بیاکل جھیل دیکھے۔ کترینا نے کہا ہاں بیاکل جھیل فطرت کا انسانوں کے لیے ایک بہت بڑا تحفہ ہے۔ وہ ہائی اسکول کے زمانے میں اپنی ہم درسوں کے ساتھ بیاکل جھیل دیکھنے گئی تھی۔

پھر کہنے لگی بیاکل جھیل سائیبریا میں واقع ہے۔ سائبیریا کا نام آتے ہی لوگ سوچنے لگتے ہیں کہ وہاں ہر وقت برف گری رہتی ہیں۔ سائبیریا کے ذکر سے ان کے جسموں میں گرمیوں میں بھی سردی کی لہر دوڑ جاتی ہے۔ حالانکہ کہ سائبیریا میں بھی چاروں موسم اپنا رنگ دکھاتے ہیں۔ موسم گرما میں لڑکیاں بکنی پہن کر بیاکل جھیل میں تیراکی کرتی ہیں۔

بیاکل جھیل کا پانی دنیا کا شفاف ترین پانی ہے۔ کئی لوگ اس پانی کو مقدس مانتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ بیاکل جھیل کی زیارت کی منت ماننے سے ان کے سب کام ہو جاتے ہیں۔

آغا عاطف کو کترینا کے منہ سے بیاکل جھیل کے پانی کے تقدس اور لوگوں کے منت ماننے کی بات کچھ عجیب لگی۔ اس نے اسے پوچھا کیا وہ خدا پر اعتقاد رکھتی ہے۔

"نہیں۔ وہ خدا پر اعتقاد نہیں رکھتی۔ لیکن کئی لوگ خدا، کرائسٹ اور میری کو مانتے ہیں۔ لیکن وہ سمجھتی ہے کہ خدا ایک خیال ہے، جو کرائسٹ اور میری کی وجہ سے ان کے ذہنوں میں ہزاروں سالوں سے گھر کر گیا ہے۔"

آغا عاطف محبت کے ان لمحوں میں خدا اور مذہب کو شامل کر کے جھیل کے ٹھہرے ہوئے پانی میں پتھر نہیں پھینکنا چاہتا تھا۔ کترینا سوویت کلچر کی پیداوار تھی جہاں مذہب کو مارکسی نظریات کے تحت دیس نکالا دیا جا چکا تھا جبکہ وہ پاکستانی کلچر کی پیداوار تھا جہاں مولوی حضرات لوگوں کو ٹائیلٹ میں جانے اور آنے کی دعائیں رٹاتے رہتے ہیں اور پھر ان دعاؤں کو اسلام کے مکمل ضابطہ حیات ہونے کی دلیل کے طور پر پیش کرتے ہیں۔

اس نے گفتگو کا رخ پھر بیاکل جھیل کی طرف موڑ دیا۔ اس نے پوچھا کہ کتنے لوگ بیاکل جھیل گئے تھے۔

آغا عاطف کے سوال سے کترینا کا ذہن اپنے ہائی اسکول کے زمانے کی طرف چلا گیا۔

اس کا چہرہ اپنے ان ہم جماعتوں کے تصور سے چمک اٹھا جن کے ساتھ وہ بیاکل جھیل گئی تھی۔ ان کو وہاں

بیٹھے کافی دیر ہو چکی تھی۔ دن مکمل طور پر روشن ہو چکا تھا۔ وہ بنچ سے اٹھ کھڑی ہوئی اور واپسی دوڑ کے لیے اپنے جسم کو وارم اپ کرنے لگی۔

آغا عاطف نے کترینا کو دوبارہ وارم اپ ہوتے دیکھا تو اس کی سٹی گم ہو گئی۔ اس نے پہلے ہی کترینا سے کہہ دیا تھا کہ اگر ایک بار وہ بیٹھ گیا تو اس کے لیے دوبارہ دوڑ کے لیے تیار ہونا ممکن نہیں رہے گا۔ لیکن کترینا کو وارم اپ ہوتے دیکھ کر مرتا کیا نہ کرتا اس نے بھی وارم اپ ہونے کے لیے اچھلنا شروع کر دیا۔

چند لمحوں بعد دونوں ٹریل پر کیمپس کی طرف دوڑ رہے تھے۔ پہلو بہ پہلو۔ ایک دوسرے کے ساتھ ساتھ۔ دوبارہ اگلے دن اسی ٹریل پر واپس لوٹنے کے عزم اور وعدے کے ساتھ۔

فصل 7

آغا عاطف صبح کی ایکسر سائز کے بعد واپس پہنچا تو کرپال سنگھ ابھی تک سو رہا تھا۔ اس کے سونے کی وجہ اتوار کا دن تھا۔ اتوار کے دن سکول میں چھٹی ہوتی تھی چنانچہ ہر کوئی دیر تک سو کر ہفتے بھر کی کام کی تھکن اتارتا تھا۔

کترینا کے ساتھ دوڑنے اور وقت گزارنے کی وجہ سے آغا عاطف کا انگ انگ نشے سے ٹوٹ رہا تھا۔ اس نے دروازہ کھولا تو محبت کا نشہ نظم کی صورت میں اس کے ہونٹوں سے مترنم الفاظ میں امڈ رہا تھا۔

مہرباں زندگی

از زمیں تا فلک

بے کراں زندگی

مہرباں زندگی

تخت لاہور سے ماسکو تک

رواں زندگی

مہرباں زندگی

کرپال سنگھ نے آغا عاطف کی نظم سنی تو لیٹے لیٹے بولا:

"آغا رات تو تم سرہانے میں سر دبا کر رو رہے تھے۔ اب ایسا کیا ہوا ہے کہ تم نے نظمیں گانی شروع کر دی ہیں۔"

"کچھ نہ پوچھ کرپال۔ لگتا ہے آج سے بدل گیا ہے۔ میں صبح اٹھ کر ایکسر سائز کے لیے یونیورسٹی گراؤنڈ گیا تھا۔ وہاں کترینا سے میری ملاقات ہوئی۔ اس نے مجھے اپنے ساتھ ٹریل پر دوڑنے کی دعوت دی۔ جو میں نے قبول کر لی۔ ہم دونوں دوڑتے ہوئے پہلے پارک میں واقع جھیل تک گئے۔ کافی دیر وہاں بیٹھے رہے۔

پھر دونوں دوڑتے ہوئے واپس آئے۔ اس کے ساتھ دوڑتے ہوئے مجھے لگ رہا تھا میں دوڑنے کی بجائے بادلوں میں اڑ رہا ہوں۔"

"اسی لیے اب تحت لاہور سے ماسکو تک پھیلی زندگی کا گیت گا رہے ہو؟" کرپال سنگھ نے بستر پر لیٹے لیٹے آغا عاطف پر ٹانٹ کی۔

"ہاں یار، میں زندگی میں کئی لڑکیوں کے چکر میں رہا ہوں، لیکن کبھی کسی نے میرا یہ حال نہیں کیا جو کترینا نے کیا ہے۔ میں تو سمجھا تھا کترینا کے لیے میری محبت بن کھلے پھول کی طرح مرجھا جائے گی لیکن آج تو یہ پھول مکمل طور پر کھل اٹھا ہے۔"

"چل پھر اسی خوشی میں آج تو کوئی لاہوری ناشتہ پیش کر۔ میں ہر صبح روسی سوپ اور سیریل کھاتے کھاتے تنگ آ گیا ہے۔" کرپال سنگھ نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔

"لاہوری ناشتہ کوئی مسئلہ نہیں۔ دیکھ ابھی کچھ نہ کچھ بنا کے پیش کرتا ہوں۔ لیکن کرپال یہ بتاؤ تم اتنے برسوں سے ماسکو میں رہ رہے ہو کیا کبھی کسی روسی لڑکی نے تمہارے دل میں ہل چل پیدا نہیں کی؟"

"نہیں یار آغا، میں پنجابی لڑکی سے محبت اور شادی کرنا چاہتا ہوں۔ ماسکو سے فارغ ہو کر انڈیا جاؤں گا۔ وہاں جو لڑکی پسند آئے گی پہلے اس سے محبت اور پھر شادی کروں گا۔"

یہی باتیں کرتے آغا عاطف نے گھر میں پڑی کھانے پکانے کی چیزوں کا جائزہ لیا تو سوائے سیریلز، انڈوں اور ڈبل روٹی کے کچھ موجود نہیں تھا۔ اس نے جلدی سے انڈوں کا آملیٹ بنایا۔ روٹی کے ٹکڑے گرم کئے اور ٹیبل پر رکھ دیئے۔

تب تک کرپال سنگھ باتھ روم سے ہاتھ منہ صاف کر کے ٹیبل پر آ کر بیٹھ گیا۔

اس نے ٹیبل پر بیٹھتے ہی آغا عاطف سے کہا کہ اسے اب کترینا کے ساتھ مستقل رابطے میں رہنا چاہیے۔

آغا عاطف نے کہا اسے ماسکو آئے چند ہفتے ہوئے ہیں۔ وہ تا حال روسی کلچر سے ناآشنا ہے۔ نہیں جانتا کہ کمیونسٹ روس میں لڑکیاں اور لڑکے ایک دوسرے کے ساتھ کس طرح اظہارِ محبت کرتے ہیں۔

کرپال نے آغا عاطف کی بات سن کر ایک زور دار قہقہہ لگایا اور پھر کہا: " آغا جی کسی بھی معاشرے کا سارا کلچر عورت سے شروع ہوتا ہے اور عورت پر ہی ختم ہو جاتا ہے۔ عورتیں صرف انسانی بچوں کو جنم نہیں دیتیں۔ وہ پورے معاشرے کو جنم دیتی ہیں۔ معاشرے کے رسم ورواج کو جنم دیتی ہیں۔ اقدار کو جنم دیتی ہیں۔ کلچر اور تہذیب کو جنم دیتی ہیں۔"

"لیکن ان سب چیزوں کے ٹھیکیدار تو مرد بن جاتے ہیں۔" آغا عاطف نے کرپال سنگھ کی فلسفیانہ گفتگو سن کر جواب دیا۔

"مرد ٹھیکیدار اس لیے بن جاتے ہیں کہ عورتیں اس سب کچھ کو جنم دینے کے بعد اسے مردوں کے حوالے کر دیتی ہیں۔ وہ سمجھتی ہیں کہ تخلیق کے عمل سے گزرنے کے بعد ان کا فرض پورا ہو گیا ہے۔"

لگتا تھا کرپال سنگھ آج گفتگو کے موڈ میں تھا اور سماجیات کے تمام مسائل آج ہی حل کرنا چاہتا تھا۔

چنانچہ آغا عاطف نے گفتگو کا موضوع بدلتے ہوئے کہا کہ وہ جب سے ماسکو آیا ہے یونیورسٹی کے علاقے سے باہر نہیں گیا۔ وہ چاہتا ہے کہ آج ماسکو میں اس حد تک آوارگی کرے کہ شہر اس پر اپنی شخصیت کے تمام پہلو آشکار کر دے۔

کرپال سنگھ نے اس کی بات سن کر کہا کہ شہر کی سیاحت ایک اچھا بہانہ ہے۔ اسے چاہیے کہ وہ اپنی اس خواہش کا اظہار کترینا کے ساتھ کرے۔ ہو سکتا ہے وہ اسے ماسکو کا اسٹڈی ٹور دینے پر آمادہ ہو جائے۔

" یہ اچھا خیال ہے لیکن اگر کترینا تیار نہ ہوئی تو؟" آغا عاطف نے خدشے کا اظہار کیا۔

کرپال سنگھ نے پھر آغا عاطف کی بات سن کر قہقہہ لگایا اور کہنے لگا: "میں نے سنا ہے امرتسر اور لاہور کے لوگ کچھ عقل کے موٹے ہوتے ہیں۔ ارے پگلے، اگر وہ تمہیں اپنے ساتھ جنگل کی ٹریل پر دوڑانے لے جا سکتی ہے تو تمہارے ساتھ ماسکو میں گھومنے پھرنے کیوں نہیں جائے گی؟"

"کرپال تم ٹھیک کہتے ہو۔ لیکن میں کترینا کو اپنی رفتار پر چلنے دینا چاہتا ہوں۔ مزدوروں کی جنت میں محبت کے دستور بھی باقی دنیا سے الگ ہیں۔ میں کوئی غلطی کر کے کترینا کو کھونا نہیں چاہتا۔"

آغا عاطف اور کرپال میں یہ گفتگو چل رہی تھی کہ دروازے پر دستک ہوئی۔ آغا عاطف اور کرپال نے ایک دوسرے کی طرف استفہامیہ انداز میں دیکھا۔ آغا کا دل دھک دھک کرنے لگا۔ شاید کترینا ادھر آ نکلی ہے۔ وہ سوچنے لگا۔

لیکن کترینا کو اس کا پتہ معلوم نہیں۔ وہ کیسے یہاں آ سکتی ہے۔ اس نے دھڑکتے دل کے ساتھ اٹھ کر دروازہ کھولا تو باہر ساچن اور سپتمی کھڑے تھے۔ اس نے تعجب سے ساچن اور سپتمی کی طرف دیکھا اور پھر انہیں اندر آنے کے لیے کہا۔

ساچن کہنے لگا۔ وہ اپنے اسٹوڈیو میں بور ہو رہا تھا۔ سوچا کہیں جایا جائے۔ لیکن نووارد ہونے کی وجہ سے ابھی وہ علاقے سے آشنا نہیں ہے۔ اسٹوڈیو سے نکلا تو اسے سپتمی مل گئی۔ اس نے تمہارے ہاں آنے کی تجویز دی۔ اسے تمہاری بلڈنگ کا اندازہ تھا۔ نیچے کرپال کا نام پڑھا تو تمہارے اسٹوڈیو تک آ پہنچے۔"

آغا عاطف اور کرپال نے ساچن اور سپتمی کو اپنے اسٹوڈیو پر خوش آمدید کہا۔ چھوٹے سے اسٹوڈیو میں وہ چاروں سمٹ کر ایک دوسرے کے ساتھ بیٹھ گئے۔

آغا عاطف نے اشاروں کنایوں میں کرپال سنگھ سے کہا کہ ساچن اور سپتمی سے کترینا اور اس کے بارے میں کوئی بات نہ کرے۔ لیکن ساچن نے اسے بتایا کہ یہاں آنے سے پہلے وہ کیفے میں لنچ کے لیے گیا تھا۔ وہاں اس کی ملاقات کترینا سے ہوئی تھی۔

کترینا کا نام سنتے ہی ایک بار پھر آغا عاطف کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔ وہ ساچن اور سپتمی کے ساتھ کترینا کی کوئی بات نہیں کرنا چاہتا تھا لیکن جب اسے کیفے میں کترینا اور ساچن کی ملاقات کا پتہ چلا تو اس کے اندر کا عاشق جاگ اٹھا۔ وہ چند لمحوں تک یہ سمجھنے سے قاصر رہا کہ اس خبر پر کس ردعمل کا مظاہرہ کرے۔ لیکن ساچن نے یہ کہہ کر اس کی مشکل آسان کر دی کہ وہ جب تک اس کے ساتھ رہا وہ آغا عاطف کے بارے میں باتیں کرتی رہی۔ اس کی گفتگو سے لگتا تھا کہ اسے آغا عاطف سے محبت ہو گئی ہے۔

وہ چاہتی ہے کہ آغا عاطف اس سے اظہار محبت کرے۔ وہ مذاق کر رہی تھی کہ آغا عاطف ابھی تک بورزوازی اور پرولتاری محبت کے چکر میں پڑا ہے۔ حالانکہ محبت فقط محبت ہوتی ہے۔ محبت کی رسمیں نہ بورزوازی ہوتی ہیں نہ پرولتاری۔ محبت تو دو پرندوں کی ایک ساتھ اڑان کی طرح ہوتی ہے۔ جب وہ نیلے آسمان کی وسعتوں میں ایک ساتھ اڑتے ہیں ساری دنیا ان کے پروں کے نیچے سمٹ جاتی ہے۔ کچھ بھی ان کی دسترس سے باہر نہیں رہتا۔

ساچن کترینا کے ساتھ کیفے ٹیریا میں ہونے والی اپنی گفتگو کے بارے میں بتا رہا تھا کہ سپیتمی نے چائے پینے کی خواہش کا اظہار کیا۔ کرپال سنگھ نے کہا کہ وہ سب کے لیے چائے بنائے گا۔ اس سے پہلے کہ کرپال اپنی جگہ سے اٹھتا سپیتمی نے کیتلی میں پانی ڈال کر ابلنے کے لیے چولہے پر رکھ دیا۔ وہ چائے بنا رہی تھی کہ آغا عاطف نے ساچن سے پوچھا کہ کترینا کیفے ٹیریا سے کس جانب گئی تھی۔ ساچن نے اسے بتایا کہ جب وہ وہاں سے نکل کر اپنے اسٹوڈیو گیا تھا وہ چند روسی لڑکوں کے ساتھ وہیں بیٹھی تھی۔

ساچن کا اتنا کہنا تھا کہ آغا عاطف تیزی سے اپنی جگہ سے اٹھا اور سب کو وہیں بیٹھے چھوڑ کر کیفے کی طرف بھاگ کھڑا ہوا۔ وہ تیز قدم چلتا کیفے پہنچا تو کترینا اب بھی وہاں تین روسی لڑکوں کے ساتھ موجود تھی۔

وہ آغا عاطف کو دیکھ کر اپنی جگہ کھڑی ہو گئی۔ آغا عاطف نے بغیر کچھ کہے اسے اپنے بازوؤں میں سمیٹ لیا۔

روسی لڑکوں نے اس طرح آغا عاطف کو کترینا سے لپٹتے دیکھا تو آگے بڑھ کر اسے پکڑ لیا۔ اس سے پہلے کہ وہ آغا عاطف پر گھونسوں اور لاتوں کی بارش کرتے کترینا نے خشمگیں انداز میں ان سے روسی میں کچھ کہا تو وہ تینوں اسے چھوڑ کر ایک طرف رفو چکر ہو گئے۔

آغا عاطف نے کترینا کے ہونٹوں پر اپنے ہونٹ رکھتے ہوئے کہا کہ اسے اس سے محبت ہے اور وہ اس سے شادی کرنا چاہتا ہے۔

کترینا نے بھی آغا عاطف کو بازوؤں میں سمیٹ لیا اور آہستہ آہستہ محبت سے اس کی کمر پر ہاتھ پھیرنے لگی۔ وہ اس کی محبت کا جواب محبت سے دے رہی تھی۔

کترینا کے ہاتھوں کے لمس سے آغا عاطف کو لگا ماسکو کے دھند آلود موسم میں سورج چمکنے لگا ہے۔ اور آہستہ آہستہ سارے ماحول میں خوشگوار روشنی اور حرارت پھیلنا شروع ہو گئی ہے۔

فصل 8

جس تیزی کے ساتھ کترینا اور آغا عاطف نے ایک دوسرے کو اپنی باہوں میں لے کر باقی ماندہ زندگی ایک دوسرے کے ساتھ گزارنے کے پیمان باندھے تھا اس کا یقین نہ کترینا کو تھا نہ آغا عاطف کو۔

آغا عاطف سے ملاقات سے پہلے کترینا کے ہائی اسکول کے چند ہم جماعت اس سے اظہار محبت کر چکے تھے اور اس سے شادی بھی کرنا چاہتے تھے لیکن وہ ان سب کو یکے بعد دیگرے ٹھکرا چکی تھی۔

روسی لڑکیوں کے لئے زندگی میں دو ہی چیزیں اہم ہوتی ہیں۔ ایک شادی اور شادی کے بعد بچے۔ زارِ روس کی حکومت کے خاتمے کے بعد انقلابی حکومت نے سوویت یونین میں خاندانی زندگی کے ساتھ کئی تجربات کئے تھے لیکن کوئی تجربہ بھی زیادہ کامیاب نہیں رہا تھا۔

انقلابیوں نے انقلاب کے بعد خاندانی زندگی کو تقریباً ختم کر دیا تھا۔ ماں، باپ اور بچوں کے باہمی تعلق کے درمیان ریاست حائل ہو گئی تھی۔ جس کا نتیجہ ماسکو میں سڑکوں پر زندگی کرنے والے کئی ملین بے گھر بچوں کی صورت میں نکلا تھا۔

لینن کی موت کے بعد اسٹالن نے کمیونسٹ پارٹی اور سوویت یونین میں حکومت سنبھالی تو اس نے دوبارہ خاندان کو اہمیت دینی شروع کر دی۔ ایسی پالیسیاں اپنائیں جن سے خاندان دوبارہ مستحکم ہونا شروع ہو گیا لیکن انقلابی حکومت کی طرف سے عورتوں کو دیئے گئے حقوق بہر حال بدستور قائم رہے۔

اپنے بھائی نکولائی کے بعد کترینا پیدا ہوئی تو سوویت یونین میں ایک ہموار خاندانی زندگی کا نظام معرضِ وجود میں آ چکا تھا۔

اس کے گھر میں ماں، باپ اور بھائی کے علاوہ ایک دادی اماں تھی۔ اس کا باپ ریلوے میں ڈرائیور تھا جبکہ اس کی ماں سکول میں پڑھاتی تھی۔ اس کا باپ تو اکثر ان کی بیداری سے بہت پہلے کام پر چلا جاتا لیکن ماں انہیں ناشتہ کے بعد پری اسکول میں چھوڑ کر اپنے کام پر چلی جاتی۔ جب وہ اپنے کام سے فارغ ہوتی وہ

نکولائی اور کترینا کو لے کر گھر واپس آتی۔ ان کی دادی ان کے گھر لوٹنے سے پہلے ہمیشہ ان کے لیے لنچ تیار کر دیتی۔

چھوٹے سے سرکاری گھر میں پانچ افراد کے اس کنبے نے اس طرح زندگی بسر کی کہ نکولائی سچے روسی مرد اور کترینا سچی روسی لڑکی کی طرح زندگی کے عمل کا حصہ بنے۔ نکولائی ایک آئیڈیل کمیونسٹ روسی نوجوان تھا جبکہ کترینا آئیڈیل روسی لڑکی تھی۔ ان دونوں میں وہ سب صفات موجود تھیں جو کمیونسٹ پارٹی جدید روسی مرد اور عورت میں دیکھنا چاہتی تھی۔

باقی روسی لڑکیوں کی طرح کترینا نے یونیورسٹی میں داخلے کے بعد الگ اسٹوڈیو لے لیا تھا جس کا مطلب تھا کہ وہ اپنی زندگی میں پارٹنر شپ کے لیے تیار تھی۔

آغا عاطف کو وہ رجسٹریشن آفس میں آنے والے لمحے سے متوقع پارٹنر کی طرح دیکھ رہی تھی۔ لیکن اس سے پہلے کہ وہ اس کے ساتھ سنجیدہ رشتہ باندھتی وہ اس کے بارے میں مزید جاننا چاہتی تھی۔

اس کی شخصیت کے بارے میں تو وہ روسی زبان کی ابتدائی کلاس میں جان چکی تھی لیکن پارک میں ٹریل پر اس کے ساتھ دوڑتے اور پھر جھیل کے کنارے بیٹھ کر گفتگو سے اسے بہت حد تک اندازہ ہو چکا تھا کہ غیر روسی ہونے کے باوجود وہ ایک اچھا لائف پارٹنر ثابت ہو سکتا ہے۔

وہ جانتی تھی کہ ساچن کے ساتھ آغا عاطف کی گپ شپ چلتی رہتی ہے چنانچہ وہ جو کچھ کہے گی وہ اس تک پہنچ جائے گا۔ لیکن اسے یہ اندازہ نہیں تھا کہ ساچن اتنی جلدی ساری باتیں اس تک پہنچا دے گا اور وہ اس طرح دیوانوں کی طرح آکر سب لوگوں کے درمیان اسے اپنی باہوں میں لے لے گا۔

انقلاب کی گود میں پرورش پانے والی کترینا ایک آزاد خیال لڑکی تھی۔ وہ زندگی کی توانائیوں اور اعتماد کی رعنائیوں سے بھرپور، کسی بھی چیلنج سے نبرد آزما ہونے کا ہنر جانتی تھی۔

جس طرح آغا عاطف پر حملہ آور ہونے والے روسی لڑکے اس کی ہلکی سی خفگی سے موقع سے رفو چکر ہو گئے تھے اس سے آغا عاطف کو اندازہ ہوا کہ ہمیشہ مسکراتے رہنے والی کترینا کو اگر اظہار ناراضگی کرنا پڑے تو اس کی تاب لانا ہر کسی کے بس کی بات نہیں۔

ایک دوسرے کی باہوں میں باہیں ڈالے وہ کیفے ٹیریا سے باہر نکلے تو آغا عاطف نے کترینا کو اسٹوڈیو چلنے کے لیے کہا لیکن کترینا جانتی تھی کہ آغا عاطف کرپال سنگھ کے ساتھ رہتا ہے۔ چنانچہ وہ اس کے اسٹوڈیو جانے کے بجائے اسے اپنے اسٹوڈیو لے گئی۔

کترینا کا اسٹوڈیو کرپال سنگھ کے اسٹوڈیو سے قدرے کشادہ تھا۔ اس میں کچن بھی الگ سے بنایا گیا تھا۔ اور باتھ روم کا سائز بھی قدرے بڑا تھا۔ کترینا نے اپنے اسٹوڈیو کو خوب سجا رکھا تھا۔ اس نے دیواروں پر ماسکو کے مختلف اہم مقامات کی بڑی بڑی تصویریں لگا رکھی تھیں۔ کئی تصویریں انقلاب کی تاریخ کے اہم واقعات کی نشاندھی کرتی تھیں۔

اسٹوڈیو میں داخل ہوتے ہی کترینا نے ٹیپ ریکارڈر کا بٹن دبا کر میوزک آن کر دیا۔

میوزک آن ہوا تو کترینا نے آغا عاطف کا ایک ہاتھ اپنی کمر پر اور دوسرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر فضا میں بلند کیا اور ہولے ہولے اسے ڈانس کے اسٹپ اٹھانے کی تربیت دینے لگی۔

چند ہی لمحوں میں آغا عاطف نے بیلے ڈانس کے انداز میں کترینا کے ساتھ قدم کے ساتھ قدم ملا کر ڈانس کی چند حرکات پر عبور حاصل کر لیا۔ دیر تک بیلی ڈانس کے میوزک کی دھنیں اسٹوڈیو میں بجتی رہیں اور کترینا اور آغا عاطف ایک دوسرے کی کمر پر ہاتھ رکھے، آنکھوں میں آنکھیں ڈالے، ڈانس کرتے رہے۔ کترینا کبھی آغا عاطف کو اپنے گلے لگا لیتی اور کبھی اسے اپنے بدن سے تھوڑا سا دور کر دیتی۔ اس نے ہائی سکول میں باقاعدہ بیلے ڈانس کی ٹریننگ حاصل کی تھی۔ وہ ہائی اسکول کی بیلے ٹیم کی بھی ممبر تھی۔ وہ جانتی تھی کہ جسم کی کونسی حرکت ڈانس پارٹنر کو دیوانہ بنا دیتی ہے اور کس حرکت سے اس کی آتش شوق اس قدر بڑھ جاتی ہے کہ وہ ایک خوش گوار درد کی لذت سے سسک اٹھتا ہے۔

نوعمری میں پاکستان میں آغا عاطف کی کئی لڑکیوں سے دوستی رہی تھی لیکن بیلے میوزک کی دھنوں پر تھرکتی کترینا کے جسم کی حرکات و سکنات ایک مختلف دنیا تھی۔ ایک ایسی دنیا جس کا اس نے پہلے کبھی خواب خیال میں بھی تجربہ نہیں کیا تھا۔

سوویت یونین میں سرکاری پالیسیاں اگرچہ شادی اور خاندان کے بطور سماجی یونٹ کے رواج کو ترجیح دیتی تھیں لیکن اکلوتی ماؤں کا بھی خاص خیال رکھا جاتا تھا۔

اگر کوئی غیر شادی شدہ لڑکی بچے پیدا کرتی تو ریاست اس کی اور اس کے بچوں کی بھی اسی طرح نگہداشت کرتی جیسے شادی شدہ ماؤں کی ۔ اس لیے نوجوان لڑکیاں ہر قسم کے خوف سے بے نیاز جب چاہتیں اپنی عائلی زندگی کا آغاز کر لیتی تھیں۔

کترینا بھی شادی کے لیے تیار تھی۔ چند ماہ پہلے جب اس نے اپنے ماں باپ کا گھر چھوڑ کر اپنا اسٹوڈیو لیا تھا تو اس کے پیش نظر شادی کا مرحلہ تھا۔ لیکن شادی اسے کس سے کرنی تھی، وہ نہیں جانتی تھی۔ جن لڑکوں نے اسے شادی کی دعوت دی وہ ان سے مطمئن نہیں تھی۔ اس نے اپنے ہمسفر کے چناؤ کے لیے اپنے ذہن میں ایک فریم بنا رکھا تھا۔ تاحال کوئی لڑکا اس فریم میں فٹ نہیں ہو رہا تھا۔

آغا عاطف اچانک منظر پر ظاہر ہوا اور اس فریم میں اس طرح فٹ ہوا کہ کترینا نے بغیر تاخیر محبت کا تیر اس کے دل پر چلایا جس سے وہ اس طرح گھائل ہوا کہ بے اختیار اس کی طرف کھنچا چلا آیا۔ اب کترینا تھی اور وہ تھا۔ دونوں کترینا کے اسٹوڈیو میں بیلے ڈانس کی دھنوں پر رقص کر رہے تھے۔

دیکھنے میں کترینا نرم و نازک اور خوبصورت تھی لیکن جس طرح وہ روزانہ ایکسر سائز کرتی تھی اس سے اس کا جسم اپنی تمام رعنائی کے باوجود فولاد بن چکا تھا۔ تھکنا یا رکنا اس کی سرشت میں شامل نہیں تھا۔ یہی حال آغا عاطف کا تھا۔ وہ لاہور میں سکول یا کالج جانے سے پہلے قذافی اسٹیڈیم چلا جاتا اور کئی گھنٹے وہاں دوڑنے کے علاوہ کئی طرح کی ایکسر سائز کرتا۔

اس کے چہرے پر ہمہ وقت ایک معصومیت کھیلتی تھی لیکن اس کے جسم میں بھی بجلیاں بھری تھیں۔ ظاہری اطمینان اور سکون کے باوجود اس کی جسمانی توانائی ہمہ وقت نئے چیلنجز کی متلاشی رہتی۔ چنانچہ دیر تک رقص کرنے کے باوجود کترینا اور آغا عاطف دونوں تازہ دم تھے۔

نہ کترینا کی سانسیں اکھڑی تھیں نہ آغا عاطف کی۔ آخر دونوں کو اندازہ ہوا کہ ان میں سے کوئی تھکنے والا نہیں تو وہ رقص روک کر ایک ساتھ پہلے بستر پر بیٹھے اور پھر لیٹ گئے۔ کترینا نے آغا عاطف کو باہوں میں لے کر اس پر بوسوں کی بارش کر دی۔

جواب میں آغا عاطف بھی برسات کے بادل کی طرح ایسے برسا کہ برستا چلا گیا۔ لیکن اس بارش کے باوجود اس کے جسم میں آگ بھڑک اٹھی۔ وہ چاہتا تھا کہ تمام حدیں پھلانگ جائے لیکن کترینا نے دیوانہ وار بوس و کنار کے باوجود آغا عاطف کو ایک حد سے آگے نہ بڑھنے دیا۔

کرپال کے اسٹوڈیو پر ساچن اور سپیتمی کافی دیر تک بیٹھے گپ شپ کرتے رہے۔ جب رات گئے آغا عاطف واپس نہ لوٹا تو انہوں نے کرپال سنگھ کو روسی میں دس ودانیا یعنی خدا حافظ کہا اور پھر اپنے اسٹوڈیوز کی راہ لی۔

کرپال سنگھ نے بھی ان کے جانے کے بعد آغا عاطف کا انتظار کرنا مناسب نہ سمجھا۔ چنانچہ اس نے لائٹ آف کی اور چند لمحوں میں بستر پر لیٹ کر خراٹے بھرنے لگا۔

فصل 9

اگلے دن کرپال سو کر اٹھا تو آغا عاطف ابھی غائب تھا۔ وہ رات اسٹوڈیو واپس نہیں لوٹا تھا۔ کرپال اس کے بارے میں متفکر تھا۔ انقلاب نے روسیوں کے سب کس بل نکال دیئے تھے لیکن اب بھی نوجوان روسی لڑکے گاہے گاہے لڑکیوں کے مسئلے پر لڑنے مرنے پر اُتر آتے تھے۔

وہ اسی گومگو میں تھا کہ دروازے میں چابی گھومنے کی صدا سنائی دی۔ پھر دروازہ کھلا تو آغا عاطف اور کترینا اسٹوڈیو کے اندر چلے آئے۔ کترینا نے آتے ہی مسکراتے ہوئے روسی میں کرپال کو پہلے پروبی ات یعنی ہیلو اور پھر دوبرے اوترا یعنی صبح بخیر کہا۔

کرپال سنگھ نے بھی کترینا کو پہلے ہیلو اور پھر صبح بخیر کہا۔ کرپال سنگھ کا جواب سن کر کترینا نے اس سے معذرت کی کہ اس نے آغا عاطف کو رات اپنے اسٹوڈیو پر روک لیا تھا۔ ساتھ ہی اس نے کرپال سنگھ کو یہ خبر سنائی کہ اب آغا عاطف اس کے ساتھ رہے گا۔

کرپال نے کترینا کا آغا عاطف کو اپنے ساتھ رکھنے کا اعلان سن کر 'بولے سونہال ست سری اکال' کا نعرہ لگایا تو کترینا نے استفہامیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

کرپال سنگھ نے کترینا سے کہا کہ جب سکھ خوش ہوتے ہیں یا کسی کے ساتھ ایکتا کا اظہار کرنا چاہتے ہیں تو 'بولے سونہال ست سری اکال' کا نعرہ لگاتے ہیں۔

اس کا مطلب ہے کہ اسے یہ جان کر خوشی ہوئی ہے کہ اب کترینا اور آغا عاطف اکٹھے رہیں گے۔

سوویت یونین میں کئی سال رہنے کے بعد کرپال سنگھ اچھی طرح جانتا تھا کہ وہاں ہندوستان یا پاکستان کی طرح لڑکے یا لڑکیاں شادی سے پہلے منگنی نہیں کرتے۔ وہ ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں۔ لڑکا لڑکی سے شادی کی خواہش کا اظہار کرتا ہے۔ لڑکی اگر اس سے شادی کرنا چاہے تو اس کی شادی کی آفر قبول

کر لیتی ہے ورنہ انکار کر دیتی ہے۔ شادی میں ماں باپ، بہن بھائی یا یار دوست کوئی کردار ادا نہیں کرتے۔ ہاں شادی کی دعوت میں شامل ہوتے ہیں۔

اس نے کترینا سے پوچھا کہ وہ آغا عاطف سے شادی کب کر رہی ہے۔ اس نے آغا عاطف کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ اس نے پہلے ہی اس سے شادی کی خواہش کا اظہار کیا ہے۔ اس نے آغا عاطف کی شادی کی آفر قبول کر لی ہے اور وہ بہت جلد شادی کر لیں گے۔

آغا عاطف نے کرپال سنگھ کی موجودگی میں کترینا کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے پہلے اس کا بوسہ لیا اور پھر اس کا شکریہ ادا کیا کہ اس نے اس کی شادی کی آفر قبول کر لی ہے۔

اس کے بعد آغا عاطف اور کترینا نے مل کر آغا کا سامان اکٹھا کر کے ایک بیگ میں ڈالا اور کرپال سنگھ سے جانے کی اجازت چاہی۔ کرپال سنگھ نے کہا کہ کیا وہ اسٹوڈیو سے رخصت ہونے سے پہلے ناشتہ نہیں کرے گا۔

کترینا اور آغا عاطف نے ابھی تک ناشتہ نہیں کیا تھا۔ انہوں نے کرپال سنگھ کی دعوت قبول کر لی۔ آغا عاطف نے کہا کہ وہ سب کے لیے ناشتہ تیار کرے گا۔

اس سے پہلے کہ وہ ناشتہ بنانے کی تیاری کرتا، کترینا نے آگے بڑھ کر پین کیک بنانے کے لیے آمیزہ تیار کرنا شروع کر دیا۔ پھر مسکراتے ہوئے کہنے لگی کہ وہ سب کے لیے ناشتہ بنائے گی۔ اس نے کرپال سے پوچھا کہ وہ کیا کھانا پسند کرے گا۔ اس نے مسکراتے ہوئے کہا کہ کترینا آغا عاطف کے ناطے اب اس کی بھابی ہے۔ چنانچہ وہ ناشتے کے لیے جو کچھ بھی بنائے گی وہ شوق سے کھائے گا۔

کرپال سنگھ چونکہ ابھی تک بستر سے نہیں اٹھا تھا اس لیے اس کے بال اب تک کھلے تھے۔ کترینا نے اسے پوچھا کہ اس نے اس طرح اپنے سر اور داڑھی کے بال کیوں بڑھا رکھے ہیں۔

کرپال سنگھ نے پھر 'بولے سونہال ست سری اکال' کا نعرہ لگایا اور کہنے لگا کہ اس طرح بال رکھنا اس کے مذہب کا حصہ ہے۔

کرپال سنگھ کا جواب سن کر کترینا ہنسنے لگی۔ پھر ہنستے ہوئے کہنے لگی۔۔۔"شکر ہے کے سوویت یونین سے مذہب کا خاتمہ کر دیا گیا ہے۔ ورنہ نہ جانے اسے مذہب کے نام پر کیا کچھ کرنا پڑتا۔"

کرپال نے گہری نظروں سے کترینا کی طرف دیکھا اور پھر کہنے لگا۔۔۔"ہر مذہب کی ایک سماجی شکل ہوتی ہے۔ جس کا مقصد اپنے پیروکاروں کو ایک سماجی شناخت عطا کرنا ہوتا ہے۔ جب تک مذہب سماجی شناخت کے طور پر قائم رہتا ہے اور اس سے آگے بڑھنے کی کوشش نہیں کرتا اس کی وجہ سے کوئی مسائل پیدا نہیں ہوتے۔ لیکن جب مذہب سماجی شناخت سے آگے بڑھ کر اپنے پیروکاروں کے ذریعے دوسری سماجی شناختوں پر تسلط جمانے کی کوشش کرتا ہے تو اس سے ہر طرح کے مسائل پیدا ہوتے ہیں۔ یہاں تک کہ جنگیں بھی چھڑ جاتی ہیں۔"

کترینا نے کرپال سنگھ کی بات سن کر جواب دیا۔۔" میری شناخت میرا نام اور میری سوویت شہریت ہے۔ اس شناخت کی موجودگی میں کسی اور شناخت کی کیا ضرورت ہے؟"

"مادام کترینا آپ کی ایک تیسری شناخت بھی ہے۔ اور وہ بہت اہم شناخت ہے لیکن آپ اسے بھول رہی ہیں۔" کرپال سنگھ نے کہا۔

"اور وہ کونسی شناخت ہے۔" کترینا نے ابرو اٹھاتے ہوئے کرپال سنگھ سے پوچھا۔

"وہ شناخت ہے آپ کا کمیونسٹ ہونا۔"

"کیمونزم تو ایک سیاسی اور معاشی فلسفہ ہے۔ میری شناخت نہیں۔ میں اس فلسفے سے اتفاق کرتی ہوں۔ اور اس کے مطابق زندگی گزارتی ہوں۔"

"بالکل اسی طرح، مذہب ہمارا ایک سیاسی اور سماجی فلسفہ ہے۔ ہم اس سے اتفاق کرتے ہیں اور اس کے اصولوں کے مطابق زندگی گزارتے ہیں۔" کرپال سنگھ نے بھی ویسے ہی ابرو اٹھا کر جواب دیا۔ اس بحث مباحثے میں کترینا نے پین کیک، سیریل اور انڈوں کا آملیٹ تیار کر کے ٹیبل پر سجا دیا۔ وہ تینوں

ناشتے کے لیے ٹیبل پر بیٹھے تو کترینا نے پھر گفتگو کا سرا نئے سرے سے جوڑتے ہوئے کہا: "کارل مارکس نے کہا تھا مذہب افیون ہے۔ انقلاب سے پہلے، یہاں بھی مذہبی قوتیں بہت طاقتور تھیں۔ چرچ اور زار ایک دوسرے کو سہارا دیتے تھے۔ جب چرچ کو ریاست کی پشت پناہی کی ضرورت ہوتی، زاران کی سرپرستی کرتا۔ جب زار کو حمایت درکار ہوتی چرچ اس کو ضروری حمایت فراہم کرتا۔ زار انقلاب کے وقت قتل ہوا جبکہ چرچ کے وہ دانت توڑ دیئے گئے جن کے ذریعے وہ ریاستی امور میں مداخلت کرتا تھا۔ اب بھی کچھ لوگ مذہب پر یقین رکھتے ہیں، عبادت اور شادی کی رسم ادا کرنے کے لیے چرچ جاتے ہیں لیکن چرچ کی سوویت نظام میں کوئی سیاسی حیثیت یا کردار نہیں۔"

کترینا کی بات سن کر کرپال نے ایک لمبی سانس کھینچی اور پھر کہنے لگا۔۔" وہ فی الحال ناشتہ کرکے سکول جانا چاہتا ہے۔ ریاست اور چرچ کے معاملات کسی اور مناسب وقت کا انتظار کرسکتے ہیں۔" کترینا اور کرپال میں یہ گفتگو روسی میں ہورہی تھی۔ آغا عاطف خاموشی سے ان کا مکالمہ سن رہا تھا۔

وہ اپنی پلیٹ میں پین کیک ڈالتے ہوئے بولا۔۔"اگرچہ وہ روسی زبان میں اس گفتگو میں فی الحال حصہ نہیں لے سکتا لیکن وہ اتنا جانتا ہے کہ اسے اگر روسی پر عبور ہوتا تو بھی وہ اس گفتگو سے دور رہتا کیونکہ اسے مذہب سے کوئی دلچسپی نہیں۔"

کترینا نے آغا عاطف کو چومتے ہوئے کہا: "وہ اسے بتانا چاہتی ہے کہ اسے اس سے محبت ہے۔ اسے اس بات سے کوئی غرض نہیں کہ وہ مذہب پر یقین رکھتا ہے یا نہیں۔"

آغا عاطف نے بھی جواباً کترینا کو چومتے ہوئے کہا: "وہ بھی اس سے محبت کرتا ہے اور اپنی زندگی کی آخری سانس تک کرتا رہے گا۔ اس کے نزدیک یہ اہم نہیں کہ کون کیسے سوچتا ہے۔ کس چیز پر یقین رکھتا ہے۔ اس کے نزدیک اہم یہ ہے کہ اس کا روّیہ کیسا ہے۔ دوسرے انسانوں کے ساتھ اس کا برتاؤ کیسا ہے۔ اگر کوئی منکر خدا میرے ساتھ محبت سے پیش آئے گا تو میں بھی اس کے ساتھ محبت سے پیش آؤں گا۔"

آغا عاطف کی بات سن کر کترینا کے چہرے پر گلاب کے پھول جیسی مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس کا انداز کہہ رہا تھا کہ اسے آغا عاطف کو اپناتے ہوئے خوشی ہو رہی ہے۔

جب وہ تینوں ناشتہ کر چکے تو آغا عاطف نے اپنا سامان اٹھایا اور جانے کے لیے تیار ہوا تو کرپال نے آگے بڑھ کر اسے گلے لگایا اور پھر کہا کہ اسے جب بھی اس کی ضرورت محسوس ہو وہ ہمیشہ اس پر بھروسہ کر سکتا ہے۔

آغا عاطف نے بھی بھیگی آنکھوں کے ساتھ کرپال کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا اس نے اسے اس وقت سہارا دیا جب وہ سوویت یونین میں کسی کو نہیں جانتا تھا۔ وہ ہمیشہ اس کا احسان یاد رکھے گا۔

کترینا نے بھی کرپال کا شکریہ ادا کیا کہ اس نے اس کی محبت کو ٹھہرنے کے لیے جگہ دی اور ماسکو میں ایڈجسٹ ہونے میں اس کی مدد کی۔

پھر وہ دونوں دس ودانیا کہہ کر کرپال سنگھ کے اسٹوڈیو سے باہر نکل گئے۔ کرپال سنگھ اداس موڈ کے ساتھ یونیورسٹی جانے کی تیاری کرنے لگا۔

فصل 10

کترینا اور آغا عاطف کرپال کے اسٹوڈیو سے نکل کر پہلے سیدھے اپنے اسٹوڈیو آئے۔ کترینا نے اپنے کلازٹ میں ایک طرف آغا عاطف کا سامان رکھا اور پھر محبت سے آغا عاطف کو اپنے بازووں میں سمیٹ لیا۔ آغا عاطف نے کترینا کی محبت کا جواب محبت سے دینے کے لیے اپنے ہونٹ کترینا کے ہونٹوں پر پیوست کر دیئے۔

وہ دونوں اس چھوٹے سے اسٹوڈیو میں تمام دنیا سے بے خبر اس طرح ایک دوسرے میں کھوئے رہے کہ انہیں دن گزرنے کا احساس تک نہ ہوا۔ کترینا اور آغا عاطف دونوں بھول گئے کہ انہیں اسکول بھی جانا ہے اور روز مرہ کے باقی کام بھی کرنا ہیں۔

آغا عاطف کترینا کی محبت پا کر خوشی سے پھولے نہیں سما رہا تھا۔ اس کے پاؤں زمین پر نہیں ٹک رہے تھے۔ اس کا دماغ آسمان پر پرواز کر رہا تھا۔

اس نے آج تک اپنے مستقبل کے بارے میں نہیں سوچا تھا۔ لیکن کترینا کے اپنی زندگی میں آنے کے بعد وہ آنے والے دنوں، ہفتوں، مہینوں اور پھر سالوں کے بارے میں سوچ رہا تھا۔

یورپین لڑکیوں سے کئی پاکستانیوں نے شادیاں کی تھیں۔ کچھ کامیاب رہیں کچھ ناکام۔ لیکن روسی خواتین سے بہت کم پاکستانیوں نے شادیاں کی تھیں۔ اس لیے اسے بالکل اندازہ نہیں تھا کہ کترینا سے اس کی شادی کامیاب ہوگی یا ناکام۔ اس وقت وہ ان خطوط پر سوچنا بھی نہیں چاہتا تھا۔ رجسٹریشن آفس میں وہ کترینا کی پہلی نظر سے گھائل ہو چکا تھا۔ باقی اتفاقات تھے جو مسلسل انہیں ایک دوسرے کے اتنا قریب لے آئے تھے کہ انہوں نے باہمی طور پر ازدواجی رشتہ قائم کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

ان خیالات کے اتار چڑھاؤ میں آغا عاطف نے کترینا سے پوچھا کہ اس کے خیال میں شادی کے لیے کونسا دن اور تاریخ مناسب رہیں گے؟ اور وہ شادی چرچ میں کرے گی یا فقط شادی دفتر جا کر شادی کا اندراج

کرائے گی۔ آغا عاطف چاہتا تھا کہ جتنی جلدی شادی کا مرحلہ طے ہو جائے بہتر رہے گا تا کہ وہ پوری توجہ اور اعتماد کے ساتھ اپنی زندگی کی پلاننگ کرے۔

زندگی کی پلاننگ کا خیال آتے ہی آغا عاطف خود ہی مسکرا اٹھا۔ کترینا نے اسے مسکراتے دیکھا تو پوچھنے لگی کہ وہ کیوں مسکرا رہا ہے۔۔ اس نے کہا پاکستان میں اس کا اپنے باپ کے ساتھ سب سے بڑا جھگڑا یہی تھا۔ اس کا باپ کہتا تھا کہ وہ اپنے مستقبل کے بارے میں سوچے۔ زندگی کے بارے میں پلاننگ کرے۔ وہ اپنے باپ کی ان باتوں سے چڑ جاتا تھا۔ اب اس سے ملنے کے بعد اسے اطمینان ہے کہ اسے اپنی ہمسفر مل گئی ہے۔ وہ اس کی اچھی بیوی بننے کی تمام صلاحیتیں رکھتی ہے۔ چنانچہ اب نہ صرف وہ اپنے مستقبل کے بارے میں زیادہ پر اعتماد ہے بلکہ بہتر منصوبہ بندی بھی کر سکتا ہے۔ یہ سب کچھ جان کر اس کے باپ کو سب سے زیادہ خوشی ہو گی۔

کترینا کہنے لگی کہ سوویت نظام میں اسے مستقبل کی فکر کرنے کی زیادہ ضرورت نہیں۔ سرمایہ دارانہ نظام میں جو بہت سی ذمہ داریاں ایک خاندان کا سربراہ انجام دیتا ہے سوویت نظام میں وہ ذمہ داریاں ریاستی ادارے پوری کرتے ہیں۔

ہم شادی کریں گے۔ ہمارے بچے ہوں گے۔ ہمیں اپنے بچوں کے بارے میں فکر کرنے کی ضرورت نہیں ۔ ریاست نے ہر چیز کے ادارے بنا دیئے ہیں جو بچوں کی ہر سطح پر دیکھ بھال کرتے ہیں۔ ہر بچے کی پیدائش کے ساتھ والدین کو اس کا الاونس ملتا ہے۔ وہ الاونس اگرچہ اتنا زیادہ نہیں ہوتا لیکن پھر بھی اس سے بچے کی معقول نگہداشت ہو جاتی ہے۔

بچوں کا ذکر سن کر آغا عاطف نے پھر کترینا سے شادی کی تاریخ اور دن کے بارے میں پوچھا۔ وہ کہنے لگی: "اس نے دل کی گہرائیوں سے اسے اپنا خاوند تسلیم کر لیا ہے۔ چرچ میں شادی کرنے پر وہ اعتقاد نہیں رکھتی۔ وہ اگلے چند دنوں میں حکومت کے شادی دفتر جائیں گے اور سرکاری طور پر رشتہ ازدواج میں منسلک ہو جائیں گے۔"

"کیا شادی میں تمہارے ماں باپ، تمہارے رشتے دار، اور تمہارے اور میرے دوست شریک نہیں ہوں گے؟" آغا عاطف نے حیرانی سے پوچھا۔ "شادی کے سرکاری دفتر کے بعد کسی ریستوران میں شادی کی دعوت رکھیں گے۔ وہاں سب عزیز و اقارب اور احباب اکٹھے ہوں گے۔ وہاں شادی کی چند رسمیں ہوں گی اس طرح ہم سماجی طور پر بھی میاں بیوی بن جائیں گے۔" کترینا نے جواب دیا۔

"اگر ایسا ہے تو ہم کل شادی دفتر جائیں گے، شادی کا اندراج کرائیں گے اور آئندہ اتوار ریسیپشن رکھیں گے۔" آغا عاطف نے کترینا کے بالوں سے کھیلتے ہوئے کہا۔ کترینا نے آغا عاطف کے گرد اپنے بازوؤں کی گرفت مضبوط کر دی۔

جواباً آغا عاطف نے بھی کترینا کو بازوؤں میں لیکر اس پر بوسوں کی بارش کر دی۔ آغا عاطف کے بوسوں کے جواب میں کترینا نے اپنے بازوؤں کی گرفت ختم کر دی اور اس کے بازوؤں میں مچلنے لگی۔ آغا عاطف اسے ہاتھوں سے پھسلتی مچھلی کی طرح پکڑنے کی کوشش کرتا لیکن وہ پھر اس کے بازوؤں سے نکل جاتی۔

چند لمحوں بعد آغا عاطف نے اسے اپنے بازوؤں میں سمیٹ کر بستر پر لٹا دیا۔ دونوں میں پھر ایک بار آنکھ مچولی شروع ہو گئی۔ آغا عاطف چاہتا تھا کہ وہ اس کے ساتھ تمام حدیں پار کر جائے لیکن کترینا بہت خوبصورتی اور دلداری کے ساتھ اس کے ارادوں کو ناکام بناتی رہی۔

جب آغا عاطف کی جسمانی دیوانگی انتہا کو پہنچی تو کترینا نے محبت سے اسے اپنے بازوؤں میں جکڑ لیا۔ پھر کہنے لگی کہ وہ محبت کے اس اہم فرض کو کسی اور لمحے کے لیے بچا کر رکھیں گے۔ وہ لمحہ کونسا ہو گا اس کا فیصلہ وہ کرے گی۔

ان دونوں نے صبح کرپال سنگھ کے اسٹوڈیو پر ناشتہ کیا تھا۔ اس کے بعد نہ کترینا نے کچھ کھایا تھا نہ آغا عاطف نے۔ ایک دوسرے کی معیت میں وہ باقی چیزوں کے علاوہ کھانا پینا بھی بھولے رہے۔ جب شام گئے دونوں کی بھوک خوب چمک اٹھی تو آغا عاطف نے کہا کہ وہ باہر جائیں گے اور کسی اچھے سے ریستوران میں کھانا کھائیں گے۔

کترینا کہنے لگی۔۔۔" وہ میٹرو پکڑیں گے اور پھر وسط شہر میں واقع کسی ایسے ریستوران جائیں گے جس میں بار اور ڈانسنگ فلور بھی ہو۔ وہ اپنی شادی کی رات اچھا کھانا کھائیں گے، دبا کر وادکا پیئں گے، اور رات بھر ڈانسنگ فلور پر ڈانس کریں گے۔

آغا عاطف کی آنتیں اگرچہ بھوک سے قل ھو اللہ پڑھ رہی تھیں لیکن ڈاؤن ٹاؤن جانے کا خیال اسے بھی اچھا لگا۔

یونیورسٹی میں اس کے ارد گرد اگرچہ بہت سے بین الاقوامی طالب علم تھے لیکن روسی لڑکے اور لڑکیوں کی بھی کمی نہیں تھی۔ اس کے باوجود اسے کترینا کے علاوہ آج تک عام روسیوں کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ وہ ان میں گھل مل جائے، ان کا حصہ بن جائے، ان کی کہانیاں سنے اور ان کو بہتر طور پر جاننے کی کوشش کرے۔

اس لیے بھوک کے باوجود اس نے ہُرے کا نعرہ لگایا اور فوراً جین اور وہائٹ شرٹ پہن کر ماسکو ڈاؤن ٹاون جانے کے لیے تیار ہو گیا۔

کترینا نے پہلے باتھ روم جا کر اپنے آپ کو باہر جانے کے لیے ریفریش کیا۔ پھر نیوی بلیو پینٹ اور اوپر بغیر بازووں کے چمکدار ساٹن کی وائٹ شرٹ پہنی۔ اسے دیکھ کر ایسا لگتا تھا جیسے نیلے آسمان سے کوئی نورانی حسینہ اترتی چلی آ رہی ہو۔

آغا عاطف کترینا کو اس لباس میں دیکھ کر بے قرار ہو گیا۔ اس نے آگے بڑھ کر کترینا کو پھر اپنے بازووں میں لے لیا اور کہنے لگا کہ وہ اسے اتنی پیاری لگ رہی ہے کہ وہ نہیں چاہتا کہ کوئی اور اس کو دیکھے۔ آغا عاطف کی بات سن کر کترینا مچل گئی۔ پھر کہنے لگی کہ یہ بورزوازی خیال ہے۔

وہ اس کی محبت ہے۔ لیکن اس کی ملکیت نہیں ہے۔ اس لیے اسے اس طرح نہیں سوچنا چاہیے۔ آغا عاطف نے کہا کترینا، تم میری دولت ہو، میں نہیں جانتا کہ یہ بورزوازی خیال ہے، جو بھی ہے، تم میرے لیے ہو، اور میں تمہارے لیے۔

یہی باتیں کرتے وہ اسٹوڈیو سے نکل کر پیدل چلتے میٹرو اسٹیشن پہنچے۔ ماسکو اتنا بڑا شہر ہے۔ لیکن میٹرو کے ذریعے شہر کے ایک حصے سے دوسرے حصے کا سفر کرنا زیادہ دشوار نہیں۔

چند ہی لمحوں میں ڈاؤن ٹاؤن جانے والی ٹرین پہنچی تو وہ دونوں بمشکل اس میں سوار ہو گئے۔ ٹرین مسافروں سے ٹھسی ہوئی تھی۔ دراصل ماسکو کے شہری شام ڈھلے ڈاؤن ٹاؤن میں وقت گزارنا پسند کرتے ہیں۔ سرِشام شاپنگ سنٹرز، کیفے، شراب خانے، سڑکوں کی سائڈز پر بنی دوکانیں خریداروں سے بھر جاتی ہیں۔

کترینا اور آغا عاطف میٹرو سے باہر نکلے تو ڈاؤن ٹاؤن میں ہر طرف لوگ ہی لوگ تھے۔ سارا ڈاؤن ٹاؤن روشنیوں سے بقعہ نور بنا ہوا تھا۔ خاص طور پر ارباط اسٹریٹ پر رات میں دن کا سماں تھا۔

چونکہ کترینا اور آغا عاطف دونوں صبح سے بھوکے تھے اس لیے وہ فوراً ایک ریستوران میں داخل ہو گئے۔ اگلے گھنٹے ڈیڑھ میں وہ کھانے سے فارغ ہوئے اور پھر ریستوران سے نکل کر دورویہ دکانوں میں یکے بعد دیگرے پوری دنیا سے آئی ہوئی اشیا کا جائزہ لیتے رہے۔

چلتے چلتے اچانک کترینا کو دلہنوں اور دلہوں کے ملبوسات کی دوکان دکھائی دی۔ وہ آغا عاطف کو دوکان کے اندر لے گئی اور پھر اپنے لیے مختلف ملبوسات دیکھنے لگی۔ آخر اس نے اپنے لیے سفید رنگ کا ایک ریشمی فراک خریدا جو اس کے پستانوں سے شروع ہو کر پیروں تک چلا گیا۔ اسی کپڑے سے بنے ہاتھوں کے لیے دستانے خریدے جو ہاتھوں سے اوپر پورے بازووں پر فٹ ہوتے تھے۔ اسی کپڑے سے ملتے جلتے شوز خریدے۔

وہ یہ سب کچھ پسند کر رہی تھی تو آغا عاطف اسے حیرت اور محبت سے دیکھ رہا تھا۔ وہ گاہے گاہے اپنے پسند کردہ ملبوسات کے بارے میں اس کی رائے مانگتی تو وہ سراپا تعریف بن جاتا۔

وہ اپنے لیے شادی کے لباس کا چناؤ کر چکی تو پھر آغا عاطف کے لیے دولہا کے لباس کے انتخاب کا سلسلہ شروع ہوا۔

اس نے آغا عاطف کے لیے بھی اپنے فراک سے ملتے کپڑے کی پینٹ اور ٹیل کوٹ اور کوٹ کے نیچے پہننے والی کرتی خریدی۔ آغا عاطف کترینا کے حسن انتخاب کی تعریف کئے بنا نہ رہ سکا۔ وہ شادی کے ملبوسات کی خرید سے فارغ ہوئے تو رات تقریباً آدھی گزر چکی تھی۔

اس لیے کسی بار میں جانے اور ڈانس کرنے کی بجائے انہوں نے دوبارہ میٹرو پکڑی اور واپس اپنے اسٹوڈیو پہنچ گئے۔ واپس پہنچ کر انہوں نے تازہ خریدے ملبوسات کلازٹ میں رکھے اور خود ایک دوسرے کے ساتھ لپٹ کر نیند کی وادیوں میں کھو گئے۔ وہ دونوں پرندوں کی طرح اڑتے سائبیریا پہنچے اور پھر بیاکل جھیل کے نیلے پانیوں میں اتر کر تیرنے لگے، آگے ہی آگے۔ بیاکل جھیل کے دوسرے کنارے کی طرف۔ جہاں ایک نئی دنیا ان کی منتظر تھی۔

فصل 11

رات دیر سے سونے کی وجہ سے اگلے دن کترینا اور آغا عاطف بیدار ہوئے تو سورج تقریباً دن کی ایک تہائی منزل طے کر چکا تھا۔ وہ سونے سے پہلے بیرونی کھڑکی پر پردہ کھینچنا بھول گئے تھے۔ چنانچہ سورج کی کرنیں چھن چھن کر ان کے چہروں کو اپنے نور سے دھو رہی تھیں۔

سوتے میں اگرچہ ان کے جسموں کی پوزیشنیں بدل گئی تھیں لیکن اب بھی وہ ایک دوسرے کے ساتھ اس طرح لپٹے تھے کہ ایک کو دوسرے سے جدا دیکھنا مشکل تھا۔

کترینا نے گھڑی کی سوئیوں پر نظریں دوڑائیں تو تقریباً دن کے گیارہ بج رہے تھے۔ اس نے اپنا سر آغا عاطف کی چھاتی پر رکھ دیا اور پھر اسے محبت سے چومتے ہوئے کہنے لگی:

"آغا اب جلدی سے اٹھ جاؤ۔ دوپہر ہوا چاہتی ہے۔ ہمیں شادی دفتر جانے کے لیے تیاری کرنا ہے۔"

آغا عاطف نے کترینا کے ہونٹوں کا لمس محسوس کیا تو وہ ہوں ہاں کر کے دوبارہ مست ہو گیا۔ لیکن کترینا نے اسے چومتے چومتے گدگدانا شروع کر دیا۔

اس نے کترینا کو فوراً اپنے بازووں میں لے لیا۔ تھوڑی دیر پیار کرنے کے بعد اس نے کترینا سے پوچھا پہلے وہ شاور لے گی یا وہ۔

پھر اس کے جواب کا انتظار کئے بغیر اس نے اسے باہوں میں اٹھایا اور شاور کے نیچے لے جا کر پانی کھول دیا۔ کترینا تھوڑی دیر کسمسائی لیکن پھر اپنے اور اس کے جسم پر پانی ڈالنے لگی۔ پھر دونوں نے اپنے بھیگے ہوئے کپڑے وہیں شاور میں اتارے اور دیر تک اکٹھے غسل کرتے رہے۔

غسل ختم ہوا تو دونوں تیار ہو کر شادی دفتر کی طرف چل دیئے۔ شادی دفتر پہنچے تو آغا عاطف کو یہ دیکھ کر تعجب ہوا کہ شادی کا دفتر محض ایک دفتر نہیں بلکہ ایک مکمل تقریب گاہ تھا۔ جیسے ہی انہوں نے دفتر میں قدم رکھا دیواروں پر نصب چھوٹے سپیکروں سے شادی کی دھنوں پر مبنی میوزک بجنا شروع ہو گیا۔ چند

نوجوان لڑکے اور لڑکیاں، عمدہ لباسوں میں ملبوس، اسپیکروں سے اٹھتی دھنوں کے مطابق اپنے جسموں کو حرکت دیتے، ان کی طرف بڑھے۔ پہلے انہوں نے انہیں شادی دفتر میں خوش آمدید کہا۔ پھر ان کے ساتھ چلتے شادی کے کاؤنٹر تک پہنچے۔ دونوں نے کاؤنٹر پر کھڑے کھڑے ایک سادہ سا فارم بھرا۔ جس پر کترینا اور آغا عاطف نے دستخط کئے۔ کاونٹر کلرک نے فارم کو ایک نظر دیکھا اور پھر اس پر اسٹمپ لگا کر انہیں یہ کہہ کر اس کی رسید تھمائی کہ ان کی شادی کا سرٹیفکیٹ اگلے چند روز میں ان کے مندرجہ ایڈریس پر انہیں مل جائے گا۔ جن نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں نے انہیں شادی دفتر میں خوش آمدید کہا تھا وہ اس سارے عمل میں ان کے ارد گرد کھڑے رہے۔ شادی کلرک نے انہیں شادی کی رسید تھمائی تو اسپیکر سے اٹھتی دھنیں تیز ہو گئیں۔ نوجوانوں نے کترینا اور آغا کو شادی کی مبارک باد دی۔ پھر ان کے ساتھ چلتے بیرونی دروازے تک آئے اور انہیں دس ودانیا، دس ودانیا کی تکرار کرتے ہوئے شادی دفتر سے رخصت کیا۔

آغا عاطف کے لئے یہ ایک حیران کن تجربہ تھا۔ اسے پاکستان کی شادیاں یاد آئیں۔ اسے یاد آیا کس طرح لڑکوں اور لڑکیوں کی شادیاں دونوں خاندانوں کی لیے عذاب بن جاتی ہیں۔ لڑکے اور لڑکی کی شادی تو ہو جاتی ہے لیکن دونوں خاندانوں کی حالت اس بکرے کی سی ہو جاتی ہے جسے قصاب ذبح کرنے کے لیے مقتل گاہ لے جائے اور پھر اس لئے چھوڑ دے کہ فی الحال اسے ذبح کرنے کی ضرورت نہیں۔ اور بکرے کو اس بات کا افسوس ہو کہ اسے زندہ کیوں چھوڑ دیا گیا ہے۔ کاش اسے ذبح کر دیا جاتا۔

اسے مزدوروں اور کسانوں کی جنت سوویت یونین کی یہ رسم اچھی لگی۔ اس کا جی چاہا کاش پاکستان میں بھی لڑکوں اور لڑکیوں کی شادیاں اس طرح ہوں۔ نہ لڑکے والوں پر بوجھ پڑے نہ لڑکی والوں پر اور دونوں کی شادی بھی ہو جائے۔

کترینا اور آغا عاطف شادی دفتر سے باہر آئے تو کترینا نے کہا کہ وہ اپنے اسٹوڈیو واپس جانے کی بجائے اس کے والدین کے گھر جائیں گے اور انہیں شادی کی ریسپشن کے لیے دعوت دیں گے۔

اس کے علاوہ وہ اپنے ہائی اسکول کے زمانے کے چند دوستوں کو بھی دعوت دینا چاہتی تھی۔ ماسکو بہت بڑا شہر ہے۔ بعض اوقات شہر کے ایک حصے سے دوسرے حصے تک جانے میں گھنٹوں صرف ہو جاتے ہیں۔

کترینا اور آغا عاطف شادی دفتر سے نکل کر اس کے والدین کے گھر پہنچے تو تقریباً شام ہو رہی تھی۔ سوائے اس کے بھائی نکولائی کے سب گھر پر تھے۔ نکولائی کترینا کی طرح الگ سے ایک اسٹوڈیو میں رہتا تھا۔

کترینا آغا عاطف کے ساتھ گھر میں داخل ہوئی تو اس کی ماں ساشا اور اس کا باپ الیکسی اسے دیکھ کر کھڑے ہو گئے۔ اس کی دادی الیونا وھیل چیئر پر بیٹھی تھی۔ اس نے وھیل چیئر میں بیٹھے بیٹھے مسکراتے ہوئے آغا عاطف کو خوش آمدید کہا۔

کترینا نے آگے بڑھ کر اپنی ماں ساشا کے گالوں پر بوسہ دیا اور پھر اپنے باپ کے گلے میں باہیں ڈال کر آغا عاطف کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولی کہ وہ اس کا خاوند ہے۔ وہ دونوں آج ہی شادی دفتر میں اپنی شادی رجسٹر کرا کے آ رہے ہیں۔ اور آنے والے ہفتے کے دن راک کیفے میں شام کے وقت شادی کی دعوت کر رہے ہیں۔

الیکسی نے کترینا کے گالوں پر پیار سے بوسہ دیا اور اسے روسی میں کہا کہ اس کا خاوند بہت خوش شکل اور صحت مند نوجوان ہے۔ اسے اس کے انتخاب پر مسرت ہوئی ہے۔

کترینا نے آغا عاطف کے لیے اپنے باپ کا جملہ انگریزی میں دہرایا۔ تو آغا عاطف نے آگے بڑھ کر الیکسی سے ہاتھ ملایا اور روسی میں جواب دیا:

سپائی سی وا۔ مینیازاووت آغا عاطف۔ یعنی شکریہ میرا نام آغا عاطف ہے۔

الیکسی نے آغا عاطف کو روسی بولتے سنا تو خوش ہو کر گرم جوشی سے ہاتھ ہلاتے ہوئے کہنے لگا سپائی سی وا۔ مینیازاووت الیکسی۔

کترینا نے اپنے آغا عاطف اور الیکسی کو روسی بولتے سنا تو مسکرا کر اپنے باپ سے کہنے لگی کہ آغا ابھی روسی سیکھ رہا ہے۔ اس کے باپ نے جواب دیا اسے امید ہے کہ وہ کترینا کے ساتھ رہے گا تو اس کی روسی روسیوں کی طرح چست ہو جائے گی۔

الیونا کی وھیل چیئر کے پیچھے دیوار پر ایک تصویر آویزاں تھی۔ تصویر سے لگتا تھا الیکسی کے باپ کی تصویر تھی۔ تصویر کے نیچے روسی میں لکھا تھا آندرے۔

آغا عاطف نے چند لمحے تصویر کی طرف دیکھا تو کترینا کی دادی الیونا نے وھیل چیئر پر بیٹھے روسی میں کہا کہ وہ اس کے خاوند آندرے کی تصویر ہے۔ وہ انقلاب کے بعد سول وار میں انقلاب دشمنوں کے ہاتھوں مارا گیا تھا۔ وہ بھی الیکسی کی طرح ریلوے میں ڈرائیور تھا لیکن جب انقلاب دشمن قوتوں نے انقلاب کے خلاف جنگ شروع کی وہ ولادیمیر لینن کے حامی فوجیوں کے ساتھ شامل ہو کر ان کے خلاف لڑا۔

کترینا نے الیونا کی ساری بات آغا عاطف کے لیے انگریزی میں دہرائی۔ آغا عاطف الیکسی کا ہاتھ چھوڑ کر وھیل چیئر میں بیٹھی الیونا کی طرف بڑھا اور پھر اس کا ہاتھ تھام کر اسے بوسہ دیا۔

الیونا نے محبت سے آغا عاطف کا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔ پھر مسکراتے ہوئے کہنے لگی۔ آندرے کی روح تمیں کترینا کے ساتھ دیکھ کر یقیناً خوش ہو رہی ہو گی۔

آغا کو الیونا کے جملے کی تھوڑی سی سمجھ آئی لیکن وہ اس کا مفہوم مکمل طور پر سمجھ گیا۔ اس نے جواب میں دھا، دھا، یعنی ہاں، ہاں، کہتے ہوئے اپنا سر ہلایا تو سب ہنسنے لگے۔

ساشا نے کہا کہ آغا عاطف نہ صرف دیکھنے میں روسی لگتا ہے بلکہ وہ آہستہ آہستہ روسیوں کے طور طریقے بھی سیکھ رہا ہے۔

ساشا نے شام کے لیے سوپ بنا رکھا تھا۔ کترینا کھانا کھائے بغیر جانا چاہتی تھی تا کہ اپنے دوستوں کو ریسپشن کے لیے دعوت دے لیکن ساشا نے جلدی سے ٹیبل پر پلیٹیں چن دیں۔ پھر بڑے سے باؤل میں

سوپ ڈال کر ٹیبل پر رکھ دیا۔ سلاد کی ایک بڑی سی پلیٹ ٹیبل پر رکھی اور برقی تنور میں روٹی کے ٹکڑے گرم کرنا شروع کر دیئے۔

پھر کترینا سے مخاطب ہو کر کہنے لگی کہ۔۔۔" یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ تم گھر آؤ، ڈنر کا وقت ہو، اور تم کھانا کھائے بغیر چلی جاؤ۔ خاص طور پر آغا عاطف تو پہلی بار ہمارے گھر آیا ہے۔" پھر اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولی: "تم اپنے دوستوں کی لسٹ مجھے دے جاؤ میں اگلے ایک دو روز میں سب کو مطلع کر دوں گی۔ مجھے توقع ہے کہ تمہارے سب دوست تمہاری شادی کی دعوت میں شامل ہو کر خوشی محسوس کریں گے۔"

الیونا نے اپنی وھیل چیئر ڈائننگ ٹیبل کے قریب کھینچی تو آغا عاطف نے کہا: "الیونا دادی، میری روسی تھوڑی سی ٹھیک ہو جائے تو میں روزانہ گھمانے کے لئے تمہیں باہر لے جاؤں گا اور پھر پارک میں بیٹھ کر تم سے روسی انقلاب کے بارے میں کہانیاں سنا کروں گا۔"

آغا عاطف کی بات سن کر الیونا کی آنکھوں میں چمک پیدا ہوئی۔ اس نے شکر گزار نظروں سے آندرے کی تصویر کی طرف دیکھا اور پھر سب کے ساتھ ڈنر میں شامل ہو گئی۔

فصل 12

راک کیفے ماسکو میں شادیوں کی تقریب کے لیے مناسب ترین جگہ تھی۔ یہ کیفے شہر کے ایک غیر مصروف علاقے میں ایک پارک کے پاس بنایا گیا تھا۔

پارک میں پانی کی ایک چھوٹی سی جھیل تھی۔ جھیل کے کنارے واقع یہ کیفے اس طرح بنایا گیا تھا کہ اس کی کھڑکیوں کے طویل القامت شیشوں کے باہر پارک اور جھیل کا سارا منظر دکھائی دیتا تھا۔ کھڑکیوں کے شیشے یک طرفہ تھے۔ اندر والے باہر پارک اور جھیل کا سارا منظر دیکھ سکتے تھے لیکن باہر سے کیفے کے اندر کا منظر دیکھنا ناممکن تھا۔ کیفے کی ڈیزائننگ اس طرح کی گئی تھی کہ ایک وقت میں شادی کی کئی تقاریب منعقد ہوسکتی تھیں۔

کترینا کی ساری فیملی سرشام ریستوران پہنچ چکی تھی۔ اس کا باپ الیکسی، بھائی نکولائی، ماں ساشا اور دادی الیونا صاف ستھرے کپڑے پہنے شادی کی تقریب میں شامل ہونے کے لیے تیار تھے۔ اس کے باپ اور بھائی نے وائٹ پینٹوں کے ساتھ سرخ رنگ کے ٹیل کوٹ پہن رکھے تھے۔ کوٹ کے نیچے سفید شرٹوں پر سیاہ رنگ کی بو ٹائیاں کالروں پر سجا رکھی تھیں۔

اس کی ماں ساشا اور دادی الیونا نے سفید پینٹوں کے ساتھ سرخ بلاوز پہن رکھے تھے۔

کترینا کے بہت سے دوست، لڑکیاں اور لڑکے، آف وائٹ رنگوں کے کوٹوں اور پینٹوں میں ملبوس اس کا اور اس کے شوہر آغا عاطف کا انتظار کر رہے تھے۔

وہ سب راک کیفے کے اندر ایک ریسپشن ہال میں اپنی اپنی پسند کی شراب پی رہے تھے اور ہائی اسکول کے دنوں کی یادیں تازہ کر رہے تھے۔

کترینا کے خدوخال ہائی اسکول میں نکھرنا شروع ہوگئے تھے۔ وہ ایک خوبصورت نوعمر لڑکی تھی جس کے بارے میں سب کا خیال تھا کہ وہ جب جوان ہوگی تو کئی دلوں میں آگ لگائے گی۔

لیکن یہ کسی کو اندازہ نہیں تھا کہ وہ پاکستان سے تعلیم کے لیے وارد ہونے والے ایک نوجوان طالب علم آغا عاطف کے دل میں گلاب کا پھول بن کر اس طرح کھلے گی کہ کوئی اور اس کی خوشبو تک بھی نہیں پہنچ پائے گا۔

ہائی اسکول میں اس کو جاننے اور نہ جاننے والے سب لڑکے اس کو پانے کی خواہش میں مرے جاتے تھے۔

آج وہ سب وہاں موجود تھے۔ وہ اس خوش نصیب پاکستانی نوجوان سے ملنے جا رہے تھے جس نے کترینا کا دل پہلی نظر میں فتح کر لیا تھا۔

نپولین ماسکو فتح کرنے کے شوق میں برباد ہو گیا تھا، لیکن آغا عاطف فتح و کامرانی کا جھنڈا لہراتے جب شادی ہال میں داخل ہوا تو وہ سب بے اختیار شادی مبارک کے نعرے بلند کرنے پر مجبور ہو گئے۔ آغا عاطف کو دیکھ کر ان کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ وہ آغا عاطف کی شخصیت سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے اور دل ہی دل میں کترینا کے حسن انتخاب کی داد دینے لگے۔

کترینا نے سفید رنگ کا بڑا سا ریشمی فراک پہن رکھا تھا جو اس کی چھاتی کے تھنوں سے شروع ہو کر اس کے قدموں کے ارد گرد زمین پر گھس رہا تھا۔

اس نے اسی کپڑے کے سفید رنگ کے طویل دستانے پہن رکھے تھے۔ دستانوں نے اس کی باہوں کا نچلہ حصہ ڈھانپ رکھا تھا۔

پیروں میں اپنے کپڑوں کے رنگ سے ملتی جوتیاں پہن رکھی تھیں جو گاہے گاہے زمین پر گھستے فراک سے دکھائی دے جاتی تھیں۔

آغا عاطف نے سفید رنگ کی پینٹ، شرٹ اور اوپر اسی رنگ کا ٹیل کوٹ پہن رکھا تھا۔

الیکسی، نکولائی، ساشا اور الیونا نے آگے بڑھ کر کترینا اور آغا عاطف کو خوش آمدید کہا۔ ہال میں ان دیکھے اسپیکروں سے شادی کی پاپولر دھنیں بجنا شروع ہو گئیں۔

نکولائی نے آگے بڑھ کر آغا عاطف کو گلے لگایا اور پھر کہنے لگا کترینا کی نازک اندامی پر نہ جانا۔ وہ دیکھنے میں جتنی نازک اور خوبصورت دکھائی دیتی ہے اندر سے اتنی ہی چست اور چاق و چوبند بھی ہے۔

آغا عاطف نے نکولائی کی بات کا مفہوم سمجھتے ہوئے "دھا، دھا" کرتے ہوئے "ہاں، ہاں" کے انداز میں سر ہلا دیا۔

پھر نکولائی ایک کارنر میں رکھے شیشے کے ڈائس کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ پہلے اس نے اپنی فیملی کی طرف سے ریسیپشن کے لیے آنے والے کترینا کے سب دوستوں کو خوش آمدید کہا۔

پھر کترینا کے بچپن کے کچھ قصے سنائے جنہیں سن کر اس کے دوست ہنس ہنس کر دہرے ہوتے رہے۔

آغا کے کچھ پلے نہیں پڑ رہا تھا لیکن وہ ہنسنے والوں کے ساتھ محض مسکرانے پر اکتفا کر رہا تھا۔

نکولائی کے ایک طرف الیکسی اور ساشا کھڑے تھے جبکہ دوسری طرف کترینا اور آغا عاطف کھڑے تھے۔

ان سب کے بیچ کترینا کی دادی الیونا اپنی وھیل چیر پر بیٹھی مسکراتے ہوئے سب کی طرف دیکھ رہی تھی۔

کترینا اور نکولائی کی تربیت ان کی دادی الیونا نے کی تھی۔ وہ دونوں الیکسی اور ساشا سے زیادہ الیونا کے قریب تھے۔

ان کے بچپن میں الیکسی اور ساشا کام پر جاتے تو الیونا ہی ان کے سب معمولات سنبھالتی۔ وہی انہیں پری اسکول لے کر جاتی۔ وہاں سے واپس لاتی۔ اور پھر جب تک ساشا کام سے واپس نہ آ جاتی وہ ان کی دیکھ بھال کرتی۔

الیکسی چونکہ ریلوے ڈرائیور تھا اس کا کوئی مخصوص اسکجوول نہیں تھا۔ کبھی وہ بہت جلد صبح کام پر چلا جاتا اور کبھی دیر سے۔ بعض اوقات اسے رات کو بھی کام کرنا پڑتا۔

نکولائی نے الیونا سے کہا کہ وہ بھی کترینا کے بچپن کی یادیں اس کے دوستوں کے ساتھ شیئر کرے۔

نکولائی کے کہنے پر الیونا نے کترینا کے بچپن سے ایک دلچسپ واقعہ اس کے دوستوں اور فیملی کو سنایا۔

آج سے پہلے الیونا نے یہ واقعہ کسی کو نہیں سنایا تھا۔ جب الیونا نے کہا کہ جو واقعہ وہ سنانے جا رہی ہے الیکسی، ساشا اور نکولائی بھی اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔

یہ واقعہ اس نے اسی موقع کے لیے سب سے بچا کر رکھا تھا۔ سب کے کان الیونا کی طرف متوجہ ہو گئے۔ کترینا کی پوری توجہ بھی الیونا کی طرف تھی۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ الیونا کونسا قصہ سنانے جا رہی ہے۔

الیونا نے کہا:

"ایک دن الیکسی علی الصبح منہ اندھیرے کام پر چلا گیا۔ پھر ساشا بھی پڑھانے کے لیے سکول چلی گئی۔ میں نے نکولائی اور کترینا کو سکول لے جانے کے لیے تیار کیا۔ نکولائی تیار ہو کر سکول جانے کے لیے تیار تھا۔ کترینا کو سرخ رنگ کا فراک پہنایا، سفید جانگیہ پہنایا، سفید رنگ کی طویل جرابیں پہنائیں، سفید شوز پہنائے اور پھر سر پر سرخ پھول کے ساتھ بنا ربن بالوں میں لگایا تو وہ آئینے میں خود کو دیکھ کر اس طرح کھوئی کہ آئینے سے پرے ہٹنے کا نام نہیں لیتی تھی۔ میں نے جب اسے آئینے سے ہٹا کر پری اسکول لے جانا چاہا تو یہ رونا شروع ہو گئی کہ آئینے والی لڑکی کے بغیر اسکول نہیں جائے گی۔ پھر میں نے بڑی مشکل سے بہلا پھسلا کر اسے اسکول جانے پر آمادہ کیا۔"

اپنے بچپن کا قصہ سن کر کترینا نے اپنی دادی کو محبت بھرے لیکن شکائتی انداز میں ششکارا:

"الیونا۔۔۔"

الیونا کترینا کے بچپن کا قصہ سنا چکی تو راک کیفے کی دو نوجوان لڑکیاں جو شارٹ سفید فراکوں اور جانگیوں میں ملبوس تھیں ایک پلیٹ میں روٹی کا ٹکڑا رکھ کر لائیں۔

پہلے ایک لڑکی نے روٹی والے ٹکڑے کی پلیٹ کترینا کے سامنے کی۔ کترینا نے اس روٹی کے ٹکڑے کا بڑا حصہ منہ میں ڈال لیا لیکن پھر بھی ایک بہت بڑا حصہ پلیٹ میں پڑا رہا۔

پھر دوسری لڑکی نے روٹی کے بچے ہوئے ٹکڑے والی پلیٹ آغا عاطف کے سامنے کی تو اس نے روٹی کا سارا بچا ہوا ٹکڑا منہ میں ڈال لیا۔ سب نے بآواز بلند آغا عاطف کے نام کا نعرہ بلند کیا۔

وہ لڑکیاں خالی پلیٹ لے کر واپس چلی گئیں۔ پھر دو اور لڑکیاں دو پلیٹوں میں وائن کے جام بھر کر لائیں۔ پہلے ایک نے پلیٹ میں رکھا جام کترینا کو پیش کیا۔ کترینا نے ہاتھ بڑھا کر جام اٹھا لیا۔ پھر وائن پی کر خالی جام زمین پر پھینک دیا۔ جام سلامت رہا۔

سب خاموش کھڑے آغا عاطف کی طرف دیکھتے رہے۔ دوسری لڑکی نے پلیٹ میں رکھا جام آغا عاطف کو پیش کیا۔ آغا عاطف نے بھی کترینا کی طرح وائن پی کر خالی جام زمین پر پھینک دیا۔ جام زمین پر گرتے ہی چکنا چور ہو گیا۔

شادی ہال میں موجود سب لوگوں نے پھر آغا عاطف کے نام کا نعرہ بلند کیا۔ اس کے بعد کترینا اور آغا عاطف نے شادی کی انگوٹھیاں ایک دوسرے کو پہنائیں۔

پھر کترینا نے حاضرین سے مخاطب ہو کر کہا چونکہ آغا عاطف نے اس سے بڑا روٹی کا ٹکڑا ایک ہی کوشش میں کھا لیا ہے اور اس کا وائن کا گلاس بھی زمین پر گر کر ٹوٹ گیا ہے اس لیے اب میرا فرض ہے کہ زندگی بھر اس کی خواہشات کا احترام کروں، اس سے محبت کروں اور اس کی مددگار بنی رہوں۔

یہ کہہ کر کترینا نے خود سپردگی کے انداز میں پاس کھڑے آغا عاطف کے ہونٹوں پر اپنے ہونٹ ثبت کر دیئے۔ آغا عاطف نے بھی محبت سے کترینا کو اپنے بازووں میں سمیٹ لیا۔

ریسپشن میں موجود سب لوگوں نے کترینا اور آغا عاطف کے نام کے نعرے لگائے اور پھر پہلو میں بنے ڈائننگ ہال میں میزوں پر رکھی فوڈ کھانے میں مصروف ہو گئے۔

ریسپشن ختم ہوئی تو الیکسی فیملی نے شادی ہال کے دروازے پر کھڑے ہو کر سب مہمانوں کا شکریہ ادا کیا اور انہیں خدا حافظ کہا۔ ایک ایک کر کے کترینا کے سب دوست دس ودانیا دس ودانیا کہتے رخصت ہوئے تو کترینا اپنی ماں ساشا اور دادی الیونا سے گلے ملی۔ اپنے باپ الیکسی اور بھائی نکولائی سے بغلگیر ہوئی۔ اسی طرح آغا عاطف بھی اپنے سسر الیکسی اور برادر نسبتی نکولائی سے بغلگیر ہوا اور اپنی ساسو ماں اور دادی ساسو ماں سے گلے ملا۔

پھر وہ دونوں جس گاڑی میں راک کیفے آئے تھے اسی گاڑی میں بیٹھ کر وہاں سے روانہ ہوئے۔ وہ دونوں ساتھ ساتھ پچھلی سیٹ پر بیٹھے تھے۔ گاڑی کافی دیر ماسکو کی سڑکوں پر دوڑتی رہی۔ لیکن اس کا رخ نہ ان کے اسٹوڈیو کی طرف تھا نہ کترینا کے ماں باپ کے گھر کی طرف۔ آغا عاطف کچھ نہیں جانتا تھا کہ آج کی رات وہ دونوں کہاں جارہے تھے۔

کافی دیر بعد گاڑی ماسکو کے سب سے اچھے اور اونچے ہوٹل کے سامنے آکر رکی۔ کترینا نے آغا عاطف سے کہا کہ ہماری منزل آگئی ہے۔ آج ہم اسٹوڈیو نہیں جائیں گے بلکہ یہیں رات گزاریں گے۔ وہ دونوں ہوٹل ریسپشن پر گئے تو ریسپشنسٹ نے انہیں شادی کی مبارکباد دی اور ہوٹل میں خوش آمدید کہا۔ پھر اس نے انہیں کمرے کی چابی تھماتے ہوئے کہا ان کا کمرہ سب سے اوپر والے فلور پر واقع ہے۔

کترینا اور آغا عاطف ریسپشنسٹ سے کمرے کی چابی لے کر لفٹ میں بیٹھ کر ہوٹل کے ٹاپ فلور پر آئے۔ انہوں نے اپنے کمرے کا دروازہ کھولا تو اس وقت ان کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب ان کی نظر بستر پر ان کے لیے رکھے بہت سے تحفوں پر پڑی۔

تحفوں کے ساتھ ایک کارڈ رکھا تھا جس کے ایک طرف الیکسی فیملی کے سب ارکان کی گروپ فوٹو تھی اور دوسری طرف کترینا اور آغا عاطف کے لیے نیک خواہشات کا اظہار کیا گیا تھا۔

آغا عاطف نے تحفے اور کارڈ دیکھا تو گلوگیر آواز میں کترینا سے کہنے لگا میں یہ سمجھتا تھا سوویت یونین میں سب خاندانی رشتے ٹوٹ جاتے ہیں اور فقط سماجی رشتے باقی رہ جاتے ہیں جن کا تعین بھی پیداواری ذرائع کرتے ہیں۔ لیکن ہوٹل کے اس کمرے، تحفے اور کارڈ دیکھ کر لگتا ہے کہ سوویت یونین میں بھی انسان بستے ہیں۔ یہاں بھی دادی دادا، ماں باپ اور بہن بھائی ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں۔

کمرے کے ایک طرف دیوار تھی اور تین طرف شیشے لگے تھے جن سے پورے ماسکو کا سین نظر آتا تھا۔ جہاں تک نظر کام کرتی تھی ماسکو کی روشنیاں، عمارات اور درخت پھیلے تھے۔ شہر کے درمیان بہتے دریا اور نہروں اور جھیلوں اور سڑکوں پر بھاگتی گاڑیوں کے مناظر دکھائی دیتے تھے۔

خزاں کا موسم تقریباً ختم ہو رہا تھا۔ ماسکو میں موسم بہار کی آمد آمد تھی۔ جس سے شہر میں درختوں کے پھوٹتے شگوفوں کی خوشبو ہر طرف پھیل رہی تھی۔ یہاں تک کہ ماسکو کے اس ہوٹل کے سب سے اونچے فلور پر واقع اس کمرے میں بھی بہار کی آمد کے اثرات محسوس کیئے جا سکتے تھے۔

کترینا نے تحفوں کے پیکیج اٹھا کر کلازٹ میں رکھے اور پھر ایک طرف میز پر رکھی وادکا کی بوتل کھولی اور ساتھ پڑے دو جاموں میں ڈال کر ایک جام آغا عاطف کو دیا اور دوسرا اپنے ہونٹوں سے لگا لیا۔

آغا عاطف نے اپنے جام میں سے ایک گھونٹ وادکا پی اور پھر جام میز پر رکھ دیا۔ پھر اس نے کترینا کا جام بھی پکڑ کر میز پر رکھ دیا۔ اور یہ کہتے ہوئے کترینا کو اپنے بازووں میں سمیٹ لیا کہ " آج کی رات وادکا پینے کی نہیں بلکہ اصل شراب پینے کی رات ہے۔"

کترینا نے مخمور آنکھوں سے اس کی طرف دیکھا اور پھر یہ کہتے ہوئے اس کے بازووں میں سمٹ گئی کہ " آغا اب یہ وجود تمہارا ہے۔ تمہیں اس وجود پر اب ہر حق حاصل ہے"۔ کترینا کے الفاظ سن کر آغا وفور محبت سے دیوانہ ہو گیا۔

وہ جب سے کترینا سے ملا تھا وہ اس کے ساتھ مسلسل عشق و محبت کا کھیل کھیل رہی تھی۔ اس کی آتش شوق کو بھڑکا رہی تھی۔ اس کھیل میں وہ عین اس وقت اس سے خود کو الگ کر لیتی جب اس کے جسم کی سب رگیں تن جاتیں۔ وہ بار بار اس کے جذبات کو سمندر کی طوفانی لہروں کی طرح پورے عروج پر لے جاتی لیکن جب لہریں عروج پر پہنچتیں وہ ان کو اس طرح توڑتی کہ آغا عاطف ایک مونگے کی طرح بے سدھ اور بے جان ہو کر سمندر کی سطح پر تیرنے لگتا۔

لیکن آج معاملہ مختلف تھا۔ آج آغا عاطف نے روسی روائت کے مطابق اس سے روٹی کا بڑا ٹکڑا ایک ہی بار ہڑپ کر کے اور وائن کا جام توڑ کر کترینا سے عہد لے لیا تھا کہ وہ اس کی خواہشات کا احترام کرے گی۔

آغا عاطف نے کترینا کو اپنے بازووں میں اٹھا کر کمرے میں اکلوتے بستر پر لٹا دیا۔

کترینا نے آغا کے گلے میں باہیں ڈال کر اسے اپنے ساتھ بستر پر کھینچ لیا۔ دونوں دیوانہ وار ایک دوسرے سے بوس و کنار میں اس طرح کھوئے کہ کمرے کی مے آلود ہوا پہلے پر شور آندھیوں میں ڈھلی اور پھر پر شور آندھیاں وحشی طوفانوں میں ڈھل گئیں۔

تب بجلیاں کڑکیں، بادل گرجے، اور پھر ایسی رم جھم ہوئی کہ کترینا اور آغا عاطف دونوں جل تھل ہو گئے۔

دور ماسکو کی سیاہی مائل، دھند آلود فضا میں، آسمان پر ٹمٹماتے ستارے دو زمینی ستاروں کو اس طرح ایک دوسرے کے ساتھ ملتے دیکھ رہے تھے جیسے دور سمندر میں پانی کی دو لہریں بار بار گلے مل کر ایک دوسرے میں مدغم ہو رہی ہوں۔

اس وقت پوری کائنات کترینا اور آغا عاطف کے دو وجودوں میں سمٹ آئی تھی۔

ان کے وجود روشنی کے دو ایسے شرارے تھے جن سے زندگی کے ازلی ابدی قمقمے مسلسل جل اور بجھ رہے تھے۔

آغا نے کہا: "کترینا"

کترینا نے کہا: " آغا"

پھر وہ دونوں ساز کے دو سروں کے طرح ایک نغمے میں ڈھل گئے۔ ایک ایسا نغمہ جس کا نہ آغاز تھا نہ انجام۔ بس ایک تواتر تھا اور ایک تسلسل اور ایک نغمہ حیات۔

شیشوں کے باہر کھلا آسمان تھا۔ ماسکو کی روشنیاں تھیں۔ اس ماسکو کی جو کبھی بیدار نہیں ہوتا۔ بیدار تو تب ہوتا اگر سوتا۔ کیونکہ ماسکو کبھی سوتا نہیں اس لیے اس کے بیدار ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ماسکو کے ساتھ ساتھ کترینا اور آغا عاطف بھی جاگ رہے تھے۔ وہ ایک بے پایاں محبت میں ایسے کھوئے کہ ماسکو کی طرح اس شب وہ بھی سونا بھول گئے۔

فصل 13

اگلے دن ماسکو مشرق سے ابھرتے سورج کی کرنوں سے روشن ہوا ہی تھا کہ ہوٹل کے دروازے پر دستک ہوئی۔

کترینا اور آغا عاطف دونوں حیران تھے کہ کون ہو سکتا ہے۔ آغا نے اٹھ کر دروازے پر دستک کا جواب دینا چاہا تو کترینا نے اسے واپس بستر پر کھینچ لیا۔ دروازے پر کافی دیر تک دستک ہوتی رہی۔ لیکن کترینا اور آغا دم سادھے خاموش لیٹے رہے۔

آخر دروازے پر دستک بند ہو گئی۔ وہ دونوں پھر ایک بار محبت کے بجرے پر سوار دور گہرے پانیوں کی طرف نکل گئے۔

دوپہر کے قریب چمکتے دن کے ساتھ دونوں کی بھوک بھی چمک اٹھی۔ انہوں نے فیصلہ کیا کہ وہ باہر جا کر کسی ریستوران میں لنچ کریں گے اور پھر واپس ہوٹل آجائیں گے۔

وہ نہا دھو کر تازہ دم ہو کر اپنے کمرے سے نیچے آئے تو استقبالیہ کلرک نے آگے بڑھ کر کترینا کے ہاتھ میں ایک لفافہ تھما دیا۔

کترینا نے وہیں کھڑے کھڑے لفافہ کھولا تو اس میں وزارت دفاع کے بیرونی امور کے دفتر کی طرف سے لکھا گیا ایک خط تھا۔

وزارتِ دفاع کے بیرونی امور کے دفتر کی طرف سے کہا گیا تھا کہ انہیں افغانستان میں فوری طور پر کترینا کی خدمات کی ضرورت ہے۔ اس لیے وہ جلد سے جلد وزارتِ دفاع میں بیرونی امور کے دفتر سے رابطہ کرے۔

کترینا کو روسی کے علاوہ، انگریزی، پشتو اور دری زبانوں پر بھی مکمل دسترس حاصل تھی۔ ہائی سکول سے فارغ ہونے تک اس نے روسی زبان کے علاوہ ان زبانوں میں بھی خاصی مہارت حاصل کر لی تھی۔

وزارتِ دفاع کے بیرونی امور کے دفتر کا خط دیکھ کر وہ سوچ میں پڑ گئی۔ اسے محسوس ہوا کہ اسے فوری طور پر ان کے افغانستان میں کسی منصوبے پر ان کی مدد کرنی ہو گی۔

اس نے خط لپیٹ کر اپنی پینٹ کی عقبی جیب میں رکھا۔ آغا عاطف نے اس کو چند لمحوں کے لیے سوچ میں ڈوبے دیکھا تو خط کے بارے میں سوال کیا۔

آغا کے جواب میں کترینا نے کہا کہ وزارت دفاع میں بیرونی امور کے آفس نے اس کو طلب کیا ہے۔ ان کو پتہ تھا کہ میں اس ہوٹل میں ہوں۔ صبح دروازے پر انہی کا کارندہ دستک دے رہا تھا۔

اگر صبح ہم دروازہ کھول دیتے تو میں اب تک ان کے دفتر میں بیٹھی ہوتی لیکن چونکہ وہ خط استقبالیہ ڈیسک پر چھوڑ گئے تھے اس لیے میں ایک آدھ دن کی تاخیر کر سکتی ہوں۔

پہلے خط پڑھ کو اکیلی کترینا سوچ میں ڈوبی تھی۔ اب خط کے مندرجات کے بارے میں جان کر آغا عاطف بھی سوچ میں ڈوب گیا۔

کترینا نے آغا کو سوچ میں ڈوبے دیکھا تو کہنے لگی: "آغا یہ روز کا معمول ہے۔ ریاست کو کسی شہری کی خدمات کی ضرورت پڑ جائے تو اسے سب کچھ چھوڑ کر پہلے ریاست کا کام کرنا پڑتا ہے۔"

آغا نے کترینا کی بات سن کر کانپتے ہونٹوں کے ساتھ کہا کہ وہ اس کی جدائی برداشت نہیں کر سکے گا۔ اگر وہ میدان جنگ میں جائے گی تو وہ اس کے بغیر ماسکو میں زندہ رہنے کی بجائے اس کے ساتھ میدان جنگ میں جانے کو ترجیح دے گا۔

آغا کی بات سن کر کترینا نے محبت سے اس کا منہ چوم لیا اور پھر اسے تسلی دیتے ہوئے کہنے لگی: "اگر انہوں نے اسے میدان جنگ میں جانے کے لیے کہا تو وہ اسے ساتھ لے کر جائے گی۔ وہ بھی اب اس کے بغیر تنہا رہنے کا تصور نہیں کر سکتی۔"

انہی باتوں میں وہ دونوں ایک قریبی ریستوران میں پہنچ گئے۔ وہاں پہنچ کر انہوں نے کاونٹر پر فش، سلاد، اور واد کا کا آرڈر دیا اور پھر ایک میز پر جا کر بیٹھ گئے۔

چند لمحوں میں ان کا آرڈر تیار ہوا تو وہ کاونٹر سے اپنی ٹرے اُٹھالائے اور پھر دوبارہ اپنی میز پر بیٹھ کر لنچ کھانے لگے۔

ان کی نظریں مسلسل ایک دوسرے پر ٹکی ہوئی تھیں۔ کترینا آغاعاطف کو اور آغاعاطف کترینا کو دیکھ رہا تھا۔

دونوں محسوس کررہے تھے کہ گزشتہ رات کے بعد ان دونوں میں محبت کے بندھن کچھ اور مضبوط ہو گئے ہیں۔ ہوتے کیوں نہ، ان دونوں نے ایک دوسرے کو جسم اور روح کی گہرائیوں تک دریافت کرنے کے بعد مستقل اپنا بنالیا تھا۔

آغاعاطف نے لنچ کھاتے ہوئے کترینا کے ساتھ دوبارہ وزارت دفاع کے بیرونی امور سے آنے والے خط کا ذکر چھیڑ دیا۔

"کیا سوویت حکومت سب لوگوں کے بارے میں جانتی ہے کہ کون کیا کر سکتا ہے؟"

"ہاں، ایک حد تک۔" کترینا نے جواب دیا۔

"اپنے شہریوں کے بارے میں اتنی تفصیلی انفارمیشن رکھنے کا کیا فائدہ ہے۔" آغاعاطف نے پوچھا۔

"فائدہ یہ ہے کہ انہیں جب کسی اہم مسئلے پر کسی کی مدد کی ضرورت پڑتی ہے وہ فوراً متعلقہ فرد سے رابطہ قائم کرلیتے ہیں۔" کترینا نے جواب دیا۔

وہ دونوں انگلش میں گفتگو کررہے تھے۔ آغا چاہتا تھا کہ اب وہ انگلش کو خیرباد کہے اور روسی کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنائے۔ چنانچہ اس نے ٹوٹی پھوٹی روسی میں کترینا سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا:

"کترینا، اب تم میرے ساتھ صرف روسی میں گفتگو کیا کرو۔ چند دن تمہیں میری مدد کرنا پڑے گی اور پھر میں بھی تمہاری طرح روسی میں گفتگو کر سکوں گا۔"

"ضرور، ضرور، یہ بہت اچھا خیال ہے۔ اس سے زیادہ میرے لیے خوشی کی کیا بات ہو سکتی ہے کہ تم اور میں صرف روسی میں بات کریں۔" کترینا نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

" اور ہمارے بچے بھی۔۔۔" آغا عاطف نے جواب دیا۔

"ہش۔۔۔۔" کترینا نے پیار سے آغا عاطف کو شُشکار دیا۔

کترینا کی شُشکار سن کر آغا عاطف بے اختیار ہنس پڑا۔ پھر کہنے لگا: "لڑکیاں جب کسی کو اپنا بنا لیتی ہیں تو وہ اسے ایسے ہی شُشکارتی ہیں جیسے تم مجھے شُشکار رہی ہو۔"

کترینا کے چہرے پر بھی ماسکو کی دھوپ کی طرح مسکراہٹ پھیل گئی۔

"ہاں آغا، تم اب میری جان بن گئے ہو۔ تم اب میری زندگی کا حصہ بن گئے ہو۔"

"اور اب انعام میں تم مجھے پیارے پیارے سے بچے دو گی۔ میں ان بچوں کے ساتھ کھیلوں گا۔ ہم مل کر ان کی پرورش کریں گے۔"

کترینا نے ایک بار پھر آغا کو خشمگیں مگر پیار بھری نظروں سے دیکھا۔

آغا نے بھی محبت سے کترینا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا: "ہم نے شادی کی ہے تو بچے بھی تو پیدا کرنے ہیں۔ فیملی بھی تو بنانی ہے۔"

"ہاں میں بھی چاہتی ہوں کہ جلد سے جلد دو چار بچے پیدا کروں۔ سوویت انقلاب کو بچوں کی بہت ضرورت ہے۔" کترینا نے جواب دیا۔

انہی باتوں میں ان کا لنچ ختم ہوا۔ لیکن وہ تھوڑی دیر وہیں بیٹھے وادکا پیتے رہے۔ وادکا کی بوتل ختم ہوئی تو وہ ریستوران سے باہر نکل کر دوبارہ ہوٹل کے طرف روانہ ہوئے۔

آغا عاطف نے تجویز دی کہ ہوٹل جانے سے پہلے انہیں وزارت دفاع کے متعلقہ دفتر جانا چاہیے اور ان سے پوچھنا چاہیے کہ انہیں کترینا سے افغانستان میں کس قسم کی مدد درکار ہے۔

کترینا نے کہا کہ اس کے بھائی نکولائی نے ان کے لیے اس ہوٹل کا کمرہ تین دن کے لیے بُک کرا رکھا ہے۔ وہ تین دن یہاں گزاریں گے۔ اس کے بعد وزارتِ دفاع کے بیرونی امور کے دفتر جا کر پتہ کریں گے کہ ان کا مسئلہ کیا ہے۔

آغا عاطف کترینا کی بے نیازی دیکھ کر کچھ متعجب ہوا۔ پاکستان میں وزارت دفاع کو اگر کسی کی ضرورت ہوتی تو اب تک وہ رنگروٹ بھجوا کر اُسے اُٹھوا چکے ہوتے۔ لیکن کترینا کس آسانی کے ساتھ نوٹس ملنے کے باوجود تین دن تک انتظار کرنا چاہتی تھی۔

اس نے تو سنا تھا کہ سوویت یونین میں کے جی بی والے رات کی تاریکی میں آتے ہیں اور پھر بندہ غائب ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد کسی کو پتہ نہیں چلتا کہ جسے وہ اپنے ساتھ لے گئے تھے وہ کہاں چلا گیا ہے۔ جب اس کا پتہ چلتا ہے تو اس کی ہڈیاں کہیں سائبیریا میں کسی کیمپ میں گل سڑ چکی ہوتی ہیں۔

کترینا نے اسے سوچوں میں گم دیکھا تو کہنے لگی:

"آغا، تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ سوویت یونین میرا ملک ہے۔ میں اس کے طور طریقے سمجھتی ہوں۔ میں نہیں چاہتی کہ میرا خاوند شادی کے دوسرے دن میری وجہ سے پریشان ہو۔ اگلے دو دن صرف ہمارے لیے ہیں۔ میں اپنی اس خوشی میں کسی کو مداخلت کی اجازت نہیں دوں گی۔"

آغا عاطف کترینا کی بات سن کر بظاہر مطمئن ہو گیا لیکن اس کے دل میں ایک دھڑکا لگ گیا۔ وہ مسلسل سوچ رہا تھا کہ اگر کترینا کو افغانستان جانا پڑا تو کیا وہ اکیلی جائے گی یا اس کے خاوند کے طور پر وہ بھی اس کے ساتھ جا سکتا ہے؟ اگر وہ اکیلی گئی تو کب تک وہاں رہے گی اور اگر وہ دونوں وہاں گئے تو کب تک وہاں رہیں گے؟

افغانستان کے خیال سے اس کا ذہن دو رویہ ریلوے ٹریک بن گیا جس پر دونوں طرف سے آنے والی گاڑیاں پوری رفتار کے ساتھ گزر رہی تھیں۔

ابھی کل ہی اس کی شادی ہوئی ہے اور اس کی نو بیاہتا بیوی کو اگلے دن افغانستان جانے کی خبر سنا دی گئی ہے۔

اگر وہ دونوں بھی جاتے ہیں تو افغانستان ہنی مون کے لیے کوئی آئیڈیل ملک نہیں۔ کترینا بھی دل کی گہرائیوں میں اس صورت حال سے خوش نہیں تھی لیکن اس نے اپنی ناخوشی کا اظہار آغا پر نہ ہونے دیا وہ مسلسل اس کی دلداری کرتی رہی۔

آخر انہوں نے فیصلہ کیا کہ وہ اپنے حال پر مستقبل کو اثر انداز نہیں ہونے دیں گے۔ وہ پیدل چلتے واپس ہوٹل پہنچے اور پھر وقتی طور پر سب کچھ بھول کر ایک دوسرے کی باہوں میں کھو گئے۔

فصل 14

تین دن ایک خوشگور خواب کی طرح گزر گئے۔ لیکن ان تین دنوں کا نشہ آغا عاطف اور کترینا کے انگ انگ میں بھر گیا تھا۔ وہ ایک دوسرے کی قربت سے اس طرح نکھر گئے تھے جیسے شبنم کے قطروں سے پھول نکھر جاتے ہیں۔

انہوں نے ہوٹل کو خیر باد کہا اور ٹیکسی میں بیٹھ کر ڈرائیور کو وزارت دفاع کے بیرونی امور کے دفتر چلنے کے لئے کہا۔

کترینا نے ہوٹل چھوڑنے سے پہلے آغا کو سمجھا دیا تھا کہ وہ اپنے اسٹوڈیو کے علاوہ کسی جگہ سوویت یونین کے کسی دفتری معاملے کے بارے میں کوئی بات نہ کرے۔

آغا نے کترینا کی بات پلے باندھ لی تھی۔ چنانچہ ٹیکسی میں بیٹھتے ہی اس نے کترینا کے ساتھ پاکستان کے بارے باتیں شروع کر دیں۔ وہ اسے بتا رہا تھا کہ پاکستان میں اس کی فیملی ان کی شادی پر کتنی خوش ہے۔ اس نے اسے بتایا کہ اس کی فیملی کس طرح اس کی شادی میں شمولیت کے لیے بضد تھی لیکن وقت کی کمی کی وجہ سے ان کے لیے ماسکو آنا ممکن نہ ہو سکا۔

اس نے اسے بتایا کہ اس کا باپ، ماں، بھائی اور بہن سب ماسکو آنا چاہتے تھے۔ لیکن جب اس نے انہیں بتایا کہ سوویت یونین میں پاکستان کی طرح لڑکا اور لڑکے کی فیملی کوئی بارات لے کر لڑکی کے گھر نہیں جاتے تو انہیں قدرے مایوسی ہوئی۔ پھر وہ اسے پاکستان میں شادی کی تفصیلات بتانے لگا کہ کیسے لڑکی اور لڑکے کے والدین بغیر لڑکی لڑکے کی ملاقات ایک دوسرے کا رشتہ طے کرتے ہیں، پھر کس طرح ان کی شادی طے ہوتی ہے، پھر شادی کے باقی مراحل کس طرح تکمیل پذیر ہوتے ہیں۔ کس طرح لڑکے والے لڑکی کے گھر بارات لے کر جاتے ہیں۔ کس طرح لڑکی دلہن بن کر لڑکے کے گھر جاتی ہے اور بعد میں لڑکا اور لڑکی کن رسموں سے گزرتے ہیں۔

کترینا پوری دلچسپی سے آغا عاطف سے پاکستان میں لڑکی لڑکے کی شادی کی تفصیلات سن رہی تھی۔ وہ متعجب تھی کہ کس طرح ایک لڑکی اور لڑکا بغیر ایک دوسرے سے ملے رشتہ ازدواج میں منسلک ہو جاتے ہیں۔

لیکن جب آغا نے اسے بتایا کہ اب یہ رسمیں تبدیل ہو رہی ہیں اور عام طور پر اب پاکستانی لڑکے اور لڑکیاں خود ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں اور بعد میں اپنے والدین کو شادی کے اس عمل کا حصہ بناتے ہیں تو کترینا نے سکون کا سانس لیا اور کہا:

"یہ قدرے بہتر صورت حال ہے۔ لڑکے لڑکی کو شادی سے پہلے ایک دوسرے کو ضرور جاننا چاہیے۔"

پھر وہ اس سے اس کی فیملی کے بارے میں پوچھنا شروع ہو گئی۔ لیکن اس کے استفسار میں وہ اشتیاق نہیں تھا جو ایسے معاشرے کے لوگوں میں ہوتا ہے جہاں خاندانی نظام بہت طاقتور ہے۔ جہاں خاندان ہی فرد کے لیے سب کچھ ہوتا ہے۔

آغا عاطف نے اسے اپنے باپ، ماں، بھائیوں اور بہن کے بارے میں تفصیل کے ساتھ بتایا کہ کون ان میں سے کون ہے اور کون کیا کرتا ہے تو اس کی ان کے بارے میں دلچسپی میں قدرے اضافہ ہوا۔ لیکن وہ ہر بات پر کہتی رہی کہ انقلاب سے پہلے روس میں بھی ایسے ہی ہوتا تھا لیکن انقلاب کے بعد سوویت یونین میں سب کچھ بدل گیا۔ سب فرسودہ رسمیں ختم کر دی گئیں اور عام آدمی ان کے بوجھ سے آزاد ہو گیا۔

انہی باتوں میں ٹیکسی وزارتِ دفاع کے دفتر کے سامنے جا کر رکی تو کترینا اور آغا ٹیکسی سے اتر کر دفتر کے اندر چلے گئے۔ کترینا نے دروازے پر کھڑے نگران کو خط دکھایا تو اس نے استفہامیہ انداز میں آغا عاطف کی طرف دیکھا۔ کترینا نے نگران کو بتایا کہ وہ اس کا خاوند ہے۔ تین دن پہلے ان کی شادی ہوئی ہے۔ نگران نے دونوں کی بیرونی امور کے دفتر کی طرف راہنمائی کی۔ کترینا نے کہا کہ وہ پہلے بھی اس دفتر میں کئی بار آ چکی ہے۔

کترینا نے آغا عاطف کو ویٹنگ روم میں بٹھایا اور خود متعلقہ اہلکار کے دفتر میں چلی گئی۔ بیرونی امور کے اہلکار نے کترینا کو انتہائی گرم جوشی سے خوش آمدید کہا۔

پھر اس نے کترینا کو بتایا۔۔"افغانستان میں صورت حال انقلاب کی طرف بڑھ رہی ہے۔ چند سال قبل داؤد نے شاہ کا تختہ الٹ کر افغانستان پر قبضہ کرکے اسے ریپبلک اور خود کو صدر ڈکلیئر کیا تھا تو سوویت یونین نے اس تبدیلی کو خوش آمدید کہا تھا۔

برسر اقتدار آکر اس نے سوویت یونین سے درخواست کی تھی کہ ہم پاکستان اور ایران کے فوجی عزائم کی وجہ سے افواجِ افغانستان کی استعداد کو بہتر بنانے میں اس کی مدد کریں۔ سوویت یونین نے گزشتہ چند برسوں میں اس کی بھرپور اعانت کی۔ نہ صرف اس کی فوج کو از سر نو ٹرینڈ کیا بلکہ انہیں جدید ترین اسلحہ سے لیس کیا تاکہ بوقت ضرورت وہ پاکستانی اور ایرانی افواج کے مقابلے میں افغانستان کے مفادات کا تحفظ کرسکیں۔

اس کی معیشت بہتر بنانے کے لیے اسے ہر طرح کی امداد فراہم کی۔ لیکن بدقسمتی سے پاکستان کے ذوالفقار علی بھٹو نے چند سال قبل چند نوجوان افغانی طالب علم اغوا کرلیے تھے جن کو استعمال کرتے ہوئے اس نے داؤد پر دباؤ ڈالا کہ وہ سوویت یونین کی بجائے اسلامی اور مغربی دنیا کے ساتھ زیادہ قریبی تعلقات قائم کرے۔

ہماری لیڈرشپ محسوس کرتی ہے کہ داؤد کے اسلامی اور مغربی دنیا کے ساتھ بڑھتے ہوئے تعلقات سوویت یونین کے مفادات کے خلاف ہیں۔ بھٹو امریکی ایجنٹ ہے۔ اس نے یہ سب کچھ امریکہ کے ایما پر کیا ہے۔ افغانستان میں ہمارے حلیف بھی ایسا ہی محسوس کرتے ہیں۔ خلق اور پرچم والے اگرچہ آپس میں لڑتے رہتے ہیں لیکن وہ چاہتے ہیں کہ داؤد سے جان چھڑائی جائے اور افغانستان میں انقلابی حکومت قائم کی جائے۔"

کترینا اب تک خاموش بیٹھی سرکاری اہلکار کی گفتگو سن رہی تھی۔ آخر اس نے اس اہلکار سے پوچھا کہ۔۔۔" وہ اس صورت حال میں کیسے مدد کر سکتی ہے۔"

سرکاری اہلکار نے کترینا کا سوال سنا تو ایک ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے بولا:

"ہماری لیڈر شپ نہیں چاہتی کہ افغانستان میں فی الحال انقلابی حکومت قائم ہو۔ افغانستان ابھی انقلاب کے لیے تیار نہیں۔ لیکن ہم داؤد کو فری ہینڈ بھی نہیں دے سکتے۔ تم پشتو اور دری جانتی ہو۔ سوویت یونین کا مفاد اس میں ہے کہ خلق اور پرچم اکٹھے ہو جائیں اور داؤد کو اسلامی اور مغربی دنیا کی طرف جانے سے روکیں۔

سویت لیڈر شپ کا خیال ہے کہ تم سے بہتر کوئی یہ کام نہیں کر سکتا۔ جب تمہارا نام ان کے سامنے آیا تھا وہ نہیں جانتے تھے کہ تم شادی کرنے جا رہی ہو۔ وہ سمجھتے ہیں کہ تم جسمانی اور ذہنی طور پر اس قابل ہو کہ یہ فریضہ سر انجام دے سکو۔"

"لیکن میں نے سنا ہے کہ بھٹو سے امریکی اب ناخوش ہیں اور اس سے جان چھڑانا چاہتے ہیں۔" کترینا نے پوچھا۔

"ہاں۔ تم نے ٹھیک سنا ہے۔ امریکی کسی سے مستقل خوش نہیں رہتے۔ یہی بات افغانستان کے داؤد کو سمجھ نہیں آتی۔ وہ تیزی کے ساتھ ایسے اقدامات کر رہا ہے کہ امریکی اس کی طرف پُر امید نظروں سے دیکھنا شروع ہو گئے ہیں۔"

"پر کامریڈ اگر خلق یا پرچم مل کر یا ان میں سے کوئی ایک اپنے طور پر داؤد کو فارغ کر دیتا ہے تو کیا سوویت یونین بہتر پوزیشن میں نہیں آجائے گا؟"

"بلاشبہ۔ لیکن یہ ایک وقتی فائدہ ہو گا۔ اگر افغانستان میں انقلاب آیا تو ہمیں ہر دو صورتوں میں انقلاب کی حفاظت کرنا پڑے گی۔ پاکستانی فوج کبھی اس صورت کو ٹھنڈے پیٹوں برداشت نہیں کرے گی۔ چنانچہ پاکستان اور افغانستان بارڈر پر ایک ایسا جھگڑا شروع ہو جائے گا جو اس خطے کے کسی ملک کے مفاد میں

نہیں۔ اور پھر ہم نہیں چاہتے کہ سوویت افواج سوویت یونین سے باہر کسی دوسرے ملک میں جا کر کسی تیسرے ملک کے خلاف جنگ لڑیں۔"

کترینا نے اہلکار کی بات سن کر کہا: " ٹھیک ہے وہ افغانستان جانے کے لیے تیار ہے۔ لیکن اس کا خاوند اس کے ساتھ جائے گا۔ اور وہ بھی سرکاری اہلکار کے طور پر۔ اسے وہ تمام حقوق حاصل ہوں گے جو مجھے ہوں گے۔"

سرکاری اہلکار نے کترینا کا مطالبہ سنا تو کہنے لگا وہ اس کے خاوند سے ملنا پسند کرے گا۔ وہ سرکاری اہلکار سے معذرت کر کے وزٹرز روم میں گئی اور آغا عاطف کو بلا لائی۔

سرکاری اہلکار نے گرم جوشی کے ساتھ آغا عاطف سے ہاتھ ملایا اور اسے اپنے دفتر میں خوش آمدید کہا۔ پہلے ہنستے ہوئے اس نے آغا عاطف کو کترینا سے شادی کی مبارک باد دی اور پھر کہنے لگا کہ وہ دیکھنے میں بالکل روسی لگتا ہے۔ ویسا ہی قد ویسے ہی کٹیلے نقش اور ویسا ہی رنگ۔

آغا عاطف نے بھی مسکراتے ہوئے اسے "دھا، دھا" کہہ کر "ہاں، ہاں" میں سر ہلایا تو سرکاری اہل کار کہنے لگا کہیں اس کے آباواجداد روس سے تو پاکستان نہیں گئے تھے؟

کترینا نے فوراً مداخلت کرتے ہوئے کہا کہ آغا عاطف کو ابھی اتنی روسی نہیں آتی کہ وہ اس کی بات سمجھ سکے۔ لہذا بہتر ہو گا وہ اس سے گفتگو میں احتیاط برتے۔

کترینا کی بات سن کر سرکاری اہلکار نے کہا کہ وہ اگلے چند دن میں متعلقہ اہل کاروں سے اجازت لیکر کترینا سے رابطہ کرے گا۔ اگر وہ تیار ہو گئے تو پھر اسے اور آغا عاطف کو افغانستان میں ضروری امور کی چند دن کی ٹریننگ دی جائے گی اور پھر تم دونوں افغانستان جانے کے لیے تیار ہو جاؤ گے۔

کترینا اور آغا عاطف نے سرکاری اہل کار کو دس ودانیا کہا اور اس سے ہاتھ ملا کر اس کے دفتر سے باہر نکل گئے۔ اس نے جس گرم جوشی کے ساتھ انہیں خوش آمدید کہا تھا اسی گرم جوشی کے ساتھ دس ودانیا کہہ کر رخصت کیا۔

آغا عاطف خوش تھا کہ اس کے کترینا کے ساتھ افغانستان جانے کے امکانات روشن ہیں۔ اس نے دفتر سے نکلتے ہی کترینا کی کمر پر ہاتھ رکھ کر اسے اپنے ساتھ بھینچا اور پھر بے اختیار اس کا منہ چوم لیا۔ وہ دونوں خوش تھے کہ افغانستان جائیں گے تو ایک ساتھ۔ وہ دونوں افغانستان میں ہنی مون منانے کے تصور سے جھوم اٹھے۔

فصل 15

وزارت دفاع کے بیرونی امور کے دفتر سے نکل کر کترینا اور آغا عاطف نے میٹرو پکڑی اور سیدھے اپنے اسٹوڈیو پہنچے۔ ان کا اسٹوڈیو کئی دن سے بند تھا۔

انہوں نے اسٹوڈیو کا دروازہ کھولا تو دروازے کے اندر کرپال سنگھ کا خط پڑا تھا۔ اس نے خط روسی میں کترینا اور آغا کے نام لکھا تھا۔ وہ ان دونوں کی گمشدگی پر متفکر تھا۔ اس نے لکھا تھا کہ ساچن اور سپیتمی بھی ان کی گمشدگی پر متفکر ہیں۔ کیونکہ جس دن انہوں نے کرپال سنگھ کے اسٹوڈیو سے آغا عاطف کا سامان اُٹھایا تھا اس کے بعد نہ کترینا دکھائی دی نہ آغا عاطف۔ دونوں یونیورسٹی بھی نہیں آرہے تھے۔ کترینا نے کرپال سنگھ کا خط پڑھا تو کہنے لگی کہ " یہ انڈین پاکستانی بھی عجیب لوگ ہیں۔ انڈیا پاکستان میں لڑتے رہتے ہیں لیکن باہر کسی اور ملک میں ہوں تو اس طرح اکٹھے ہو جاتے ہیں جیسے ایک دوسرے کے رشتہ دار ہوں۔"

آغا عاطف نے کرپال سنگھ کا خط کترینا کے ہاتھ سے پکڑ کر ایک طرف رکھا اور پھر اس کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں پکڑ کر کہنے لگا:

"کترینا جان، مجھے شادی سے پہلے اور ریسپشن میں تمہاری فیملی سے مل کر بہت خوشی ہوئی تھی۔ مجھے تمہاری دادی ایلونا، تمہارا ابو الیکسی، تمہاری ماں ساشا اور تمہارا بھائی نکولائی سب بہت اچھے لگے تھے۔ تمہارے بھائی نکولائی کا میں خاص طور پر بہت ممنون ہوں۔ اس کی وجہ سے ہمارے تین دن بہت اچھی جگہ پر گزرے۔ ریسپشن میں نکولائی اور ایلونا نے تمہارے بچپن کے بارے میں جو باتیں بتائیں انہیں سن کر مجھے لگا میں تمہیں بچپن سے جانتا ہوں۔ اور تم میری آنکھوں کے سامنے پروان چڑھی ہو۔ خاص طور پر ایلونا نے تمہارے بچپن کا جو قصہ سنایا تھا کہ کس طرح تم نے آئینے میں اپنے ہی عکس کو اپنے ساتھ پری سکول لے جانے کی ضد کی تھی مجھے بہت اچھا لگا۔ سب سے بڑھ کر خاص طور پر مجھے تمہاری دادی ایلونا

بہت اچھی لگی۔ میری روسی ٹھیک ہو جائے تو میں اس کے ساتھ زیادہ وقت گزارنا چاہتا ہوں۔ میں اس سے انقلاب سے پہلے، انقلاب کے دوران اور انقلاب کے بعد کے تجربات کی کہانی سننا چاہتا ہوں۔"

کترینا نے آغا عاطف کی گفتگو سن کر کہا: "میں نہیں سمجھتی تھی کہ تم اتنی روسی سمجھتے ہو کہ تمہیں میری دادی کے سنائے قصے کی مکمل طور پر سمجھ آئی ہو گی۔ لیکن جو تفصیل تم بتا رہے ہو اس سے لگتا ہے کہ تم اب روسی بڑی حد تک سمجھتے ہو۔ اب صرف تم بولنے اور لکھنے میں دشواری محسوس کرتے ہو۔ میرا خیال ہے کہ تم بہت جلد الیونا سے وہ سب کہانیاں سن سکو گے۔ وہ ہمیں انقلاب سے پہلے کی کہانیاں سنانا چاہتی ہے تو ہم بات کا رخ موڑ دیتے ہیں۔ اسے یقیناً ایک اچھے سامع کی ضرورت ہے جو اس کی کہانیاں سن سکے۔ جب وہ تمہارے سوال سنے گی تو وہ تم سے محبت کرنے لگے گی۔"

کترینا کا جواب سن کر آغا عاطف نے اسے بازوؤں میں بھینچ لیا۔ وہ بھی ایک گڑیا کی طرح اس کے بازوؤں میں سمٹ گئی۔ اسے آغا عاطف کا یہ اندازِ محبت بہت اچھا لگتا تھا۔

پھر اس نے آغا عاطف کی توجہ کرپال سنگھ کے خط کی طرف دلاتے ہوئے کہا۔۔۔"کیا وہ کرپال سنگھ سے ملنا پسند نہیں کرتا۔ وہ ہم دونوں کے بارے میں متفکر ہے۔ ہمیں اس سے ملنا چاہیے۔"

کترینا کے کہنے پر آغا عاطف کرپال سنگھ کے اسٹوڈیو جانے کے لئے تیار ہو گیا۔ دراصل وہ کرپال سنگھ سے تھوڑا شرمسار تھا۔ کرپال سنگھ نے اسے اس وقت اپنے پاس رہنے کے لیے جگہ دی تھی جب وہ ماسکو میں کسی کو نہیں جانتا تھا۔ لیکن جس تیزی کے ساتھ اس کے معاملات کترینا کے ساتھ آگے بڑھے اسے موقع ہی نہ ملا کہ وہ کرپال سنگھ کو ان کی تفصیلات سے آگاہ رکھتا یا اسے شادی کی ریسپشن میں شرکت کی دعوت دیتا۔

ریسپشن کی دعوت نہ دینے کی ایک اور وجہ بھی تھی۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ روسیوں کی شادی کی دعوتوں میں کیا ہوتا ہے۔ چنانچہ وہ خود کو درپیش آنے والی کسی صورت حال سے کرپال سنگھ کے سامنے خفت میں نہیں ڈالنا چاہتا تھا۔

کرپال سنگھ کا اسٹوڈیو کترینا کے اسٹوڈیو سے زیادہ دور نہیں تھا۔ کترینا کے کہنے پر وہ دونوں اپنے اسٹوڈیو سے نکل کر کرپال سنگھ کے اسٹوڈیو جا پہنچے۔

آغا عاطف نے کرپال سنگھ کے اسٹوڈیو کا دروازہ کھٹکھٹایا تو کترینا اس کے پہلو میں کھڑی تھی۔ اس کے انداز سے لگ رہا تھا کہ وہ اب محض اس کی دوست نہیں بلکہ دوست سے کچھ زیادہ ہے۔

کرپال سنگھ نے دستک کے بعد دروازہ کھولا تو وہ آغا کو دیکھتے ہی اس کے گلے لگ گیا۔

"اوئے آگا تو کہاں گائب ہو گیا تھا۔ اتنے دنوں سے نہ تمہارا کچھ پتہ تھا نہ کترینا کا۔ ساجن اور سپیتمی بھی تمہیں ڈھونڈ رہے تھے۔" ابھی وہ دروازے پر کھڑے تھے کہ ادھر سے ساجن اور سپیتمی بھی آتے دکھائی دیئے۔ وہ بھی کرپال سنگھ سے ملنے آ رہے تھے۔

ساجن اور سپیتمی بھی آغا عاطف اور کترینا کو دیکھ کر سشدر رہ گئے۔ اس نے بھی کرپال سنگھ کی طرح شکایت کی۔

آغا نے ان کی گفتگو سنی تو ہنستے ہوئے کہنے لگا۔۔۔ "ابھی تم غائب ہونے کا سبب سنو گے تو میری تکہ بوٹی کر دو گے۔ لیکن خیال رہے میری بیوی ساتھ ہے۔"

اس کے ایک جملے نے اس کی غائب ہونے کی ساری کہانی کہہ دی۔ بیوی کے لفظ سے سب نے چونک کر اس کی طرف دیکھا اور پھر سوالیہ انداز میں ایک ساتھ سب کے منہ سے نکلا:

"بیوی۔"

"ہاں بیوی۔" آغا نے ہلکے سے تفاخرانہ انداز کے ساتھ جواب دیا۔ "کب، کیسے، کہاں۔ اور پھر انہیں شادی میں کیوں نہیں بلایا گیا؟"

آغا نے ان سب کا سوال تحمل سے سنا اور پھر کہنے لگا۔۔۔۔ " وہ ان سب سے معذرت چاہتا ہے۔ یہ سب اتنی تیزی کے ساتھ اور ایسے انداز میں ہوا کہ وہ ان میں سے کسی کو اطلاع نہیں دے سکا۔"

"اُوئے آگا۔"

"آگا نہیں آغا۔" آغا نے اس کی تصحیح کی۔

"چل یار آگا نہیں آگا ہی سہی۔ اگر تو ہمیں بتاتا تو قسم واہے گرو کی تمہاری شادی میں ایسا بھنگڑا ڈالتا سارے ماسکو میں دھوم مچ جاتی۔" پھر کترینا سے شکائتی انداز میں بولا۔۔۔"بھابی یہ مجھے بھول گیا تھا تم نے بھی اسے یاد نہیں دلایا۔"

کترینا نے مسکراتے ہوئے جواب دیا کہ۔۔۔"آغا ٹھیک کہہ رہا ہے۔ ہم نے یہ مراحل اتنی تیزی سے طے کئے کہ کسی کو دعوت نہ دے سکے۔ یہاں تک کے میرے بچپن کے دوستوں کو بھی میری ماں ساشا نے شادی کی اطلاع دی۔"

کترینا کا جواب سن کر سب مطمئن ہو گئے۔ کرپال نے سب کو مخاطب ہو کر کہا۔۔"اندر بھی آؤ گے کہ باہر ہی کھڑے رہو گے؟"

کرپال کا فرمان سن کر وہ سب اسٹوڈیو کے اندر داخل ہو گئے۔ کرپال نے اسٹوڈیو کا دروازہ بند کیا پھر کہنے لگا۔۔۔"شادی پر تو جو ہوا سو ہوا لیکن ہم آگا کی شادی کی پارٹی ضرور کریں گے، یہیں کریں گے اور ابھی کریں گے۔"

سب نے اس آئیڈیا سے اتفاق کیا۔ کرپال سنگھ نے پہلے روسی شمپین کی بوتل کھولی اور پھر پنجابی میوزک کی ٹیپ کیسٹ پلیئر میں ڈال کر اسے آن کر دیا۔

میوزک آن ہوتے ہی خود بخود ان کے جسم اور پاؤں تھر کنا شروع ہو گئے۔ وہ پانچوں گاہے گاہے گلاسوں میں شمپین پیتے اور ساتھ ساتھ ڈانس کرتے رہے۔

وہ کافی دیر تک پنجابی میوزک پر ڈانس کرتے رہے۔ پھر کترینا کی وجہ سے انہوں روسی میوزک کی کیسٹ، کیسٹ پلیر میں ڈال کر آن کر دی۔ روسی میوزک آن ہوتے ہی کترینا نے آغا کی باہوں میں باہیں ڈالیں اور کئی روز پہلے اس نے اسے جو ڈانس کے سٹیپ سکھائے تھے اسی انداز میں وہاں ڈانس شروع کر دیا۔

کرپال، ساچن اور سپیتمی ایک طرف ہٹ کر بیٹھ گئے اور کترینا اور آغا کا ڈانس دیکھنے لگے۔ کرپال نے آغا کے پرفیکٹ اسٹپ دیکھ کر پھر اسے داد دی۔۔۔ "اوئے آگا، تم نے تو کمال کر دیا ہے۔ تم تو پکے روسی ہو گئے ہو۔"

اس طرح رقص و موسیقی میں شام ڈھل گئی اور رات کی سیاہ چادر نے رفتہ رفتہ ماسکو کو اپنے دامن میں ڈھانپنا شروع کر دیا۔

کرپال نے چولہے پر بکرے کا گوشت پکنے کے لئے رکھ دیا۔ پھر کہنے لگا۔۔۔" پہلے آپ نے پنجابی میوزک سنا تھا اب میں آپ کو ڈنر میں پنجابی اسٹائل میں پکا کر بکرے کا گوشت کھلاؤں گا۔

کترینا نے ہاتھ بڑھا کر کیسٹ پلیر آف کر دیا اور پھر کہنے لگی۔۔۔۔" کرپال اکیلا کھانا نہیں بنائے گا۔ ہم سب اس کی مدد کریں گے۔"

سب نے کترینا کا آئیڈیا پسند کیا۔ سپیتمی اور ساچن نے ڈنر کے لیئے سلاد بنانا شروع کر دیا۔ وہ جب تک کھانا بناتے رہے۔ ساتھ ساتھ ایک دوسرے کو جوک سناتے رہے۔

کرپال سنگھ کا چھوٹا سا اسٹوڈیو رات گئے اس وقت تک قہقہوں سے گونجتا رہا جب تک وہ کھانا کھا کر سب واپس اپنے اسٹوڈیوز جانے کے لیے تیار نہ ہو گئے۔

رخصت ہوتے ہوئے آغا نے سب کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ ہو سکتا ہے اسے اور کترینا کو چند دنوں کے لیے ماسکو سے باہر جانا پڑے۔ اس لیے اگر وہ دونوں اچانک غائب ہو جائیں تو وہ پریشان یا ان کے بارے میں متفکر نہ ہوں۔

آغا کا اعلان سن کر سب نے ان کی منزل کے بارے میں جاننے کی کوشش کی لیکن اس نے انہیں افغانستان میں اپنی اور کترینا کی متوقع پوسٹنگ کے بارے میں بتانے سے گریز کیا۔

پھر سب نے ایک دوسرے کو دس ودانیا کہا اور اپنے اپنے اسٹوڈیوز کی طرف چل دیئے۔

فصل 16

ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑنے کے بعد کترینا اور آغا عاطف کی زندگیاں بدل گئی تھیں۔ کترینا اب اکیلی لڑکی نہیں تھی اور نہ آغا عاطف تنہا لا ابالی نوجوان۔ اب کترینا کی زندگی آغا عاطف سے اور آغا عاطف کی زندگی کترینا سے جُڑی تھی۔

لیکن سوویت یونین میں شادی کے ذریعے مرد اور عورت کی یونین کا وہ مطلب نہیں تھا جو دقیانوسی سماجوں میں تھا۔ خاص طور پر پاکستان کا سماج، جہاں سے آغا عاطف آیا تھا، عورت دشمن سماج تھا۔

پاکستان میں عورت غلامی کی ایسی مرئی اور غیر مرئی زنجیروں میں جکڑی تھی کہ کوئی اس کی زنجیریں گنوانا چاہے تو گنوا نہ سکے اور اگر انہیں ایک دوسرے سے الگ کرنا چاہے تو الگ نہ کر سکے۔

کہاں سے معاشرتی زنجیریں شروع ہوتی تھیں اور کہاں ختم اس کا کسی کو اندازہ نہیں تھا۔ کہاں سے معاشی زنجیریں شروع ہوتی تھیں اور کہاں ختم اس کا بھی کسی کو اندازہ نہیں تھا۔ اور کہاں سے اللہ اور رسول ان زنجیروں کی تالہ بندی کرتے تھے اور کیوں اس کا بھی کسی کو پتہ نہیں تھا۔

کترینا دل و جان سے آغا عاطف سے محبت کرتی تھی۔ لیکن اس محبت میں وہ زنجیریں شامل نہیں تھیں جن کا پاکستانی عورت کو سامنا تھا۔ آغا عاطف کو اس کا بخوبی اندازہ تھا۔ چنانچہ کترینا اور آغا عاطف کی محبت ایک قسم کی شراکت داری تھی۔ جس میں انس تھا، پیار تھا، لیکن غلامی کی کوئی زنجیر شامل نہیں تھی۔ نہ کترینا کے لیے نہ آغا عاطف کے لیے۔

شاید یہی وجہ تھی کہ کترینا اور آغا عاطف کی محبت ایک ایسے رشتے میں ڈھل گئی جس میں نہ کسی کا ہاتھ اونچا تھا نہ نیچا، نہ کسی کو کسی دوسرے پر سبقت حاصل تھی۔

چنانچہ شادی کے فوراً بعد ان کی زندگیوں میں ایک ایسی روٹین آنے لگی تھی جس میں وہ پارٹنر کی طرح ایک دوسرے کے قدم کے ساتھ قدم ملا کر چلنے لگے تھے۔

کئی دن گزر جانے کے بعد بھی وزارت دفاع کے بیرونی امور کے دفتر نے ان سے رابطہ نہیں کیا تھا۔ آغا عاطف کا خیال تھا کہ کابل جانے سے ان کی جان چھوٹ گئی ہے اور وہ ماسکو میں اپنے شب و روز پلان کر سکتے ہیں۔ لیکن کترینا کا خیال تھا کہ وزارت دفاع کو کوئی ہنگامی صورت حال در پیش نہیں اس لیے وہ اپنا وقت لے رہے ہیں اور جیسے ہی وہ اندرونی معاملات طے کر لیں گے وہ ان سے ضرور رابطہ کریں گے۔

آغا عاطف اور کترینا پارک کی ٹریل پر ایک ساتھ دوڑ رہے تھے۔ شادی کے معاملات سے فراغت کے بعد یہ پہلا دن کہ وہ پارک میں ورزش کی غرض سے دوڑنے کے لیے آئے تھے۔

آغا نے دوڑتے ہوئے کہا کہ "اگر ممکن ہو تو وہ الیونا سے ملنا چاہتا ہے۔"

"الیونا سارا دن گھر رہتی ہے، تم جب چاہو اسے جا کر مل سکتے ہو۔ اسے تمہارے ساتھ وقت گزار کر یقیناً خوشی ہو گی۔" کترینا نے دوڑتے دوڑتے جواب دیا۔

"اگر تم نے کچھ اور نہیں کرنا تو آج ہم الیونا سے ملنے جائیں گے۔" آغا نے کترینا کے ساتھ قدم ملاتے ہوئے کہا۔

"آج میں یونیورسٹی جانے کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ لیکن جہاں اتنے دن مس ہوئے ہیں وہاں ایک دن اور سہی۔ ہم اسٹوڈیو واپس جا کر شاور لیں گے، ناشتہ کریں گے اور پھر الیونا سے ملنے چلیں گے۔"

آغا عاطف نے دوڑتے دوڑے کترینا زندہ باد کا نعرہ لگایا۔ کترینا نے حیرت سے آغا عاطف کی طرف دیکھا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔ آغا نے اپنی ٹوٹی پھوٹی روسی میں کترینا زندہ باد کی وضاحت کی تو وہ دوڑتے دوڑتے ہنسنا شروع ہو گئی۔ اتنا ہنسی کہ اس کے لیے دوڑنا مشکل ہو گیا۔ چنانچہ وہ رک گئی۔ وہ رکی تو آغا عاطف بھی رک گیا۔

ٹریل کے ساتھ ہی ایک بنچ تھا۔ وہ دونوں بنچ پر بیٹھ گئے۔ دوڑنے کی وجہ سے ان کے جسم گرم ہو رہے تھے۔

آغا عاطف نے کترینا کو اپنے قریب کھینچ لیا۔ وہ اس کے ساتھ اس طرح سمٹ کر بیٹھ گئی کہ ایک دوسرے کے وجود کی حرارت ایک دوسرے کو محسوس ہونے لگی۔

آغا عاطف نے کترینا سے پوچھا کہ اگر اسے اکیلے افغانستان جانا پڑا تو وہ کیا کرے گی۔

"میں پوری کوشش کروں گی کہ میں افغانستان نہ جاؤں لیکن اگر وزارت دفاع کے بیرونی امور کے دفتر نے ارادہ کر لیا کہ میرا جانا ضروری ہے تو پھر جانے کے سوا کوئی چارہ کار نہیں ہو گا۔"

کترینا کا جواب سن کر آغا عاطف کا دل ڈوب گیا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے۔ وہ بھرائی ہوئی آواز میں کہنے لگا:

"کترینا اب آغا تمہارے بغیر نہیں جی پائے گا۔ اگر تم اکیلی افغانستان چلی گئی تو میرے لیے ماسکو میں تمہارے بغیر زندہ رہنا مشکل ہو جائے گا۔ مجھے قدم قدم پر تمہاری یادیں ستائیں گی۔ تمہارے ساتھ گزارے لمحے یاد آئیں گے۔ میں کبھی اس ٹریل پر اکیلا نہیں آسکوں گا۔ یہ راستے مجھ سے تمہارے بارے میں سوال کریں گے تو میں انہیں کیا جواب دوں گا؟"

آغا کی باتیں سن کر کترینا بھی جذباتی ہو گئی۔ اس نے آغا کو اپنے بازوؤں میں سمیٹ لیا اور اس پر بوسوں کی بارش کر دی۔ آغا عاطف نے بھی بازو اس کی گردن میں حمائل کر دیئے۔

وہ کافی دیر تک اسی حالت میں اس بنچ پر بیٹھے ایک دوسرے پر اپنی محبت لٹاتے رہے۔ پھر اٹھے اور آہستہ آہستہ قدم اٹھاتے اپنے اسٹوڈیو کی طرف چل پڑے۔

راستے میں انہیں ساچن اور سپیتمی دکھائی پڑے۔ وہ بھی ورزش کی غرض سے ٹریک سوٹوں میں ملبوس تھے۔ وہ کترینا اور آغا عاطف کو دیکھ کر چند لمحے ان کے پاس رک گئے۔ انہوں نے کترینا اور آغا عاطف کو اپنے ساتھ ٹریل پر دوڑنے کی دعوت دی جسے دونوں نے شکریئے کے ساتھ رد کر دیا۔

ساچن اور سپیتمی نے ان سے رات کے کھانے پر اکٹھا ہونے کے لیے پوچھا لیکن اس بارے بھی انہوں نے معذرت کی۔ کترینا کہنے لگی کہ وہ جلد کسی دوسرے دن اکٹھے ہوں گے۔ فی الحال وہ کچھ ضروری امور میں الجھے ہوئے ہیں۔

ساچن اور سپیتمی دوبارہ ٹریل پر اپنے راستے پر دوڑنے لگے جبکہ کترینا اور آغا اسی طرح ایک دوسرے کے ساتھ اپنے اسٹوڈیو کی طرف رواں رہے۔ چلتے چلتے وہ یونیورسٹی کے کیفے کے سامنے پہنچے تو کترینا نے آغا سے کہا کہ بجائے اس کے کہ وہ اسٹوڈیو جا کر ناشتہ بنائیں بہتر ہو گا کہ وہ کیفے میں بیٹھ کر ناشتہ کریں اور پھر اسٹوڈیو جا کر نہا دھو کر الیونا سے ملنے جائیں۔

آغا عاطف نے کترینا کی بات سے اتفاق کرتے ہوئے کہا کہ یہ بہت اچھا آئیڈیا ہے۔

پھر دونوں کیفے کے اندر داخل ہو گئے۔ کیفے میں داخل ہوتے ہی کترینا نے دیکھا اس کے بہت سے دوست ناشتے کے لیے کیفے میں موجود تھے۔ شادی کے دن سے اس کی ان کے ساتھ ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ کترینا کو دیکھتے ہی وہ سب اس کے گرد جمع ہو گئے۔

سب نے کترینا پر شادی کے بعد کی زندگی کے بارے میں سوالوں کی بوچھاڑ کر دی۔ کترینا انہیں مزے لے لے کر ہوٹل میں گزارے دنوں کے بارے میں بتا رہی تھی۔

اس نے انہیں بتایا کہ آغا عاطف کتنا اچھا لائف پارٹنر ہے۔ پھر کہنے لگی کہ میں سفارش کروں گی کہ روسی لڑکے پاکستانی لڑکیوں اور روسی لڑکیاں پاکستانی لڑکوں سے شادی کریں۔ روسی اور پاکستانی لڑکوں اور لڑکیوں کی جوڑی بہت اچھی بنے گی۔ بالکل ہماری جوڑی کی طرح۔

آغا عاطف نے کترینا کی بات سن کر اس کا شکریہ ادا کیا۔

کترینا کے روسی دوستوں نے کہا کہ انہوں نے سنا ہے کہ پاکستانی مرد غیر ملکی عورتوں سے شادی کر لیتے ہیں لیکن پاکستانی عورتیں غیر ملکی مردوں سے شادی نہیں کرتیں۔

آغا عاطف نے کہا" ان کا خیال درست نہیں۔ پاکستانی لڑکیاں غیر ملکی لڑکوں سے شادی کرتی ہیں لیکن ان کی تعداد قدرے کم ہے کیونکہ ان کا غیر ملکیوں کے ساتھ کلچرل میل جول کم ہوتا ہے۔ جن پاکستانی لڑکیوں کو موقع ملتا ہے وہ ضرور اس موقع سے فائدہ اٹھاتی اور غیر ملکیوں سے شادی کرتی ہیں۔"

"لیکن وہ روسیوں سے دور رہتی ہیں۔ عام طور پر پاکستانی روسیوں کو پسند نہیں کرتے۔" چند ایک نے آغا عاطف کو انگیخت کرنے کی غرض سے سوال اٹھایا۔

آغا عاطف کو لگا پاکستانیوں کے خلاف کترینا کے دوستوں کی تنقید سے اس کی روسی میں جوش اور روانی پیدا ہونے لگی ہے۔ اس نے روسی میں انہیں کہا کہ " پاکستان میں بائیں بازو کے نوجوان لڑکے اور لڑکیاں روس اور روسیوں سے بہت محبت کرتے ہیں۔ روسی انقلاب ان کا آئیڈیل ہے اور وہ پاکستان میں بھی ایسا ہی انقلاب لانا چاہتے ہیں۔ وہ سب ولادیمیر لینن کو اپنا ہیرو سمجھتے ہیں۔"

کترینا نے آغا عاطف کی تائید کی۔ پھر ان کو مخاطب کر کے کہنے لگی کہ تم سب "کامریڈ فیض کو کیسے بھول سکتے ہو۔ انہیں انقلابی شاعری لکھنے کے لیے لینن انعام ملا تھا۔ اور ان کی نظمیں، کتنی جاندار ہیں۔ ہم روسی میں ان کا ترجمہ پڑھتے ہیں تو ہمارے خون میں ابال آنے لگتا ہے۔"

" کترینا تم ٹھیک کہتی ہو۔ لیکن پاکستان میں مذہبی قوتوں کا غلبہ ہے۔ بائیں بازو کے لوگ بہت کم ہیں۔ جو ہیں ان میں سے زیادہ تر رومانی انقلاب پسند ہیں۔ وہ انقلاب کے حقیقی تقاضوں سے نہ صرف بے خبر بلکہ نابلد ہیں۔"

اسی بحث و تمحیص میں ان کا ناشتہ ختم ہوا۔ کترینا نے ان سب سے پہلے جانے کی اجازت لی، پھر ان میں سے ہر ایک کو گلے لگایا اور پھر آغا کے ساتھ اپنے اسٹوڈیو کی طرف چل پڑی۔

وہ اور آغا عاطف دونوں منصوبے کے مطابق الیونا سے ملنے جانا چاہتے تھے۔ لیکن جب وہ دونوں اسٹوڈیو واپس پہنچے تو ان کے دروازے پر وزارت دفاع کے غیر ملکی امور کے دفتر کا خط ان کا منتظر تھا۔ کترینا نے خط کھولا تو وزارت دفاع نے اسے جلد سے جلد ان سے رابطہ کرنے کی ہدایت کی تھی۔

فصل 17

وزارت دفاع کے بیرونی امور کے دفتر کا خط دیکھ کر کترینا نے فیصلہ کیا کہ وہ پہلے آغا عاطف کے ساتھ اپنے آبائی گھر جائے گی اور اسے الیونا کے ساتھ چھوڑ کر متعلقہ اہلکار سے ملنے جائے گی۔ آغا عاطف نہیں چاہتا تھا کہ کترینا اکیلی وزارت دفاع کے اہلکار سے ملنے جائے۔ اس نے کترینا سے کہا کہ پہلے وہ دونوں وزارت دفاع جائیں گے اس کے بعد اکٹھے الیونا سے ملنے جائیں گے۔

کترینا کو یہ آئیڈیا اچھا لگا۔ لیکن وہ آغا کے ساتھ دوبارہ وزارت دفاع جانے میں کچھ متذبذب تھی۔ صبح اس نے اس کی آنکھوں میں اس کی جدائی کے خیال سے آنے والے آنسو دیکھے تھے۔ اگر وزارت دفاع نے اسے اکیلے افغانستان جانے کا حکم دے دیا تو شاید آغا کے لیے ان کے فیصلے کا سامنا کرنا مشکل ہو۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ وہ وزارت دفاع کے دفتر میں کسی جذباتی رد عمل کا اظہار کرے۔

چنانچہ اپنے اسٹوڈیو سے نکل کر پہلے وہ اپنے آبائی گھر گئی۔ اس کا باپ الیکسی اور ماں ساشا اپنے اپنے کاموں پر جا چکے تھے۔ البتہ الیونا گھر پر اکیلی تھی۔

وہ وھیل چیر پر بیٹھی میکسم گورکی کے ناول "ماں" کا مطالعہ کر رہی تھی۔ "ماں" اس کا ہمیشہ پسندیدہ ناول رہا تھا۔ گورکی کا یہ ناول ہمیشہ اس کے ساتھ رہتا۔

دراصل الیونا کو گورکی کا طرز تحریر پسند تھا۔ وہ اس کے جملوں کی سادگی اور کاٹ سے متاثر تھی۔ چنانچہ وہ جب بھی فارغ ہوتی اس کے مختلف حصوں کا مطالعہ شروع کر دیتی۔ جب نکولائی اور کترینا چھوٹے تھے وہ اکثر "ماں" کے چیدہ چیدہ حصے انہیں پڑھ کر سنایا کرتی تھی۔ الیونا کی اس عادت کی وجہ سے کترینا کے دل میں ادب کی محبت ایسی جاگزیں ہوئی کہ نہ صرف وہ روسی ادبی فن پاروں کا مطالعہ کرتی بلکہ بین الاقوامی ادب کا جو شاہپارہ اس کے ہاتھ لگ جاتا اس کا ضرور مطالعہ کرتی۔

دراصل انگلش سے اس کا شغف اسی وجہ سے بڑھا تھا کہ روسی زبان کے ادب کے علاوہ اسے بہت سے بین الاقوامی ادبی شاہپارے انگلش میں پڑھنے کے لیے ملے۔ بعض اوقات وہ روسی لکھاریوں کی انگریزی میں ترجمہ شدہ کتابیں پڑھتی تو روسی لکھاریوں کے لیے اس کے دل میں احترام بڑھ جاتا۔ کیونکہ وہ اکثر محسوس کرتی کہ روسی لکھاریوں کے براہ راست طرز تخاطب کو نبھانا انگریزی ترجمہ نگاروں کے لیے کتنا مشکل ہوتا ہے۔

کترینا نے ایلونا کو وھیل چیئر پر بیٹھے "ماں" کا مطالعہ کرتے دیکھا تو آگے بڑھ کر اس کے گلے میں باہیں ڈال دیں۔ ایلونا نے بھی کتاب ایک طرف رکھ کر محبت سے کترینا کا منہ چوما۔ پھر آغا عاطف نے بھی کترینا کی پیروی کرتے ہوئے ایلونا کے گلے میں باہیں ڈالیں تو اس نے آغا عاطف کا بھی منہ چوم لیا۔

کترینا نے ایلونا کو بتایا کہ اس کی وزارت دفاع کے بیرونی امور کے دفتر میں طلبی کی گئی ہے۔ آغا عاطف چاہتا تھا کہ وہ تمہارے ساتھ وقت گزارے۔ چنانچہ وہ اسے وہاں چھوڑ کر وزارت دفاع کے خارجی امور کے دفتر جا رہی ہے۔ وہاں سے فارغ ہو کر وہ واپس آئے گی۔ اگر جلدی آگئی تو وہ شام تک وہیں رہیں گے۔ دیر سے آنے کی شکل میں وہ آغا عاطف کو ساتھ لے کر اپنے اسٹوڈیو چلی جائے گی۔

سب نے اس پلان سے اتفاق کیا۔ کترینا نے گھر سے نکل کر ٹیکسی لی اور وزارت دفاع کے دفتر روانہ ہو گئی۔

آغا عاطف اور ایلونا گھر پر رہ گئے۔ ایلونا نے آغا عاطف سے چائے کے لیے پوچھا۔ آغا عاطف نے کہا کہ وہ ایلونا اور اپنے لیے چائے بنائے گا اور پھر دونوں بیٹھ کر چائے پئیں گے۔

ایلونا نے کہا کہ وہ وھیل چیئر پر بیٹھے بیٹھے سارے کام کر سکتی ہے۔ وھیل چیئر نے اس کی زندگی آسان بنا دی ہے۔ وھیل چیئر سے پہلے اس کے لیے اٹھنا، بیٹھنا، ایک جگہ سے دوسری جگہ جانا خاصہ مشکل ہوتا تھا لیکن جب سے ہسپتال والوں نے اسے وھیل چیئر دلا دی ہے وہ اپنے سارے کام خود کر سکتی ہے۔ بلکہ اکثر ساشا کے کام سے لوٹنے سے پہلے فیملی کے لیے کبھی لنچ اور کبھی ڈنر بنا دیتی ہے۔

الیونا نے کہا کہ الیکسی اب بھی اس کی بنائی ہوئی ڈشیں پسند کرتا ہے۔ اور ساشا تو کبھی کبھار خود مختلف ڈشوں کی فرمائش کرتی ہے۔ چونکہ اسے کوئی اور مصروفیت نہیں ہوتی اس لیے لنچ اور ڈنر بنانے میں اس کا دن آسانی سے گزر جاتا ہے۔ اگر پھر بھی وقت بچ جائے تو وہ پسند کرتی ہے کہ کلاسیکل روسی ادبی شاہپاروں کا مطالعہ کرے۔

کلاسیکل ادبی فن پارے کبھی پرانے نہیں ہوتے۔ ان کی زبان اور زبان میں چھپے تصورات ہمیشہ تازہ رہتے ہیں اور پڑھنے والوں کو مسرت بخشتے ہیں۔

ناولوں کے کردار خاص طور پر پڑھنے والوں کی شخصیت کا حصہ بن جاتے ہیں۔ بعض اوقات نوجوان پڑھنے والے ناولوں کے کرداروں سے اتنا متاثر ہوتے ہیں کہ وہ ساری عمر ان کے نقش قدم پر چلتے ہوئے گزار دیتے ہیں۔

آغا عاطف چولہے پر کھڑا اپنے اور الیونا کے لیے چائے بنا رہا تھا اور وہ اسے اپنے پسندیدہ مصنفین کے بارے میں بتا رہی تھی۔ گورکی کے بارے میں باتیں کرتے ہوئے اس نے اچانک آغا عاطف سے پوچھا "کیا اسے ناول پڑھنے سے دلچسپی ہے۔"

آغا عاطف نے کہا کہ اردو میں اچھے ناولوں کی سخت کمی ہے۔ چند ایک اچھے ناول ضرور تخلیق ہوئے ہیں لیکن وہ بھی عام قاری کے لیے نہیں ہیں۔ ان کو پڑھنے کے لیے قاری میں ایک خاص ذہنی استعداد کا ہونا ضروری ہے۔ ورنہ وہ ناول گرفت میں نہیں آتے۔

لیکن گزرتے وقت کے ساتھ بین الاقوامی ادبی شاہپاروں کا اردو میں ترجمہ ہو رہا ہے۔ اس سلسلے میں ماسکو میں واقع دارالترجمہ بڑا اچھا کام کر رہا ہے۔ انہوں نے تقریباً ہر اہم روسی ناول نگار کے ناولوں کا اردو میں ترجمہ کر دیا ہے۔ پاکستانی نوجوان لڑکے لڑکیاں بہت شوق سے روسی ناولوں اور کہانیوں کا مطالعہ کرتے ہیں۔

اور یہ جو آپ گورکی کے ناول "ماں" کا مطالعہ کر رہی ہیں یہ تو پاکستانی نوجوانوں میں بہت مقبول ہے۔ تقریباً ہر ترقی پسند طالب علم اس ناول کا ضرور مطالعہ کرتا ہے۔

آغا کی بات سن کر الیونا کو اپنا نوعمری اور نوجوانی کا زمانہ یاد آ گیا۔ اس کی آنکھوں میں پیدا ہونے والی چمک کا آغا عاطف نے بھی نوٹس لیا۔ چنانچہ موقع مناسب جانتے ہوئے آغا نے الیونا سے پوچھا کہ " وہ کب اور کہاں پیدا ہوئی تھی۔ اور انقلاب کے وقت اس کی عمر کتنی تھی۔"

سوال کرتے وقت آغا نے چائے کی ایک پیالی الیونا کے ہاتھ میں تھمائی اور دوسری خود پکڑ کر اس کے سامنے بچھی کرسی پر بیٹھ گیا۔ چائے کی پیالی سے ابھی تک بھاپ کے ہلکے ہلکے مرغولے اٹھ رہے تھے۔

الیونا نے ایک ہاتھ سے پیالی سے اٹھنے والے مرغولوں کو ایک طرف ہٹاتے ہوئے کہا کہ "وہ انقلاب سے سولہ سترہ برس قبل سینٹ پیٹرس برگ میں پیدا ہوئی تھی۔

اس کی فیملی اس کی پیدائش کے بعد سینٹ پیٹرس برگ سے ماسکو چلی آئی تھی۔ چنانچہ سینٹ پیٹرس برگ کے ساتھ اس کا رشتہ اتنا ہی ہے کہ وہ وہاں پیدا ہوئی تھی لیکن اس نے اپنا بچپن یہیں ماسکو میں گزارہ تھا۔ اس کا باپ ماسکو میں ایک میٹ فیکٹری میں کام کرتا تھا۔ اسے اپنے کام سے سخت نفرت تھی۔ نفرت اس لیے تھی کہ زار کے کارندے انہیں مجبور کرتے تھے کہ وہ گلا سڑا گوشت بھی ضائع کرنے کی بجائے سرکاری راشن استعمال کرنے والے ملازمین کو کھلا دیا کریں۔ وہ اکثر چوری چھپے ایسا گوشت ضائع کر دیتے۔ لیکن اگر کوئی پکڑا جاتا تو اسے سخت سزا دی جاتی۔

ایک بار اس کا باپ بھی گلا سڑا گوشت میٹ فیکٹری کے عقبی دروازے سے دریا میں پھینک رہا تھا کہ پکڑا گیا۔ اس کے بعد اس کے ساتھ کیا ہوا کوئی نہیں جانتا۔

کچھ لوگوں کا کہنا تھا کہ اسے زار کے کارندوں نے دوسروں کے لیے نشان عبرت بنانے کے لیے مار مار کر اسی گلے سڑے گوشت کے ساتھ دریا میں پھینک دیا تھا۔

اس صدمے سے اس کی ماں نیم پاگل ہو کر چند ماہ میں چل بسی۔ ماں کے مرنے کے بعد وہ اکیلی رہ گئی۔ اس نے اپنے ایک ہائی اسکول کے دوست آندرے سے شادی کرلی۔

پھر اس نے دیوار پر آویزاں تصویر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ وہ آندرے کی تصویر ہے۔ بڑی بڑی مونچھوں والا نوجوان آندرے اپنی تصویر میں بھی مسکرا رہا تھا۔

ہماری شادی انقلاب کے فوراً بعد ہوئی تھی۔ آندرے ریلوے میں انجن ڈرائیور کے طور پر کام کرتا تھا۔ انقلاب کے بعد انقلابیوں اور انقلاب دشمنوں کے درمیان جنگ شروع ہو گئی۔ آندرے کام سے فارغ ہو کر انقلابیوں کے ساتھ مل کر انقلاب دشمنوں کے خلاف جنگ میں حصہ لیتا۔

الیکسی ابھی میری کوکھ میں تھا کہ ایک دن مجھے پتہ چلا کہ آندرے انقلاب دشمنوں کی گولی کا نشانہ بن گیا ہے۔

الیکسی آندرے کی وفات کے چھ ماہ بعد پیدا ہوا۔ ابھی ماسکو میں اقتدار کے لیے جنگ چل رہی تھی۔ ان دنوں میں اور میرے چند دوست مل کر میکسم گورکی کے ناول ماں کا مطالعہ کرتے تھے۔ الیکسی کی پیدائش کے بعد میں نے فیصلہ کیا کہ میں کبھی شادی نہیں کروں گی اور اپنی ساری توانائیاں الیکسی کی پرورش پر صرف کر دوں گی۔ اسے پڑھا لکھا کر ایک کامیاب انسان بناؤں گی۔ اور اگر وہ ایک کامیاب انسان نہ بھی بن سکا تو اپنے باپ کی طرح کم از کم ریلوے میں ڈرائیور تو بن ہی جائے گا۔ چنانچہ ہائی اسکول کرنے کے بعد اسے اپنے باپ کی طرح ریلوے میں ڈرائیور کی ملازمت مل گئی تو اس نے مزید پڑھنے کا ارادہ ترک کر دیا۔

پھر اس نے اپنی ہم جماعت ساشا سے شادی کرلی۔ ساشا نے ہائی اسکول کے بعد پڑھائی جاری رکھی اور وہ اسکول ٹیچر بن گئی۔ لیکن اسے الیکسی سے محبت تھی۔ اس نے یہ جانتے ہوئے بھی الیکسی سے شادی کرلی کہ ڈرائیور کے کام پر آنے جانے کا کوئی وقت نہیں ہوتا۔ الیکسی سے شادی کے بعد اس نے یکے بعد دیگرے نکولائی اور کترینا کو جنم دیا۔ نکولائی کترینا سے بڑا ہے۔

الیونا اپنے ماضی کے اوراق الٹ رہی تھی اور آغا عاطف اس کے چہرے پر ابھرتی اور مٹتی لہریں دیکھ رہا تھا۔

وہ جب اپنی پیدائش اور ماسکو آنے کی بات کر رہی تھی۔ اس کے چہرے پر امید کے رنگ بکھرے تھے۔ پھر اس نے اپنے باپ کے زار کے کارندوں کے ہاتھوں مارے جانے کا ذکر کیا تو اس کے چہرے پر غم کے بادل چھا گئے۔ اس کی آنکھیں نم ہو گئیں۔ جب اس نے اپنی ماں کے پاگل پن کا ذکر کیا تو کئی بار وہ سسک اٹھی۔ لیکن حالات نے اسے بہت صابر و شاکر عورت بنا دیا تھا۔ لیکن آندرے کے قتل کی بات کرتے ہوئے وہ اپنے جذبات پر قابو نہ رکھ سکی۔

ماں باپ کی اموات کے بعد آندرے اس کے لیے امید کی واحد کرن تھا۔ لیکن انقلاب کے لیے لڑی جانے والی جنگ اسے بھی کھا گئی۔ لیکن گورکی کے ناول " ماں " نے اسے زندگی میں ثابت قدم رکھا۔ چنانچہ وہ زندگی بھر "ماں" کو اپنی چھاتی سے لگائے حالات کے طوفانوں سے گزرتی رہی۔

یہاں الیونا آغا عاطف کو اپنے خاندان کی تاریخ بتا رہی تھی وہاں وزارت دفاع کے بیرونی امور کا اہل کار کترینا کو افغانستان میں جنم لینے والے واقعات کے بارے میں روسی پس منظر سمجھا رہا تھا۔

الیونا اور آغا عاطف چائے کی پیالی پر گزشتہ ستر اسی سال کی تاریخ کے چیدہ چیدہ واقعات کا ذکر کر رہے تھے۔ کترینا اور وزارت دفاع کے بیرونی امور کا اہل کار ستر کی دہائی کے افغانستان کے واقعات کی کڑیاں ملانے کی کوشش کر رہے تھے۔

کترینا آغا عاطف کو الیونا کے ساتھ چھوڑ کر وزارت دفاع کے بیرونی امور کے دفتر پہنچی تو متعلقہ سرکاری اہل کار نے اسے دوبارہ خوش آمدید کہتے ہوئے اسے بتایا کہ اس کے لیے اس کے پاس ایک بری اور ایک اچھی خبر ہے۔ بری خبر یہ ہے کہ اس کی تازہ شادی کے باوجود لیڈر شپ نے فیصلہ کیا ہے کہ اسے افغانستان جانا ہو گا۔ اور اچھی خبر یہ ہے کہ اس کے خاوند آغا کے بارے میں انہوں نے کترینا کے تمام مطالبات تسلیم کر لیے ہیں۔ لیڈر شپ نے اس کی اہلیت کا جائزہ لیا ہے، ان کا خیال ہے کہ پاکستانی ہونے

کی وجہ سے وہ افغانستان میں کترینا کے مشن کی تکمیل میں اہم کردار ادا کر سکتا ہے۔ چنانچہ لیڈر شپ نے فیصلہ کیا ہے کہ اسے سوویت شہری کے تمام حقوق عطا کئے جائیں گے۔

کترینا نے سرکاری اہل کار کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا کہ آغا کو اس کے ساتھ بھجوانے کا عندیہ دے کر انہوں نے اس کا مشن آسان بنا دیا ہے۔ وہ پوری کوشش کرے گی کہ داؤد کو اسلامی اور مغربی ممالک کی طرف جھکاؤ سے روک سکے۔ خلق اور پرچم کو اس بات پر آمادہ کرے کہ وہ داؤد کا تختہ الٹنے کی بجائے اس کے ساتھ اس طرح تعاون کریں کہ وہ اسلامی اور مغربی دنیا کی طرف دیکھنا بند کر دے۔ سوویت یونین کے ساتھ تعلقات اس سطح پر برقرار رکھے جس سے افغانستان اور سوویت یونین کے مفادات کا تحفظ ممکن رہے۔

لیکن وہ نہیں جانتی کہ پاکستان کے بھٹو کے بارے میں وہ کیا کر سکتی ہے۔ سرکاری اہل کار نے اسے بتایا کہ پاکستان میں بھٹو کے خلاف تحریک چل رہی ہے۔ ہماری اطلاعات کے مطابق وہ تحریک سی آئی اے نے رجعت پسند مذہبی قوتوں کے ساتھ مل کر کھڑی کی ہے۔

اس وقت پاکستانی فوج کا کمانڈر انچیف ضیا الحق ہے جو کہ پرلے درجے کا منافق اور دقیانوسی ذہنیت کا مالک شخص ہے۔ ہماری خفیہ اطلاعات کے مطابق سی آئی نے اسے ٹاسک دیا ہے کہ وہ بھٹو کو منظر سے ہٹائے۔ اور اگر ممکن ہو تو اس کا صفایا کر دے۔

ہم نے یہ بھی سنا ہے کہ پرچم اور خلق میں بھی سی آئی اے کے ایجنٹ گھسے ہیں جو انہیں افغانستان میں انقلاب برپا کرنے کی ترغیب دے رہے ہیں۔

ہماری پوری کوشش ہونی چاہیے کہ خلق یا پرچم والے الگ الگ یا مل کر انقلاب برپا نہ کریں۔ اگر انہوں نے ایسا کیا تو ہمارے تجزیے کے مطابق ان کی مدد کے لیے ہمیں براہ راست افغانستان میں مداخلت کرنی پڑے گی جس سے پاکستان کی سرکردگی میں دائیں بازو کی تمام بین الاقوامی قوتیں ہمارے خلاف کھڑی ہو جائیں گی۔

کترینانے سرکاری اہل کار کی بات سن کر کہا: " اگر سی آئی اے والے بھٹو کا صفایا کر دیتے ہیں تو اس سے ہمارا کام آسان ہو جائے گا۔ ہمیں دو کی بجائے ایک قوت سے نبٹنا پڑے گا۔"

سرکاری اہل کار نے کترینا کی بات سنی تو ہنستے ہوئے کہنے لگا: " بھٹو کے منظر سے ہٹائے جانے سے صورت حال اور پیچیدہ ہو جائے گی۔ پاکستان آرمی براہ راست افغانستان کے امور میں مداخلت شروع کر دے گی جو کہ ہمارے نقطہ نظر سے زیادہ خوش آئند منظر نہیں۔"

کترینا ماسکو میں ان چند لڑکیوں میں سے تھی جنہوں نے اوائل عمر میں روسی کے علاوہ انگریزی، دری، اور پشتو میں عبور حاصل کر لیا تھا۔ اگرچہ وہ اب بھی پیپلز فرینڈ شپ یونیورسٹی میں فلالوجی میں پی ایچ ڈی کی طالبہ تھی لیکن وہ گاہے گاہے ماسکو میں سرکاری اداروں میں ترجمان کے فرائض سرانجام دیتی رہتی تھی۔

لیکن بیرون ملک یہ اس کی پہلی پوسٹنگ تھی اور وہ بھی افغانستان جیسے ملک میں۔ جس کے بارے میں کہا جاتا تھا کہ وہاں جا کر خدا اور شیطان دونوں اپنا راستہ بھول جاتے ہیں۔

روسی عام طور پر دریائے آمو کے اس پار جانا پسند نہیں کرتے تھے۔ اسی لیے سوویت حکومت کی پوری کوشش تھی کہ افغانستان میں دن بدن پیچیدہ ہوتی صورت حال کو مزید پیچیدگی سے روکیں۔ لیکن حالات کی اپنی ایک ڈگر ہوتی ہے۔ چاہے کوئی وقت کی سپر پاور ہی کیوں نہ ہو وہ انہیں ایک حد تک ہی متاثر کر سکتی ہے۔

امریکہ کو اس کا تجربہ ویتنام میں ہو چکا تھا۔ انہوں نے سالہا سال کوشش کی کہ وہ ویتنام کو اپنی مرضی کے مطابق شکل دے سکیں لیکن وہ اپنی پوری ملٹری طاقت کے باوجود ایسا نہ کر سکے اور آخر انہیں ویتنام سے شکست خوردہ ہو کر فرار ہونا پڑا۔

روسیوں کا تاریخی شعور امریکیوں سے بہتر تھا۔ انہیں اپنی طاقت کے بارے میں بھی کوئی غلط فہمی نہیں تھی۔ لیکن ان کے تمام تر اقدامات کے باوجود حالات انہیں اس سمت دھکیل رہے تھے کہ آخر کار انہیں دریائے آمو کے اس پار جانا پڑے گا۔

کترینا اور آغا عاطف کی افغانستان روانگی کا حکمنامہ ایسی ہی ایک کوشش تھی۔ کترینا نے سرکاری اہل کار سے پوچھا کہ "انہیں افغانستان میں کب تک رہنا پڑے گا۔"

سرکاری اہل کار نے جواب دیا کہ " وہ اپنے مشن کے بارے میں مکمل طور پر آگاہ ہے۔ جتنی جلدی یہ مشن مکمل ہو جائے گا وہ دونوں واپس ماسکو لوٹ سکتے ہیں۔ اگر خلق یا پرچم والوں نے وہاں انقلاب برپا کر دیا تو ہو سکتا ہے ان کا افغانستان میں قیام اور بھی طویل ہو جائے۔" کترینا نے سرکاری اہل کار کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اس سے رخصت چاہی۔

وزارت دفاع کے دفتر سے نکل کر وہ واپس اپنے آبائی گھر آئی تو اس کی ماں ساشا کام سے واپس آچکی تھی۔ الیونا، ساشا اور آغا عاطف اس طرح خوش گپیوں میں مصروف تھے جیسے برسوں سے ایک دوسرے کو جانتے ہوں۔

خاص طور پر الیونا آغا عاطف سے مل کر بہت خوش تھی۔ آخر کسی نے اس سے اس کی زندگی کی کہانی سنی تھی۔ اور وہ بھی اتنے انہاک اور ہمدردی کے ساتھ کہ کہانی سناتے ہوئے اس کے چہرے پر مسلسل ساون بھادوں کی دھوپ چھاؤں کے منظر چھائے رہے۔

آغا عاطف نے کترینا سے وزارت دفاع میں اس کی میٹنگ کے بارے میں پوچھا تو الیونا اور ساشا نے بھی اس کی طرف استفہامیہ نگاہوں سے دیکھا۔ ابھی تک انہیں پتہ نہ تھا کہ وزارت دفاع والے اسے افغانستان جانے کے لیے کہہ رہے ہیں۔

آغا کے استفسار پر اس نے اسے اس روز کی پیش رفت کے بارے میں بتایا۔ آغا عاطف خوش تھا کہ کترینا اکیلی افغانستان نہیں جائے گی بلکہ وہ بھی اس سفر میں اس کے ہمراہ ہو گا۔

الیونا اور ساشا کترینا کے افغانستان جانے کی خبر سن کر اداس ہو گئیں۔ کترینا نے آگے بڑھ کر پہلے ساشا اور پھر الیونا کو بوسہ دیا اور پھر انہیں تسلی دیتے ہوئے بولی کہ اس کا مشن بہت مختصر اور محدود ہے۔ اسے پوری امید ہے کہ وہ جلدی اپنا مشن پورا کر کے واپس لوٹ آئے گی۔

پھر وہ اور آغا عاطف الیونا اور ساشا کو دس ودانیا کہہ کر واپس اپنے اسٹوڈیو کی طرف چل پڑے۔ محبت کو تنہائی کی ضرورت تھی اور یہ تنہائی انہیں صرف اپنے اسٹوڈیو میں میسر تھی۔

فصل 18

اگلے چند ہفتوں تک کترینا اور آغا عاطف روزانہ وزارت دفاع کے ٹریننگ سنٹر جاتے رہے تاکہ اپنے مشن کی تکمیل کے لیے مختلف ضروری انفارمیشن اکٹھی کریں۔

ٹریننگ سنٹر میں انہیں افغانستان کے ہر اہم لیڈر کے بارے میں ضروری معلومات فراہم کی گئیں۔ انہیں بتایا گیا کہ کون سا لیڈر کس طرح سوچتا ہے۔ سوویت یونین کے بارے میں اس کے خیالات کیا ہیں۔ سیاسی طور پر وہ سوویت یونین کے بارے میں کیا روّیہ رکھتا ہے۔ داؤد کے بارے میں دونوں کو بہت سی انفارمیشن فراہم کی گئی۔

کترینا نے آغا عاطف کو افغانستان لے جانے کی استدعا ڈرتے ڈرتے کی تھی لیکن ٹریننگ کے دوران اندازہ ہو رہا تھا کہ اس کا پاکستانی ہونا اس پراجیکٹ کی کامیابی میں ایک اہم کردار ادا کر سکتا ہے۔

ٹریننگ کے دوران کترینا کو افغان پشتونوں کے طور طریقے سکھائے گئے۔ اسے بتایا گیا کہ وہ ضرورت پڑنے پر ایک ایسی پشتون خاتون ہونے کی آڑ لے سکتی ہے جس نے ایک پاکستانی سے شادی کر رکھی ہے۔

کترینا اور آغا عاطف ہر صبح پشتونوں کا لباس پہن کر ٹریننگ سنٹر جاتے۔ کترینا صبح پشتون لباس پہنتی تو اسے خود پر شک ہونے لگتا کہ وہ روسی نہیں بلکہ افغانی پشتون لڑکی ہے۔ یہی حال آغا عاطف کا تھا۔ وہ پٹھانوں والی شلوار قمیض پہن کر سر پر پشتونوں والی ٹوپی پہنتا تو یہ بتانا مشکل ہو جاتا کہ وہ پاکستانی ہے۔ ہاں وہ پشتو میں بالکل کورا تھا۔ جبکہ کترینا تقریباً پرفیکٹ پشتو بولتی تھی۔ اس کے لب و لہجے سے بتانا مشکل تھا کہ وہ پشتون نہیں۔

پشتون کپڑے پہن کر وہ آغا عاطف کو اتنی اچھی لگتی کہ وہ اسے باہوں میں لیکر اصرار کرتا کہ وہ ٹریننگ سنٹر جانے کی بجائے اپنے اسٹوڈیو پر رہیں۔

لیکن کترینا ایک ذمہ دار لڑکی تھی۔ وہ جب کسی بات کا فیصلہ کر لیتی تو پھر اسے اس کے ارادے سے ہٹانا کسی کے لئے ممکن نہ ہوتا۔

چنانچہ اس کی ہلکی سی محبت بھری ڈانٹ آغا عاطف کے سر پر چڑھا پیار کا بھوت فوراً اتار دیتی اور وہ اس کے ساتھ چل پڑتا۔

ہفتے ڈیڑھ میں ٹریننگ سنٹر نے کترینا اور آغا عاطف کو افغانستان اور افغانستان کے مختلف باشندوں کے بارے میں مکمل طور پر ٹرینڈ کر دیا۔ انہوں نے بار بار پریکٹس سے ان کی شخصیت سے وہ کمزوریاں دور کر دیں جن کی وجہ سے کترینا پر غیر پشتون ہونے کا گمان گزر سکتا تھا۔ چند ہفتوں بعد ٹریننگ سنٹر نے انہیں افغانستان جانے کے لیے کلیئر کر دیا۔

ٹریننگ کے دوران انہیں پتہ چلا کہ پاکستان میں فوج نے ذو لفقار علی بھٹو کا تختہ الٹ کر اقتدار پر قبضہ کر لیا ہے۔

پاکستان کا نیا حکمران فوج کا کمانڈر انچیف جنرل ضیاء الحق ہے۔ ضیاء الحق کے اقتدار پر قبضے کے بعد، وزارت دفاع کے بیرونی امور کے ماہرین نے کترینا اور آغا عاطف کو بتایا، افغانستان میں ان کا مشن زیادہ پیچیدہ، خطرناک اور نازک حیثیت اختیار کر جائے گا۔

انہیں بتایا گیا کہ ضیاء الحق کے برسر اقتدار آنے کے بعد پاکستانی فوج کی افغانستان کے اندرونی معاملات میں مداخلت اور بڑھ جائے گی۔ انہیں سختی کے ساتھ تاکید کی گئی کہ وہ کابل میں پاکستانی فوج کے کسی کارندے سے رابطہ نہ کریں اور اپنی ساری توجہ داؤد، خلق اور پرچم سے وابستہ لیڈروں اور کارکنوں پر مرکوز رکھیں۔

اگلے چند دنوں بعد کترینا اور آغا عاطف کابل کے انٹر نیشنل ائیر پورٹ پر اُترے تو دونوں ہلکے سبز رنگ کی پینٹوں اور شرٹوں میں ملبوس تھے۔

وہ پرائیوٹ شہری کے طور پر افغانستان گئے تھے۔ ان کا کسی روسی سرکاری ادارے سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ لیکن کابل میں تمام اہم روسی عہدیداروں کو ان کی آمد کے بارے میں اطلاع دے دی گئی تھی۔ انہیں یہ بھی ہدایت کی گئی تھی کہ کسی بھی ضرورت کی صورت میں انہیں فوراً ہر طرح کی امداد فراہم کی جائے۔

افغان امیگریشن سے فارغ ہو کر کترینا اور آغا عاطف ائیر پورٹ سے باہر آئے تو ان کی منزل تھی کابل یونیورسٹی۔

انہوں نے ٹیکسی میں اپنا سامان رکھا اور ڈرائیور کو کابل یونیورسٹی چلنے کے لیے کہا۔ آغا نے کترینا سے کہا کہ وہ چند دن کابل یونیورسٹی میں گزاریں گے۔ وہیں آس پاس رہنے کے لیے کوئی گھر ڈھونڈیں گے اور مستقل رہائش اختیار کریں گے۔

کترینا جانتی تھی کہ کابل کی سیاسی سرگرمیوں کا مرکز کابل یونیورسٹی تھی۔ ہر طرح کے فکری گروپوں نے اپنی برانچیں یونیورسٹی میں قائم کر رکھی تھیں۔ خلق اور پرچم والے بھی اپنی ساری سیاست کابل یونیورسٹی کے کیمپس سے کرتے تھے۔

اتفاق سے ٹیکسی کابل یونیورسٹی کے علاقے میں داخل ہوئی تو انہیں ایک درمیانے درجے کا ہوٹل دکھائی دیا۔ کترینا نے ٹیکسی ڈرائیور کو پشتو میں ہوٹل کے سامنے گاڑی روکنے کے لیے کہا۔ ڈرائیور نے پلٹ کر غور سے کترینا کی طرف دیکھا۔ شاید وہ جاننے کی کوشش کر رہا تھا کہ پاکستانی لڑکے کے ساتھ ٹیکسی میں بیٹھی لڑکی واقعتاً پشتون تھی۔ کیونکہ وہ اس کے لہجے اور شکل سے دھوکہ کھا چکا تھا۔ لیکن وہ تو ماسکو سے آنے والی فلائیٹ کے مسافروں کے ساتھ ائیر پورٹ سے باہر آئے تھے وہ کترینا سے مختصر بات کے بعد سوچنا شروع ہو گیا۔

اس نے ٹیکسی ہوٹل کے سامنے روک دی۔ کترینا اور آغا ٹیکسی سے اترے تو ٹیکسی کے تیزی سے رکنے کی وجہ سے اڑنے والے گرد و غبار نے ان کا استقبال کیا۔ وہ دونوں ہوٹل کے اندر گئے تو ڈیسک پر کھڑے کلرک نے دونوں کا بغور جائزہ لیا۔

وہ بھی ان کی وضع قطع سے جاننے کی کوشش کر رہا تھا کہ وہ دونوں کون ہیں، کہاں سے آئے ہیں، ان کا باہمی رشتہ کیا ہے۔

کترینا نے دری میں اس سے کمرے کے بارے میں پوچھا تو اسے لگا کہ وہ ایک لوکل لڑکی ہے جو پاکستانی لڑکے کے ساتھ گھوم پھر رہی ہے۔ لیکن جب کترینا نے اسے بتایا کہ وہ ماسکو سے آ رہے ہیں۔ چند ہفتے قبل ان کی شادی ہوئی ہے اور وہ چند دن ستانے کے لیے کابل آئے ہیں تو پہلے اس نے کترینا کے افغانی لب و لہجے پر تعجب کا اظہار کیا پھر کہنے لگا کہ اس کے ہوٹل میں ان کے لیے ایک پر آسائش کمرہ موجود ہے۔ اس نے انہیں پانچویں منزل پر کونے کا کمرہ دکھایا تو کترینا اور آغا عاطف نے فوراً وہ کمرہ رہائش کے لیے پسند کر لیا۔

دنیا کے بلند ترین دارالحکومت کابل کے اس ہوٹل کی دونوں دیواروں میں کھلنے والی کھڑکیوں سے دور تک پھیلا شہر اپنی باہیں پھیلائے دعوتِ نظارہ دے رہا تھا۔

کابل یونیورسٹی چند منٹ کے فاصلے پر تھی۔ وہ پیدل چل کر چند منٹوں میں وہاں آ جا سکتے تھے۔ ہوٹل کے کمرے کا کرایہ بھی مناسب تھا۔ چنانچہ انہوں نے فیصلہ کیا کہ وہ رہائش کا مناسب انتظام ہونے تک وہیں رہیں گے۔

کمرہ دیکھنے کے بعد انہوں نے نیچے جا کر ہوٹل والے کو چند دن کا پیشگی کرایہ ادا کیا اور پھر ٹیکسی والے کو پیسے ادا کر کے اپنا سامان کمرے میں لے آئے۔

پر شور ماسکو کے مقابلے میں انہیں مناسب رفتار سے چلتا کابل قدرے پر سکون شہر محسوس ہوا۔ لیکن کابل جتنا پر سکون نظر آتا تھا اتنا تھا نہیں۔ اس پر سکون شہر کے زیر سطح ہمہ وقت جو طوفان پل رہے تھے

اس کا کسی کو اندازہ نہیں تھا۔ نہ کابل کے مستقل رہائشیوں کو اور نہ باہر سے سیاحت کے لیے آنے والوں کو۔

کترینا اور آغا عاطف دونوں اس کابل میں اٹھنے والی پر شور لہروں میں تیراکی کے جوہر دکھانے کے لیے تیار تھے۔

فصل 19

دنیا بھر کے دوسرے شہروں کی طرح کابل کی اپنی ایک شخصیت تھی۔ اپنا ایک کلچر تھا۔ اپنا ایک چہرہ تھا۔ اور وہ چہرہ خوبصورتی و بدصورتی کا امتزاج تھا لیکن اس کے باوجود اس میں ایک دلکشی تھی۔ ایک جاذبیت تھی۔

وہ سمجھتے تھے کہ صرف ماسکو میں لوگ فٹ پاتھوں پر اپنے فنون کا مظاہرہ کرتے ہیں اور دنیا کے دوسرے شہروں میں ایسا نہیں ہوتا۔

وہ سرِ شام ڈنر کے لیے ہوٹل سے باہر نکلے تو انہوں نے دیکھا ہوٹل سے تھوڑی دور سڑک کے کنارے ایک ادھیڑ عمر افغان گندی شلوار قمیض میں ملبوس، داڑھی بڑھائے، کندھے پر الغوزہ رکھے افغانستان اور افغانیوں کی عظمت کے گیت گا رہا تھا۔

"میرے وطن کی ہوا
خوش گوار ہے
میرے وطن کے کھیت اور چمن
سونا اگلتے ہیں
میرے وطن کے لوگ بہادر
اور جانثار ہیں۔
ان کی رگوں میں
انتہائی مقدس خون دوڑتا ہے
میرے وطن کی ہوا
خوش گوار ہے

میرے وطن کی عورتیں

خوبصورت

اور وفادار ہیں

وہ عظیم جنگجوؤں کو جنم دیتی ہیں

جن کا مقابلہ دنیا کی

کوئی قوم نہیں کر سکتی

میں خوش ہوں کہ میں افغان ہوں

افغانستان میرا وطن ہے

میں افغانستان کا حصہ ہوں

اور افغانستان میرے وجود کا حصہ ہے

میری رگوں میں

افغانستان کے دریا دوڑتے ہیں

افغانستان میرا محافظ ہے

اور میں اس کا محافظ ہوں۔"

وہ یہ گیت دری میں گا رہا تھا۔ آغا عاطف اس کے الغوزے کی دُھنوں سے لطف اندوز ہوتا رہا جبکہ کترینا اس کے لئے گیت کے بولوں کا روسی میں ترجمہ کرتی رہی۔

کترینا کے ساتھ رہتے ہوئے آغا عاطف کی روسی خاصی رواں ہو چکی تھی۔ اب وہ آسانی کے ساتھ پاکستانی لطیفوں کا روسی میں ترجمہ کر کے کترینا اور اپنے ملنے جلنے والے روسیوں کو محظوظ کر سکتا تھا۔

گیت ختم ہوا تو گانے والے کے ارد گرد کھڑے لوگوں نے تالیاں بجا کر اسے داد دی اور ساتھ ہی اس پر نوٹوں کی بارش کر دی۔

وہ چلتے چلتے ایک بازار میں پہنچے جہاں کئی چھوٹے چھوٹے ریستوران تھے۔ ان ریستورانوں کے اندر اور باہر سامنے سڑک پر بیٹھے افغانی کھانا کھا رہے تھے۔ تازہ کبابوں کی خوشبو سے کترینا کی بھوک بھی چمک اٹھی۔

آغا کترینا کو بتا رہا تھا کہ بڑے بڑے فولادی توؤں پر بنائے جانے والے کباب پاکستان اور افغانستان کی خاص ڈش تھی جسے لوگ روٹی کے ساتھ اور روٹی کے بغیر بہت شوق سے کھاتے ہیں۔ یہ کباب بیف، مٹن اور مرغ کے گوشت سے بنائے جاتے ہیں۔ ان میں ڈالے جانے والے مسالوں سے ان کی لذت اور خوشبو میں اضافہ ہوتا ہے۔

کترینا نے کہا کہ وہ یہ کباب ٹرائی کرے گی۔ کبابوں اور روٹی کے ساتھ کترینا اور آغا نے افغانی قہوے کا آرڈر دیا۔

جب وہ کابل ائیرپورٹ پر اُترے تھے تو ہوا نہ گرم تھی نہ سرد۔ موسم خاصہ خوشگوار تھا۔ لیکن شام ڈھلتے ہی کابل میں خنکی بڑھنے لگی تھی۔ دونوں ہوٹل سے نکلے تھے تو ان کا خیال تھا موسم ویسے ہی خوشگوار ہوگا جیسے صبح تھا لیکن انہیں علم نہیں تھا کہ کابل میں دن اور رات کے ٹمپریچر میں زمین و آسمان کا فرق ہوتا ہے اور بعض اوقات فضا انتہائی تیزی کے ساتھ سرد ہو جاتی ہے۔

چنانچہ دونوں نے جلدی جلدی ڈنر کیا اور واپس اپنے ہوٹل کی طرف چل پڑے۔ راستے میں موسیقی اور اخبارات کی ایک دوکان تھی۔ کترینا نے دری کا ایک اخبار وہاں سے اٹھایا۔ آغا عاطف نے موسیقی کی چند ٹیپیں خریدیں۔

وہ تیز تیز قدم اٹھاتے ہوٹل پہنچ کر اوپر اپنے کمرے میں چلے گئے۔ کمرے میں جا کر کترینا نے اخبار کا جائزہ لینا شروع کیا۔

اچانک ایک اشتہار پر اس کی نظریں رک گئیں۔ کابل یونیورسٹی میں روسی زبان کے استاد کی جگہ خالی تھی اور لسانیات کا شعبہ جلد سے جلد یہ جگہ پر کرنا چاہتا تھا۔

اشتہار پڑھ کر کترینا کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ آغا عاطف نے اسے مسکراتے ہوئے دیکھا تو مسکرانے کا سبب پوچھا۔

کترینا نے کہا کہ کابل یونیورسٹی میں لسانیات کے شعبے کو روسی زبان کے استاد کی ضرورت ہے۔ اور وہ جلد سے جلد یہ اسامی بھرنا چاہتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ مجھے یہ جگہ مل سکتی ہے۔ اگر ایسا ہو جائے تو ہمارے لیے خلق اور پرچم والوں کے ساتھ تعلقات بنانا آسان ہو جائے گا۔ اگر ایک بار ایسا ہو گیا تو ان کے لیڈروں تک بھی ہماری رسائی آسان ہو جائے گی۔

آغا عاطف نے خبر سن کر کترینا زندہ باد کا نعرہ لگایا۔ اب کترینا اس نعرے کا مفہوم سمجھتی تھی۔ نعرہ سن کر کہنے لگی: "آغا یہ نعرہ تم کل اس وقت لگانا جب مجھے یہ ملازمت مل جائے۔"

اگلے دن صبح ہی صبح کترینا اور آغا عاطف اٹھ کر پہلے ایکسر سائز کے لیے یونیورسٹی گراؤنڈ گئے۔ کئی دنوں سے انہوں نے ایکسر سائز نہیں کی تھی۔ ٹریننگ نے ان کا ایکسر سائز کا پروگرام ڈسٹرب کر دیا تھا۔ چونکہ انہوں نے غیر معین وقت تک افغانستان میں رہنا تھا اس لیے انہوں نے مناسب جانا کہ دوبارہ اپنی زندگی کی روٹین قائم کریں۔

کابل یونیورسٹی کی بلڈنگ پرانی تھی لیکن خستہ حال نہیں تھی۔ یونیورسٹی کے اندر ایکسر سائز کے لیے کئی مناسب جگہیں تھیں۔ لیکن انہوں نے مناسب سمجھا کہ وہ کھلی گراؤنڈ میں دوڑ لگائیں۔ واپس ہوٹل جا کر نہا دھو کر تازہ ہوں۔ کپڑے بدلیں۔ کہیں جا کر ہلکا پھلکا ناشتہ کریں اور پھر لسانیات کے شعبے میں جا کر خالی اسامی کے بارے میں انفارمیشن حاصل کریں اور اگر ہو سکے تو ملازمت کی درخواست دیں۔ چنانچہ پلان کے مطابق وہ ہوٹل سے روانہ ہوئے۔

دونوں نے چند منٹوں کے لیے ایک کیفے پر رک کر ناشتہ کیا اور تیز تیز قدم اٹھاتے کابل یونیورسٹی پہنچ گئے۔ یونیورسٹی پہنچ کر انہوں نے شعبہ لسانیات کے ڈین سے روسی زبان کی اسامی کے بارے میں بات کی تو ڈین نے انہیں بتایا کہ ایک روسی پروفیسر بچوں کو روسی زبان پڑھاتا تھا۔ اسے اچانک یو ایس اے

میں کسی یونیورسٹی میں شعبہ مطالعہ سوویت یونین میں ملازمت مل گئی ہے اور وہ فوری طور پر یہاں سے کام چھوڑ کر امریکہ چلا گیا ہے۔ کترینا نے شعبہ لسانیات کے ڈین کو بتایا کہ وہ پیپلز فرینڈشپ یونیورسٹی میں غیر ملکی طلبا و طالبات کو روسی زبان پڑھاتی ہے۔ وہ کچھ عرصہ افغانستان میں گزارنا چاہتی ہے۔ اگر اسے کابل یونیورسٹی میں روسی زبان کے استاد کی ملازمت مل جائے تو وہ یہاں طویل عرصہ تک بھی قیام کرنے کے بارے میں غور کر سکتی ہے۔

ڈین نے کترینا کی بات سنی تو کہنے لگا کہ وہ کب پڑھانے کے لیے تیار ہو سکتی ہے۔ کترینا نے کہا کہ وہ فوراً یہ ملازمت شروع کر سکتی ہے۔

کترینا کا جواب سن کر شعبہ لسانیات کا ڈین بہت خوش ہوا۔ اس نے فوراً کترینا کی ملازمت کی دفتری کاروائی پوری کی اور اگلے دن سے کام شروع کرنے کے بارے میں کہہ دیا۔

اس نے کترینا سے پوچھا کہ اس وقت اس کی رہائش کہاں ہے؟ کترینا نے بتایا کہ فی الحال اس نے یونیورسٹی کے قریب ایک مقامی ہوٹل میں کمرا کرایہ پر لے رکھا ہے۔

ڈین نے کہا کہ اگر وہ پسند کرے تو وہ آج ہی ان کے رہنے کے لیے فیکلٹی کے رہائشی ایریا میں رہائش کا بندوبست کر سکتا ہے۔ کترینا نے ڈین کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا کہ اگر ایسا ہو جائے تو وہ اس کی مشکور ہو گی۔ کترینا اور ڈین میں یہ گفتگو پشتو اور دری میں ہو رہی تھی۔ آغا عاطف دلچسپی سے دونوں کی بات چیت سن رہا تھا۔

ڈین نے کہا کہ وہ فوری طور پر ان کے ساتھ ہاؤسنگ آفس جائے گا اور ان کے لیے رہائش گاہ کا بندوبست کرے گا۔ چنانچہ ڈین، کترینا اور آغا عاطف تینوں ڈین کے آفس سے نکل کر ہاؤسنگ آفس کی طرف چل پڑے۔ ہاؤسنگ آفس والوں نے شعبہ لسانیات کے ڈین کو خود چل کر ان کے آفس میں آتے دیکھا تو فوراً سمجھ گئے کہ کوئی خاص ایمرجنسی ہے۔ ڈین نے کترینا اور اس کے خاوند کو ہاؤسنگ آفس والوں سے متعارف کراتے ہوئے کہا کہ کترینا شعبہ لسانیات میں روسی زبان کی نئی استاد ہے۔ آج کل وہ اپنے خاوند

کے ساتھ ایک ہوٹل میں رہ رہی ہے۔ اگر وہ اس کے لیے آج ہی رہائش کا بندوبست کر دیں تو وہ ان کا ممنون ہو گا۔ ہاؤسنگ آفس والوں نے کہا کہ روسی زبان کے امریکہ جانے والے استاد والا گھر ابھی خالی ہے۔ اگر وہ پسند کریں تو وہ اس میں فوری طور پر منتقل ہو سکتے ہیں۔ اگر وہ ایک آدھ دن اور ہوٹل میں رہ لیں تو وہ ان کے لیے گھر کی صفائی کرا دیں گے لیکن اگر وہ ایسا نہ چاہیں تو ان کی موجودگی میں بھی گھر میں صفائی کرائی جا سکتی ہے۔

کترینا نے استفہامیہ انداز میں آغا عاطف کی طرف دیکھا۔ آغا نے کہا وہ آج ہی ہوٹل سے گھر میں منتقل ہونے کو ترجیح دے گا۔ باقی چونکہ وہ گھر پر ہی موجود ہو گا اس لیے صفائی ستھرائی کرنے والے اس کی موجودگی میں سارا کام کر سکتے ہیں۔

ان کے گھر میں فوری طور پر منتقل ہونے کی خواہش دیکھ کر ہاؤسنگ والوں نے چند ملازم ان کے ساتھ بھجوائے تا کہ وہ ہوٹل سے ان کا سامان اٹھا لائیں۔

کترینا اور آغا عاطف نے ڈین اور ہاؤسنگ والوں کا شکریہ ادا کیا اور ہاؤسنگ کے ملازمین میں سے صرف ایک کو ساتھ لے کر ہوٹل گئے اور اپنا سامان اٹھا لائے۔

جب انہوں نے فیکلٹی کے رہائشی ایریے میں ملنے والے گھر میں قدم رکھا تو ان کی طبعیت بشاش ہو گئی۔ یہ ایک صاف ستھرا اور کشادہ گھر تھا جس میں تین چار افراد آسانی سے رہ سکتے تھے۔ گھر کابل یونیورسٹی میں ایسی اونچی جگہ پر بنایا گیا تھا جہاں سے تقریباً کیمپس کا سارا منظر دیکھا جا سکتا تھا۔

کابل یونیورسٹی ایک بین الاقوامی یونیورسٹی تھی جس میں طالب علموں اور فیکلٹی میں کافی تعداد میں غیر ملکی موجود تھے۔ کئی ایک انڈین پروفیسر تھے جو انجنیرنگ اور میڈیکل کے شعبوں میں پڑھاتے تھے۔ کئی ایک فرانسیسی اور جرمن پروفیسر بھی تھے۔

کابل یونیورسٹی ملک کی بہترین یونیورسٹی تھی جس میں ہزاروں افغان اور غیر ملکی لڑکے لڑکیاں پڑھتے تھے۔ فیکلٹی سٹاف بھی بہت بڑا تھا۔ ہر ایک شعبے میں کئی استاد تھے۔

یونیورسٹی ملک کی سیاسی اور ثقافتی سرگرمیوں کا مرکز تھی۔ پڑھائی لکھائی کے علاوہ طلبا و طالبات اور اساتذہ آئے روز کوئی نہ کوئی ایسا پروگرام کرتے رہتے تھے جس میں دنیا بھر کی نامور شخصیات کو مدعو کیا جاتا تھا۔

کترینا اور آغا عاطف جس مقصد سے افغانستان آئے تھے کابل یونیورسٹی اس کے لیے بہترین جگہ تھی۔ نہ صرف کیمپس پر خلق اور پرچم کے متحرک طالب علموں کی سرگرمیوں میں وہ حصہ لے سکتے تھے بلکہ وہ کسی لیڈر تک بھی بآسانی رسائی حاصل کر سکتے تھے۔

کترینا اور آغا عاطف نے مل کر گھر میں اپنا سامان مناسب جگہوں پر رکھا۔ کچن اور باتھ روم کا جائزہ لیا۔ خواب گاہ کی مناسب آرائش کی اور کھڑکی میں کھڑے ہو کر کیمپس میں جگہ جگہ بیٹھے اور چلتے پھرتے لڑکوں اور لڑکیوں کو دیکھنے لگے۔

یونیورسٹی کے طالب علموں کے لیے کوئی لباس مخصوص نہیں تھا۔ چنانچہ ہر لڑکے اور لڑکی نے اپنی مرضی کا لباس پہن رکھا تھا۔ زیادہ تر لڑکے اور لڑکیاں شلوار اور قمیض میں ملبوس تھے۔ لڑکیوں نے اپنے سروں پر اسکارف اوڑھ رکھے تھے لیکن کسی کے چہرے پر نقاب نہیں تھا۔ بعض لڑکے اور لڑکیاں پینٹوں اور شرٹوں میں ملبوس تھے۔ زیادہ تر لڑکیاں لڑکیوں کے ساتھ اور لڑکے لڑکوں کے ساتھ گھوم پھر رہے تھے۔

کترینا اور آغا عاطف نے دیکھا کابل کا شفاف نیلا آسمان حسب معمول کابل شہر پر سایہ فگن تھا۔ انہیں لگا کہ وہ کابل میں اپنے گھر میں پہنچ گئے ہیں۔ انہوں نے فی الحال باقی سارے امور کو بھلا کر کھڑکی پر پردہ کھینچا اور ایک دوسرے کی باہوں میں کھو گئے۔

فصل 20

اگلے دن کترینا کابل یونیورسٹی میں ڈیوٹی پر حاضر ہوئی تو ڈین نے اسے ساتھ لے جا کر طالب علموں سے اس کا تعارف کرایا۔ طالب علم کترینا کو بطور استاد کلاس روم میں دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ ایک خوش شکل، ہنس مکھ، حاضر دماغ اور حس مزاح سے بھرپور استاد نہ صرف بچوں کا علمی سفر آسان کر دیتا ہے بلکہ وہ سچے معنوں میں ان کے دلوں میں اپنے مضمون کی محبت بھر دیتا ہے۔

کترینا میں نہ صرف یہ ساری خوبیاں موجود تھیں بلکہ پیپلز فرینڈشپ یونیورسٹی میں بطور استاد اس کی شہرت بہت اچھی تھی۔ اس کے پڑھانے کا طریقہ اتنا موثر تھا کہ اس کے شاگردوں کے دلوں میں اس کے لیے محبت اور احترام کا ایک جذبہ پیدا ہو جاتا تھا۔

ڈین کے کلاس روم سے رخصت ہونے کے بعد اس نے طالب علموں سے کہا کہ وہ ان سے اپنا تفصیلی تعارف کرائے گی۔ ایک اچھے استاد کے لیے یہ ضروری ہے کہ اس کے شاگرد اسے اچھی طرح جانیں۔ اس نے انہیں بتایا کہ وہ کہاں پیدا ہوئی تھی، پری سکول سے لیکر ہائی سکول اور پھر یونیورسٹی تک کس کس ادارے سے اس کا تعلق رہا تھا۔ اس کے پسندیدہ استاد کون کون سے تھے۔ وہ اپنے استادوں کی کن خوبیوں کی وجہ سے ان سے متاثر تھی۔ اس کا پسندیدہ ترین استاد کون تھا۔ اس کو دوسرے استادوں پر کس وجہ سے فوقیت حاصل تھی۔ اس نے سکول اور کالج کے نصاب کے علاوہ کن فنون میں تربیت حاصل کی تھی اور کیوں۔

وہ اپنا تعارف کرا رہی تھی تو سارے طالب علم پورے انہماک اور توجہ سے اس کی گفتگو سُن رہے تھے۔ وہ اپنے تعارف کے دوران جس طرح پشتو، دری اور روسی زبان کی باریکیوں پر روشنی ڈال رہی تھی طلبا اس پر انگشت بدنداں تھے۔ اپنا تفصیلی تعارف کرانے کے بعد اس نے طالب علموں سے استدعا کی کہ ان میں سے ہر ایک اپنا تعارف اس طرح کرائے کہ اس کی شخصیت کے تمام پہلو اس کے ساتھی طالب علموں پر

نمایاں ہو جائیں۔ تعارف کرانے کا یہ انداز طالب علموں کو اچھا لگا۔ اپنا تعارف کراتے ہوئے ہر طالب علم محسوس کر رہا تھا کہ وہ اپنی ذات کے کچھ ایسے گوشوں سے شناسائی حاصل کر رہا تھا جن کے بارے میں اس سے پہلے وہ خود بھی آشنا نہیں تھا۔ تعارف کراتے ہوئے اگر کوئی طالب علم کسی نقطے پر الجھن محسوس کرتا تو وہ ایسا سوال پوچھتی جس سے اس کی سوچ اس کے ذہن میں واضح ہو جاتی اور وہ بہتر انداز میں اپنے بارے میں اظہار خیال جاری رکھتا۔

کترینا کا پہلا دن کلاس میں اس طرح صرف ہوا کہ کوئی طالب علم کلاس ختم ہونے کے بعد کلاس سے رخصت نہیں ہونا چاہتا تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ وہ اپنی روسی زبان کی اس نئی استاد کے ساتھ مزید وقت گزاریں۔ اس نے انہیں کل ملاقات کے وعدے سے اگلی کلاس میں جانے پر آمادہ کیا۔

کترینا نے اپنے پہلے دن کا بھرپور استعمال اس لیے کیا تھا کیوں کہ وہ چاہتی تھی کہ جتنی جلدی ممکن ہو اس کی کابل آمد کی اطلاع ان سب لوگوں تک پہنچ جائے جن تک وہ اپنی موجودگی کی اطلاع پہنچانا چاہتی تھی۔ فی الحال اس کا ہدف کیمپس پر خلق اور پرچم سے وابستہ طالب علم تھے۔

پہلی کلاس سے فارغ ہو کر اس نے وہی پیٹرن اگلی کلاس کے طالب علموں کے ساتھ بھی دہرایا اور پھر اس سے اگلی کلاس کے طالب علموں کے ساتھ بھی۔

اسے دن کے اختتام پر اپنی اسٹریٹیجی کی کامیابی کا اس وقت اندازہ ہوا جب سر شام اس کے گھر کے دروازے پر دستک ہوئی۔ اس نے اٹھ کر گھر کا دروازہ کھولا تو دروازے پر خلق گروپ کے چند ممبر طالب علم کھڑے تھے۔ وہ خلق گروپ کی طرف سے کترینا کو کابل میں خوش آمدید کہنے آئے تھے۔ کترینا نے خندہ پیشانی سے ان کا ملاقات کے لیے آنے پر ان کا شکریہ ادا کیا۔ اس نے ان سے وعدہ کیا کہ اس کی ان کے ساتھ باقاعدگی کے ساتھ ملاقاتیں رہیں گی۔ اور وہ ان سے کابل کی صورت حال کے بارے میں زیادہ سے زیادہ جاننے کی کوشش کرے گی۔

اس نے فی الحال ان سے یہ کہہ کر رخصت چاہی کہ وہ کل ہی کابل پہنچی ہے اور اسے ایڈجسٹ ہونے کے لیے چند دن درکار ہیں۔ انہوں نے خوش دلی سے اس کا عذر قبول کیا اور اس سے مستقل رابطے میں رہنے کا وعدہ لے کر رخصت ہوئے۔

ابھی انہیں رخصت ہوئے چند منٹ ہی ہوئے ہوں گے کہ ایک بار پھر اس کے گھر کے دروازے پر دستک ہوئی۔ اب کی بار اس نے دروازہ کھولا تو چند دوسرے طالب علموں کا گروپ اس کے دروازے پر کھڑا تھا۔ اس نے انہیں بھی خندہ پیشانی سے خوش آمدید کہا۔

انہوں نے اسے بتایا کہ وہ پرچم گروپ کے ممبران ہیں اور اپنے گروپ کی طرف سے اسے کابل میں خوش آمدید کہنے آئے ہیں۔ کترینا نے ان کا بھی ملاقات کے لیے آنے پر خوش دلی سے شکریہ ادا کیا اور ان کے سامنے بھی وہی عذر پیش کیا کہ وہ کابل میں کل ہی پہنچی ہے۔ اسے یہاں ایڈجسٹ ہونے کے لیے چند دن درکار ہیں۔ اس کے بعد وہ مستقل ان سے رابطے میں رہے گی اور ان سے کابل کے بارے میں زیادہ جاننے اور سیکھنے کی کوشش کرے گی۔ انہوں نے بھی احترام سے اس کا عذر قبول کیا اور چند دن بعد ملنے کا وعدہ کر کے اس کے گھر سے رخصت ہو گئے۔

آغا عاطف دونوں بار اس کے ساتھ کھڑا تھا۔ اس نے طالب علموں کو اس طرح کترینا کے ساتھ احترام سے پیش آتے دیکھا تو اسے اپنا زمانہ طالب علمی یاد آ گیا۔ اسے اپنے استاد یاد آئے۔ اسے یاد آیا کہ وہ کس طرح اپنے اساتذہ سے محبت اور احترام سے پیش آیا کرتے تھے۔

کترینا نے گھر کا دروازہ بند کیا تو آغا عاطف نے اسے باہوں میں لے لیا۔ شادی کے بعد آج پہلا دن تھا کہ کترینا سارا دن اس سے جدا رہی تھی۔

اس نے کترینا کے جانے کے بعد سارا دن گھر کی صفائی پر صرف کیا تھا۔ بازار سے گروسری خرید کر لایا تھا۔ کترینا اور اپنے لیے لنچ اور ڈنر تیار کیا تھا۔

اس نے لنچ اور ڈنر کے لیے خوراک روسی انداز میں پکائی تھی۔ کترینا کو کابل میں ریستوران کی مصالحوں میں پکی خوراک اچھی لگی تھی۔ اس نے آغا سے پوچھا کیا اسے ویسی خوراک بنانی آتی ہے۔ آغا نے کہا نہ صرف اسے وہ خوراک بنانی آتی ہے بلکہ اگر وہ پسند کرے تو وہ اسے بھی چند دنوں میں وہ خوراک بنانی سکھا سکتا ہے۔ کترینا نے کہا کہ وہ اس طرح خوراک پکانا ضرور سیکھنا چاہتی ہے لیکن اس کا خیال ہے کہ وہ جلد ہی یہاں اتنا مصروف ہو جائیں گے کہ ان کے پاس خوراک تیار کرنے کا وقت نہیں ہو گا۔

آغا نے کہا وہ دنیا کے اس خطے کا رہنے والا ہے۔ یہاں چیزیں جیسے دکھائی دیتی ہیں ویسے ہوتی نہیں اور جیسی ہوتی ہیں ویسے دکھائی نہیں دیتیں۔ اس لیے ہمیں افغانستان میں ہر قدم پھونک پھونک کر رکھنا ہو گا۔ ہمیں اپنے سارے کارڈ اپنی چھاتیوں کے قریب رکھنا ہوں گے۔ ہمیں ہر شخص کو صرف اتنے کارڈ دکھانے ہوں گے جتنے ضروری ہوں۔ کترینا نے آغا کی گفتگو سے محسوس کیا کہ وہ اس کے دوست اور دمساز کی بجائے اس کے محافظ کا کردار ادا کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔

اُس نے اُس کے بازووں میں اٹھلاتے ہوئے کہا کہ وہ ایک مضبوط لڑکی ہے۔ وہ دنیا کی مشکل ترین صورت حال کا آسانی کے ساتھ سامنا کر سکتی ہے۔ افغانستان بھلے کتنا بھی پیچیدہ کیوں نہ ہو وہ جو گول لے کر یہاں آئی ہے کم سے کم وقت میں ان کی تکمیل کے بعد یہاں سے واپس ماسکو جائے گی۔

اس نے آغا عاطف کو بتایا کہ آج صبح اس نے ایک اسٹر ٹیجی بنائی تھی۔ اس کے نتائج بالکل اس طرح بر آمد ہوئے جیسے اس کی توقع تھی۔ خلق اور پرچم سے تعلق رکھنے والے جو طالب علم اُسے ملنے آئے تھے وہ اُس کی کامیاب اسٹر ٹیجی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

کترینا اور آغا دونوں خوش تھے کہ ان کا خلق اور پرچم گروپوں سے تعلق رکھنے والے چند طالب علموں سے رابطہ ہو چکا تھا۔ اب انہیں اپنی توجہ ان کے لیڈروں تک رسائی حاصل کرنے پر مرکوز کرنا تھی۔

آغا نے کترینا سے کہا کہ انہیں پہلے ان طالب علموں کے ذریعے دونوں گروپوں کے اندر بنیادی اختلافات کے بارے میں جاننے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ ہمیں جاننا چاہیئے کہ مختلف ایشوز پر ان کی پوزیشن کیا ہے۔ اور وہ کس حد تک اپنی پوزیشنوں پر بضد ہیں۔

کترینا نے کہا کہ ان کی مختلف ایشوز پر جو بھی پوزیشنیں ہوں لیکن ہم یہ جانتے ہیں کہ خلق والے فوری طور پر افغانستان میں انقلاب برپا کرنا چاہتے ہیں اور ہمیں انہیں ہر صورت میں قائل کرنا ہے کہ وہ فی الحال اپنے ارادے سے باز رہیں۔

جن طالب علموں نے ہم سے رابطہ کیا ہے، آنے والے دنوں میں ہم ان کے ذریعے، کابل یونیورسٹی میں کوئی پلیٹ فارم بنائیں جہاں سے پی ڈی پی اے کی لیڈرشپ کو باور کرائیں کہ اس وقت کونسے اقدامات کرنا اور کون سے اقدامات سے دور رہنا افغانستان کے انقلاب کے حق میں ہے۔

لیکن کترینا پاکستان میں ترقی پسند قوتوں کا ماننا ہے کہ اگر افغانستان میں انقلاب آتا ہے تو اس سے پاکستان میں انقلاب برپا کرنے میں مدد ملے گی۔

پاکستان میں کمیونسٹ انقلاب دنیا بھر کی انقلابی قوتوں کے لیے ایک اتنی بڑی فتح ہو گی کہ سارے مڈل ایسٹ اور ساؤتھ ایشیا پر اس کے اثرات مرتب ہوں گے۔

"تمہارا نقطہ نظر ٹھیک ہے۔ لیکن پاکستان میں انقلاب کا دور دور تک کوئی امکان نہیں۔ اس کی ایک وجہ تو پاکستان کے اندرونی کلاس سسٹم کی پیچیدگیاں ہیں دوسرا پاکستان بین الاقوامی سامراجی نظام کا ایک اہم حصہ ہے۔ بین الاقوامی سامراج آسانی سے پاکستان کو انقلاب کے راستے پر نہیں جانے دے گا۔" کترینا نے آغا عاطف کی بات کا جواب دیتے ہوئے کہا۔

بات افغانستان کی ہو رہی تھی لیکن آغا عاطف نے سارا رخ پاکستان کی طرف موڑ دیا۔ کترینا پاکستان کے بارے میں زیادہ نہیں جانتی تھی لیکن پشتو کی کلاسوں کے استادوں نے کافی وقت پاکستان کے پشتون علاقوں پر صرف کیا تھا۔ اس حوالے سے پاکستان کے بارے میں اس کی کلاسوں میں کئی بار بات ہوئی تھی

لیکن اس نے لسانی ضرورت سے زیادہ کبھی پاکستان پر کچھ نہیں پڑھا تھا۔ پشتو کی پڑھائی کے حوالے کے علاوہ وہ پاکستان کو فیض احمد فیض کے حوالے سے جانتی تھی۔ فیض کی سب کتابیں روسی میں ترجمہ ہو چکی تھیں اور اس نے اس کی تقریباً ہر کتاب نہ صرف پڑھی تھی بلکہ اس کی کئی نظمیں اسے روسی زبان میں ازبر تھیں۔

یہاں تک کہ اسے فیض کے شعر سنانے کا انداز بھی پتہ تھا۔ وہ کوشش کرتی کہ روسی میں فیض کی نظمیں فیض کے انداز میں پڑھے۔ اسے فیض کی نظم یہ داغ داغ اجالا خاص طور پر بہت پسند تھی۔ وہ فیض کو اردو کا سب بڑا شاعر مانتی تھی۔

آغا نے اسے پوچھا کہ پاکستان کے کلاس سسٹم کی پیچیدگیوں سے اس کی کیا مراد ہے۔ اس نے کہا کہ "پاکستان میں مزدور اور کسان بطور کلاس بہت کمزور ہیں۔ انقلاب کے لیے اکثر جنگ لڑنا پڑتی ہے۔ روسی انقلاب کے بعد مزدوروں کو باقاعدہ جنگ لڑنا پڑی تھی جو کئی سال چلتی رہی۔ پاکستان کے مزدور اور کسان نہ اب اس قابل ہیں کہ پاکستان میں سیاسی اقتدار پر قابض ہوں نہ کل اس قابل ہوں گے۔ پھر پاکستان میں روحانی راہنما انقلاب کے راستے میں سب سے بڑی رکاوٹ ہیں۔ بلکہ وہ پاکستان کی معاشی ترقی کی راہ میں بھی سب سے بڑی رکاوٹ ہیں۔ وہ لوگوں کے روحانی راہنما ہیں، وہ زمیندار ہیں، وہ سرمایہ دار ہیں اور وہ سیاسی اقتدار پر قابض ہیں۔ وہ پاکستانی نظام کے ایسے پرزے ہیں جو پاکستان کی مختلف سماجی سطحوں پر مختلف کردار ادا کرتے ہیں۔ چنانچہ وہ پاکستانی نظام کو برقرار رکھنے کے لیے ہر سطح پر اتنے بااثر ہیں کہ پاکستانیوں کے لیے ان سے نجات پانا تقریباً ناممکن ہے۔"

"اور بین الاقوامی سطح پر پاکستان سامراجی قوتوں کا اہم حصہ ہے سے تمہاری کیا مراد ہے؟" آغا عاطف نے کترینا کے دوسرے نقطے کی وضاحت طلب کی۔

"پاکستان نے کئی ایسے بین الاقوامی معاہدے کر رکھے ہیں، خفیہ اور ظاہر، جن کی وجہ سے پاکستان پابند ہے کہ بین الاقوامی سامراجی قوتوں کے مفادات کا تحفظ کرے۔ جس کے صلے میں پاکستان کی دال روٹی

چلتی ہے۔ ان بین الاقوامی سامراجی قوتوں نے اس طرح پاکستان کو جکڑ رکھا ہے کہ پاکستان چاہے بھی تو ان کی جکڑ سے نجات نہیں پا سکتا۔"

کترینا کی پاکستان کے بارے میں باتیں سن کر آغا سوچ رہا تھا کہ اگر کترینا کی پاکستان کے بارے میں معلومات کا یہ عالم ہے تو جو روسی پاکستان کے نظام کو حقیقی معنوں میں سمجھتے ہیں ان کی معلومات کا عالم کیا ہو گا۔

کترینا نے آغا کو سوچ میں ڈوبے دیکھا تو کہنے لگی فی الحال ہمیں افغانستان کے انقلاب پر تلے ہوئے خلق اور پرچم کے کارکنوں کو انقلاب کی طرف بڑھنے سے روکنا ہے۔ پاکستان کے بارے میں ہم فقط اس حد تک سوچیں گے جہاں تک اس کا افغانستان کے ساتھ تعلق ہے۔ اس سے زیادہ پاکستان کے بارے میں سوچنا ہمارے احاطہ کار سے باہر ہے۔ اور سوویت یونین کی سب سے بڑی طاقت یہی ہے کہ کوئی شخص اپنے احاطہ کار سے باہر نہیں جا سکتا چاہے وہ کمیونسٹ پارٹی کا جنرل سیکرٹری ہی کیوں نہ ہو۔

کترینا اور آغا عاطف کی انہی باتوں میں کابل کے آسمان پر چاروں طرف رات دھیرے دھیرے اترنا شروع ہوئی تو شہر میں روشنیاں جل اٹھیں۔ کترینا نے آغا سے کہا کہ وہ گھر کی بجائے شہر میں جا کر کسی مقامی ریستوران پر ڈنر کریں گے۔ آغا نے سارا دن گھر پر گزارہ تھا۔ اسے باہر جا کر ڈنر کرنے کا خیال اچھا لگا۔

فضا میں خنکی کی وجہ سے دونوں نے ہلکے گرم کپڑے پہنے اور آہستہ آہستہ شہر کی طرف چل پڑے۔ انہیں لگا ماسکو کے بعد کابل ان کا دوسرا گھر ہے۔

فصل 21

کترینا اور آغا کو کابل آئے کئی ہفتے گزر چکے تھے۔ کابل یونیورسٹی میں اب کترینا کا نام جانا پہچانا تھا۔ سبھی طالب علم اور فیکلٹی ممبران جانتے تھے کہ کترینا اور آغا عاطف کون ہیں، کہاں سے آئے ہیں، اور ان کا باہمی رشتہ خاوند اور بیوی کا ہے۔ لیکن ان کے کابل آنے کے اصل مقصد کا کسی کو کوئی اندازہ نہیں تھا۔ کترینا کا سوویت آرمی سے براہ راست کوئی تعلق نہیں تھا۔ وہ وزارت دفاع کی بھی براہ راست ملازم نہیں تھی۔ وزارت دفاع کے بیرونی امور کے آفس نے عارضی طور پر اس کی خدمات حاصل کی تھیں اور اسے ایک خاص مقصد کے لیے کابل بھجوایا تھا۔ لیکن کابل میں تمام سول اور ملٹری اتھارٹیز کو ہدایات جاری کر دی گئی تھیں کہ اگر کترینا اور اس کے خاوند کو کسی قسم کی مدد درکار ہو تو فوری طور پر ان کو مطلوبہ امداد فراہم کی جائے۔

کترینا نے کابل یونیورسٹی میں محض اس لیے ملازمت اختیار کی تھی کہ کسی کو یہ وہم نہ گزرے کہ وہ کابل میں ماسکو کے وزارت دفاع کے بیرونی امور کے احکامات کے تحت کسی خاص مقصد کے لیے قیام پذیر ہے۔ دوسرے وہ خلقی اور پرچمی طالب علموں کے ذریعے سے پیپلز ڈیموکریٹک پارٹی آف افغانستان کے لیڈروں تک رسائی حاصل کرنا چاہتی تھی۔

ایک دن وہ چند پرچمی طالب علموں کے ساتھ کابل کے ایک اچھے ریستورانٹ میں ڈنر کرنے کے لیے پہنچی۔ آغا عاطف بھی اس کے ہمراہ تھا۔ وہ میز پر بیٹھے کابل یونیورسٹی میں خلق اور پرچم گروپوں کی سیاست پر گفتگو کر رہے تھے۔ انہوں نے دیکھا ایک درمیانے قد کا نوجوان شلوار قمیض میں ملبوس سر پر پشتون ٹوپی پہنے گرم چادر لپیٹے ریستوران میں داخل ہوا۔ کترینا اور آغا کے ساتھ بیٹھے سبھی طالب علم اس کے احترام میں کھڑے ہو گئے۔

ریستوران میں آنے والے نوجوان نے ان پرچمی طالب علموں کو کھڑے دیکھا تو وہ سیدھا انہی کی طرف چلا آیا۔ اس نے ان کے قریب آکر سب کو سرخ سلام کہا۔ اس کے جواب میں پرچمی طالب علموں نے بھی اسے سرخ سلام کہا۔ اس نے کترینا اور آغا عاطف سے ہاتھ ملاتے ہوئے اپنا تعارف کرایا۔

"میں عادل خان ہوں۔ میرا کابل یونیورسٹی میں پرچمی اور خلقی طالب علموں سے قریبی تعلق ہے۔ میں سازمانِ کارمندانِ افغانستان کا صدر ہوں۔"

کترینا نے اس کے جواب میں اپنا اور آغا عاطف کا تعارف کرایا۔

"میں کترینا اور یہ میرا خاوند آغا عاطف ہے۔ ہم چند ہفتے قبل ماسکو سے کابل آئے تھے۔ میں ماسکو میں پیپلز فرینڈشپ یونیورسٹی میں روسی زبان کی استاد تھی۔ اس کے علاوہ فلالوجی ڈیپارٹمنٹ میں پی ایچ ڈی کی طالبہ تھی۔ آغا عاطف سے میری ملاقات وہیں ہوئی تھی۔ ہم دونوں نے مختصر معاشقے کے بعد آپس میں شادی کرلی تھی۔ شادی کے بعد گھومنے پھرنے کے لیے کابل آئے تھے۔ یہاں اخبار میں کابل یونیورسٹی میں روسی زبان کے استاد کی خالی اسامی کا اشتہار دیکھا۔ ملازمت کے لیے درخواست دی۔ نوکری مل گئی تو یہیں ٹک گئے۔ ہمیں کابل اچھا لگا ہے۔ شاید سال دو سال تک یہیں رہیں۔ کابل یونیورسٹی کا ماحول بہت اچھا ہے۔ رہنے کے لیے معقول جگہ بھی مل گئی ہے۔ جو ماسکو میں ہمارے چھوٹے سے اسٹوڈیو سے کہیں بہتر ہے۔ ایسا اچھا ماحول میسر آنے کے بعد ہم چاہیں بھی تو کابل چھوڑ کر نہیں جاسکتے۔ "کترینا نے اتنا لمبا تعارف کرایا کہ اس نے عادل خان کے لیے ذاتی حوالے سے کسی سوال کی گنجائش نہ چھوڑی۔

عادل خان نے ہنستے ہوئے کہا۔ "کاش اس کا تعارف اتنا طویل ہوتا۔ لیکن وہ اپنے طویل تعارف کی بجائے افغانستان میں بائیں بازو کے حوالے سے انہیں افغان پس منظر سے آگاہ کرسکتا ہے۔

کترینا نے کہا "ضرور، ضرور وہ کابل میں بائیں بازو کے تاریخی پس منظر کو ضرور جاننا پسند کرے گی لیکن اُسے افغانستان میں ہونے والی حالیہ تبدیلیوں پر خاصی تشویش ہے۔

داؤد پی ڈی پی اے کی مدد سے بر سر اقتدار آیا تھا۔ سوویت یونین نے داؤد کے ٹیک اوور کی حمایت کی تھی۔ بعد میں افغانستان کی تعمیر و ترقی کے لیے اس کے ساتھ قریبی تعاون کا آغاز کیا۔ افغانستان میں گیس کے منصوبوں کی ترقی کے لیے بھرپور مدد کی۔ فوجی ساز و سامان دیا۔ افغان فوج کی ٹریننگ میں اسے مدد فراہم کی۔ لیکن اب شاہ ایران اور بھٹو کے کہنے پر اس نے اسلامی اور مغربی ممالک کے ساتھ تعلقات بڑھانا شروع کر دیئے ہیں۔ یہاں تک کہ اب مصری فوجی افغانی فوجیوں کو تربیت دے رہے ہیں۔

اس کے اسلامی اور مغربی ممالک کے ساتھ بڑھتے ہوئے تعلقات سوویت یونین کی سکیورٹی کے لیے خطرناک ثابت ہو سکتے ہیں۔ وہ چاہتی ہے کہ وہ پرچمی لیڈروں سے ملاقات کرے اور انہیں بتائے کہ سوویت یونین ان کا قریبی خلیف ہونے کے باوجود داؤد حکومت کی پالیسیوں کی تبدیلیوں کو کس طرح دیکھتا ہے۔ وہ چونکہ داؤد حکومت کے ساتھ قریبی تعاون کر رہے ہیں اس لیے ضروری ہے کہ انہیں اندازہ ہو اور وہ داؤد کو بھی باور کرائیں کہ وہ افغانستان میں اسلامی اور مغربی دنیا کے بڑھتے ہوئے اثر و نفوذ کو روکے۔

عادل خان نے کترینا کی گفتگو سنی تو اس نے اسے کہا کہ اگر وہ پسند کرے تو وہ اس کی پی ڈی پی اے کے لیڈروں سے ملاقات کا بندوبست کر سکتا۔

کترینا عادل خان کی آفر سن کر تقریباً اچھل پڑی۔ اسے لگا کہ چند ہفتوں کے قیام کے بعد آخر وہ کابل میں سوویت مفادات کے تحفظ کے لیے کچھ کردار ادا کرنے کے قریب پہنچ رہی ہے۔

اس نے عادل خان سے کہا کہ وہ ترجیح دے گی کہ وہ جس سے بھی ملے تعلیمی حوالے سے ملے۔ پھر اس نے عادل خان سے پوچھا کہ اس کے خیال کے مطابق اس کے گروپ کے خلقیوں اور پرچمیوں سے تعلقات ٹھیک نہیں۔ ایسے میں وہ کیسے ان کے ساتھ اب تک میل ملاقات چلا رہا ہے۔

عادل خان نے کہا کہ اگرچہ ان کا گروپ شعلہ جاوید کئی سال قبل خلق سے الگ ہوا تھا لیکن خلقی اور پرچمی لیڈروں کا زیادہ تر تعلق غلزئی قبیلے سے ہے۔ اس کا بھی تعلق غلزئی قبیلے سے ہے اس لیے نظریاتی اختلافات کے باوجود ان میں میل ملاقات چلتی رہتی ہے۔

کترینا نے کہا شعلہ جاوید والے سارے کے سارے ماؤنواز ہیں۔ جب کہ پرچمی ماسکو نواز ہیں۔ کیا ان کے ساتھ تعلقات میں اسے دشواری پیش نہیں آتی۔

کترینا نے عادل خان سے سوال وجواب کے دوران تقریباً اس پر واضح کر دیا کہ وہ افغانستان میں بائیں بازو کے مختلف دھڑوں کی تخلیق اور ان کے باہمی اختلافات سے اچھی طرح آگاہ ہے۔ جو طالب علم اسے عادل خان سے ملانے لائے تھے وہ کترینا کے عادل خان کے ساتھ سوال وجواب سن کر حیران ہو رہے تھے کہ کترینا افغانستان میں نووارد ہونے کے باوجود کس طرح بائیں بازو کی سیاست کو سمجھتی ہے۔

عادل خان نے کترینا سے سوویت یونین کے اندر افغانستان کے مسئلے پر پائی جانے والی رائے کے بارے میں سوال کیا۔ کترینا نے اس کے سوال کے جواب میں اسے بتایا کہ سوویت یونین میں افغانستان میں انقلاب کے بارے میں مایوس کن حد تک منفی جذبات پائے جاتے ہیں۔ تمام حکومتی سیاسی اداروں کا خیال ہے کہ افغانستان ابھی انقلاب کے لیے تیار نہیں ہے۔ اسی وجہ سے ماسکو میں خلق والوں کے برعکس پرچم والوں کے نقطہ نظر کو زیادہ پذیرائی حاصل ہے۔ لیکن اگر افغانستان میں انقلاب آتا ہے تو سوویت یونین کو بہر حال نہ صرف اس کی مدد کرنی پڑے گی بلکہ اس کی حفاظت بھی کرنا ہوگی۔

کابل آنے کے بعد آغا عاطف تقریباً کترینا کی ہر کسی کے ساتھ ہونے ولی گفتگو میں شریک رہا تھا۔ اسے کترینا کی باتیں سن کر مسلسل اندازہ ہو رہا تھا کہ سوویت سسٹم ایک بند دروازوں کا نظام تھا جس میں غلطیوں کے امکانات تھے اور وہ بھی ایسی غلطیوں کے جن سے سوویت یونین کی اپنی سالمیت خطرے میں پڑ سکتی تھی۔

اس نے کترینا اور عادل خان سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا" اگر افغان انقلابی سمجھتے ہیں کہ وہ افغانستان میں انقلاب لا سکتے ہیں تو وہ ایک تجربہ تو کر سکتے ہیں لیکن افغان معاشرے میں انقلاب لانا تقریباً ناممکن ہے۔ افغانی کبھی بھی ایک انقلابی حکومت کو آسانی کے ساتھ برداشت نہیں کریں گے۔ انہیں شاید افغانستان کے سوویت یونین کے ساتھ گہرے تعلقات قائم کرنے پر اتنا اختلاف نہ ہو لیکن اگر کسی کا یہ خیال ہے کہ وہ انقلاب کے نام پر روسیوں کی نگرانی قبول کر لیں گے تو وہ سخت غلط فہمی میں مبتلا ہے۔"

عادل خان نے آغا عاطف کی بات سن کر اس کی طرف قدرے درشت نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا کہ "افغانستان میں انقلاب آئے گا اور کامیاب بھی ہو گا۔ جو بھی سوچتا ہے کہ افغانستان میں انقلاب نہیں آ سکتا وہ افغانی انقلابیوں کے عزم سے آشنا نہیں۔"

آغا عاطف نے عادل خان کی بات سنی تو کہنے لگا وہ اس کا دل نہیں توڑنا چاہتا لیکن سچ یہ ہے کہ افغانستان ایک اسلامی ملک ہے۔ اسلامی ممالک اپنی سماجی ساخت میں نہ جمہوریت کے لئے موزوں ہیں نہ انقلاب کے لئے۔ اسلامی ممالک میں نہ جمہوریت کامیاب ہو سکتی ہے نہ انقلاب۔ لوگ جمہوریت اور انقلاب کے نعرے لگاتے، اور جدوجہد کرتے کرتے فوت ہو جائیں گے لیکن ان ممالک میں جمہوریت آئے گی نہ انقلاب۔

عادل خان نے آغا کی بات سنی تو اسے اندازہ ہوا کہ وہ خالصتاً افغانستان کے حوالے سے بات نہیں کر رہا تھا۔ وہ سب اسلامی ملکوں کے بارے میں بیان دے رہا تھا جن میں پاکستان بھی شامل ہے۔ آغا عاطف کی بات سن کر عادل خان کی درشتگی قدرے کم ہوئی تو اس نے آغا عاطف سے پوچھا کہ " وہ ایسے کیوں سوچتا ہے۔"

آغا عاطف نے عادل خان کو کچھ ہلکے موڈ میں دیکھا تو کہنے لگا "مسلمان ہر چیز کی ذمہ داری خدا کی طرف منتقل کر کے خود کو بری الذمہ کر لیتے ہیں۔ وہ اس دنیا میں کسی چیز کی ذمہ داری قبول نہیں کرتے۔ بیمار ہو کر مر جائیں تو اسے خدا کی طرف سے آئی کہہ کر مطمئن ہو جاتے ہیں۔ ملازمت نہ ہو تو مقدر کا لکھا سمجھ کر

جدوجہد نہیں کرتے۔ حالات خراب ہوں تو اسے قسمت سمجھ کر قبول کر لیتے ہیں۔ اس لئے میں سمجھتا ہوں کہ جمہوریت یا انقلاب ان کی ذہنی ساخت میں کہیں فٹ نہیں ہوتے۔"

کترینا کے طالب علم بھی آغا عاطف کی گفتگو انتہائی دلچسپی کے ساتھ سن رہے تھے۔ انہوں نے آغا عاطف سے سوال کیا" کیا اس وجہ سے وہ ہر طرح کی جدوجہد بند کر دیں۔"

آغا نے کہا کہ "اس نے جدوجہد بند کرنے کے بارے میں نہیں کہا۔ لیکن وہ یہ ضرور کہتا ہے کہ اگر انقلابی مسلمان اسلامی ممالک میں انقلاب لانا چاہتے ہیں تو پہلے انہیں ان ممالک میں پبلک کی ذہنیت تبدیل کرنی پڑے گی۔ بالکل اسی طرح جیسے ایک کاشتکار کھیتی باڑی سے پہلے زمین تیار کرتا ہے۔ زمین تیار ہو گی تو بیج اگیں گے۔ پودے جوان ہوں گے۔ ان پر پھل پھول آئیں گے۔ اگر کھیت تیار نہیں ہوں گے تو بیج بغیر اُگے گل سڑ جائیں گے۔ عوام کو تیار کئے بغیر جہاں انقلاب لانے کی کوشش کی جاتی ہے وہاں قتل و غارت کرنا پڑتی ہے۔ سول وار لڑنی پڑتی ہے۔ جس میں بعض اوقات لاکھوں لوگ قتل ہو جاتے ہیں۔ ایسے انقلاب کا کیا فائدہ جس میں لاکھوں لوگوں کو قتل کیا جائے؟"

کترینا ماسکو میں پیدا ہوئی تھی۔ ماسکو میں پلی بڑھی تھی۔ ماسکو میں سکول گئی تھی۔ کاشتکاری کے اصولوں اور طریقوں سے آشنا نہیں تھی۔ لیکن اسے لگا کہ آغا عاطف بات ٹھیک کر رہا ہے۔ ہر چیز کا ایک پراسس ہوتا ہے۔ اس پراسس میں سے گزرے بغیر مثبت نتائج کی توقع رکھنا حماقت کے مترادف ہوتا ہے۔

شاید اسی لیے وزارت دفاع کے بیرونی امور کے دفتر والوں نے اسے کابل بھیجا ہے کہ وہ خلقیوں اور پرچمیوں کو سمجھائے کہ وہ فی الحال داؤد پر دباؤ ڈال کر اسے اسلامی اور یورپی دنیا کی گود میں جانے سے روکیں اور خود اسی طرح اس کے ساتھ تعاون کرتے رہیں جیسے کر رہے ہیں۔

وہ کافی دیر سے ریسٹوران میں بیٹھے باہمی گفتگو میں اس طرح الجھے تھے کہ انہیں اندازہ نہ ہوا کہ انہوں نے ابھی کھانے کا آرڈر نہیں کیا۔

بیرہ کئی بار ان کے پاس آیا اور آکر چلا گیا لیکن انہوں نے اس کی طرف توجہ نہ دی۔ سب افغانستان میں انقلاب کے امکانات کے بارے میں گفتگو میں اس طرح مصروف ہوئے کہ ریستوران میں آنے کا مقصد بھول گئے۔

آغا نے عادل خان سے کہا وہ تشریف رکھے تا کہ وہ ڈنر کے لیے آرڈر کرے۔ عادل خان نے کہا "اِس ریستوران کا مالک اُس کا دوست ہے۔ اُس نے پہلے ہی اُسے بتا رکھا ہے کہ آپ سب میرے خصوصی مہمان ہیں۔ وہ سب کے لیے برّہِ کا تازہ گوشت تیار کر رہا۔ ریستوران چند منٹوں میں بند ہو جائے گا۔ پھر ہم یہاں پرائیوٹ محفل سجائیں گے۔ ہم نے شہر کے بہترین گانے والے کو بلایا ہے۔ یہاں ضیافت ہوگی۔ میوزک ہوگا۔ اور نو عمر لڑکوں کا ڈانس ہوگا۔ کترینا کو آج کی شام زندگی بھر یاد رہے گی۔"

عادل خان ابھی یہ بات کر رہا تھا کہ ریستوران کے مالک نے ریستوران بند کر دیا۔ ٹیبل اور کرسیاں ایک طرف کر کے درمیان میں کارپٹ بچھایا گیا۔ برّہِ کا تازہ گوشت کارپٹ کے درمیان میں رکھا گیا۔ ساتھ کابلی نان اور روسی شراب کی بوتلیں رکھی گئیں۔ ریستوران کا مالک بھی ان کے ساتھ آکر ضیافت میں شامل ہُوا۔ انہوں نے کھانا کھایا۔ سازندوں نے ساز چھیڑے اور نوجوان لڑکوں نے پیروں میں گھنگرو پہن کر رقص شروع کر دیا۔ کترینا کے لیے یہ ایک نیا تجربہ تھا۔ افغانستان کا ایک ایسا رخ جسے وہ پہلی بار دیکھ رہی تھی۔ جس کے بارے میں اسے ماسکو میں کبھی کسی نے نہیں بتایا تھا۔ آغا اور کترینا اس ضیافت سے بہت محظوظ ہوئے۔ انہیں لگا افغانستان ایک دلچسپ ملک ہے۔ جہاں غیر ملکیوں کے لئے تفنن طبع کے لئے بہت سا سامان موجود ہے۔

فصل 22

چند دن بعد کترینا یونیورسٹی میں پڑھانے کے بعد کلاس روم سے باہر نکلی تو کابل میں سوویت ایمبیسی کا ایک اہلکار اس کا انتظار کر رہا تھا۔

کابل میں سوویت ایمبیسی میں ہزاروں روسی کام کرتے تھے۔ جن میں ہر شعبے کے لوگ شامل تھے۔ کئی براہ راست سوویت آرمی سے وابستہ تھے۔ کئی انجنیئرز، ڈاکٹرز، سائنس دان اور کئی ایک سیاسی امور کے ماہر تھے۔ داؤد حکومت کے ساتھ تعلقات میں سرد مہری آنے کے باوجود ابھی تک وہ ماسکو واپس نہیں گئے تھے۔

ایمبیسی کے اہلکار نے کترینا سے کہا کہ آج رات کابل میں رہائش پذیر تمام سوویت شہری اکھٹے ہو رہے ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ تم بھی اپنے خاوند کے ساتھ آج کے اس پروگرام میں شرکت کرو۔

کترینا نے اس سے وقت پوچھا اور پھر وعدہ کیا کہ وہ اپنے خاوند کے ساتھ مقررہ وقت پر ایمبیسی پہنچ جائے گی۔ اس نے ایمبیسی اہلکار سے پوچھا اس سلسلے میں کوئی خصوصی ہدایات۔ اہلکار نے نفی میں سر ہلا دیا۔ بس تمہاری اور تمہارے خاوند کی شرکت ضروری ہے۔

چنانچہ اس دن کترینا کام سے فارغ ہو کر تیزی سے قدم اٹھاتی اپنی رہائش گاہ پہنچی۔ گھر کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی تو آغا عاطف وہاں موجود نہیں تھا۔ چند لمحوں تک اس نے اس کی عدم موجودگی کو محسوس نہیں کیا۔ اس نے سوچا وہ بازار گیا ہو گا۔ جلد لوٹ آئے گا۔ لیکن جیسے جیسے وقت گزرتا گیا اسے اس کے بارے میں تشویش ہونا شروع ہو گئی۔

اسے اندازہ نہیں تھا کہ آغا عاطف کب گھر سے گیا تھا۔ کہاں گیا تھا۔ اور کب واپس آئے گا۔ جیسے جیسے ایمبیسی جانے کا وقت قریب آتا گیا آغا عاطف کی گمشدگی کے بارے میں اس کی تشویش بڑھتی گئی۔

جب وہ شام گئے واپس نہ لوٹا تو وہ تنہا ٹیکسی پکڑ کر ایمبیسی روانہ ہو گئی۔ لیکن اس کا ذہن مسلسل آغا عاطف کے بارے میں سوچتا رہا۔

ایمبیسی پہنچ کر اس نے دیکھا کابل میں موجود تقریباً سبھی سوویت باشندے وہاں موجود تھے۔ وہ دس پندرہ منٹ اِدھر اُدھر آغا عاطف کو ڈھونڈتی رہی۔ اس کا خیال تھا شاید وہ اسے وہاں مل جائے لیکن آغا عاطف وہاں بھی اسے دکھائی نہ دیا۔

دراصل بعد دوپہر ڈھائی تین بجے کے قریب کترینا اور آغا عاطف کی رہائش گاہ کے دروازے پر دستک ہوئی۔ آغا نے سوچا شاید کترینا کام سے لوٹی ہے۔ لیکن کترینا کی بجائے باہر دروازے پر کالے کپڑوں اور کالی پگڑیوں میں ملبوس دو گن بردار کھڑے تھے۔ ان سے چند فٹ کے فاصلے پر ایک سفید سوزوکی وین کھڑی تھی جس میں ایک انہی سے ملتا جلتا شخص ڈرائیونگ سیٹ پر اور دوسرا اس کے ساتھ اگلی سیٹ پر بیٹھا تھا۔

دونوں گن برداروں نے آغا عاطف کو گن کی نوکوں کے اشارے سے سوزوکی وین میں بیٹھنے کو کہا۔ آغا نے من و عن ان کے حکم کی تعمیل کی۔

ایک گن بردار نے آگے بڑھ کر وین کا دروازہ کھولا اور آغا کو پچھلی سیٹ پر دھکیل دیا۔ ایک اس کے ایک طرف بیٹھ گیا اور دوسرا دوسری طرف۔ جیسے ہی وین کے دروازے بند ہوئے، ڈرائیور نے وین چلا دی۔ انہوں نے وین چلتے ہی گن کی نوک آغا کی کھوپڑی پر رکھ کر اسے کھیل کے سارے اصول سمجھا دیئے۔ آغا چونکہ ماسکو جانے سے پہلے افغانستان آ چکا تھا۔ اسے افغانستان کی جغرافیائی حدود کا اندازہ تھا۔ گاڑی کندوز کی طرف جا رہی تھی۔ کندوز گلبدین حکمت یار کا علاقہ تھا۔

بھٹو جن دو نوجوانوں کو ورغلا کر پاکستان لے گیا تھا ان میں سے ایک گلبدین حکمت یار اور دوسرا برہان الدین ربانی تھا۔ دونوں نے بھٹو کے کہنے پر پاکستانی میڈیا میں داؤد کے مظالم کے خلاف بیانات دیئے، پریس کانفرنسیں کیں، اور داؤد کی حکومت پر پریشر ڈالا۔

بھٹو داؤد پر پریشر بڑھانے کے لیے نوجوان گلبدین حکمت یار اور برہان الدین ربانی کو استعمال کر رہا تھا تو شہنشاہ ایران رضا شاہ پہلوی مالی امداد کے ذریعے داؤد کو سوویت یونین کے حلقہ اثر سے نکالنے کے لیے کوشاں تھا۔ بھٹو داؤد کے ذریعے ڈیورنڈ لائن کا مسئلہ حل کرنا چاہتا تھا جبکہ شہنشاہ ایران چاہتا تھا کہ داؤد برصغیر اور سوویت یونین کے درمیان بفر ریاست کا کردار ترک کر کے امریکی عملداری کا حصہ بن جائے۔ سوویت یونین کو یہ صورت حال کسی صورت قبول نہیں تھی۔

چنانچہ وہ ایک طرف افغانستان میں مکمل انقلاب نہیں لانا چاہتے تھے تو دوسری طرف انہیں اپنے جنوبی بارڈر پر امریکہ کے زیر اثر افغانستان قبول نہیں تھا۔ لیکن داؤد شہنشاہ ایران سے دو بلین ڈالر امداد ملنے کے بعد سوویت یونین سے اپنی راہیں تقریباً الگ کر چکا تھا۔

بھٹو اور داؤد میں بھی ڈیورنڈ لائن پر انڈراسٹینڈنگ ہو چکی تھی اور کابل میں باقاعدہ دستاویزات پر دستخط ہونا باقی تھے کہ ضیا الحق نے بھٹو کا تختہ الٹ کر اقتدار پر قبضہ کر لیا۔

ضیا الحق نے آئی ایس آئی کی نگرانی میں جماعت اسلامی کے ذریعے داؤد کے خلاف استعمال کرنے کے لیے فورس کو گوریلا ٹریننگ دلائی اور کندوز کے علاقے میں اس کا نیٹ ورک قائم کیا۔

آغا عاطف کو اسی کے نیٹ ورک نے اغوا کیا تھا۔ وہ صرف آغا عاطف کو اغوا کرنے نہیں گئے تھے۔ وہ کترینا اور آغا عاطف دونوں کو اغوا کرنا چاہتے تھے۔ گلبدین حکمت یار کے احکامات کے تحت اس کے کارندے انقلاب سے پہلے روسیوں کو اغوا کر کے کندوز کے علاقے میں قتل کر رہے تھے۔

آئی ایس آئی چاہتی تھی کہ سوویت یونین افغانستان سے دور رہے۔ اس مقصد کے لیے وہ کندوز کے علاقے میں حکمت یار کے نیٹ ورک کو استعمال کر رہے تھے۔

آغا عاطف اگرچہ دیکھنے میں روسی دکھائی دیتا تھا اور روسیوں کے انداز میں روسی بولتا تھا لیکن اس کے اغوا کنندگان جیسے ہی اسے اپنے ڈیرے پر لائے اور انہوں نے پشتو میں اپنے لیڈر سے کہا کہ روسی کتیا تو نہیں ملی لیکن وہ اس کے خاوند کو اٹھا لائے ہیں۔ آغا عاطف کو دورانِ سفر اُن کی باہمی گفتگو سے اندازہ ہو چکا تھا

کہ وہ اس اسلام پسند نیٹ ورک کا حصہ ہیں جو آئی ایس آئی نے گلبدین حکمت یار کے ذریعے افغانستان کے اندر روسیوں کو اغوا اور قتل کر کے خوف زدہ کرنے کے لیے قائم کیا ہے۔

آغا عاطف نے ان کے لیڈر سے مخاطب ہو کر کہا وہ روسی نہیں پاکستانی ہے ماسکو میں رہائش کے دوران اس نے روسی لڑکی سے شادی کر رکھی ہے۔ وہ شادی کے بعد کابل گھومنے پھرنے آئے تھے۔ یہاں اسے کابل یونیورسٹی میں نوکری مل گئی ہے تو وہ وقتی طور پر یہاں رہ گئے ہیں لیکن ان کا مستقل یہاں رہنے کا کوئی ارادہ نہیں۔

"کیا تمہاری بیوی سوویت حکومت کے لیے کام کرتی ہے؟" اس کے اغو کنندگان کے لیڈر نے اسے پوچھا۔ آغا نے کہا "وہ پیپلز فرینڈ شپ یونیورسٹی میں اس کی ہم جماعت تھی۔ سوویت حکومت سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔"

یہ جاننے کے بعد وہ پاکستانی ہے وہ اسے قتل کرنے کا چانس نہیں لینا چاہتے تھے۔ چنانچہ اغوا کنندگان کے لیڈر نے اسے کھانا وانا کھلا کر اپنے ساتھیوں سے کہا کہ وہ اسے اس کے گھر واپس چھوڑ آئیں اور اس کی بیوی کو اغوا کرنے کے بارے میں بھول جائیں۔

جب آغا عاطف اپنے اغوا کنندگان کے ساتھ واپس آ رہا تھا۔ کترینا ایمبیسی میں جاری فنکشن میں بیٹھی پہلو بدل کر پریشان ہو رہی تھی۔

ایمبیسی نے اس دن کا فنکشن سوویت شہریوں کو افغانستان کی اندرونی صورت حال میں ان کو لاحق خطرات سے آگاہ کرنے اور ان کی سیفٹی کے بارے میں انہیں ضروری ہدایات دینے کے لیے منعقد کیا تھا۔ ایمبیسی کا کارندہ کہہ رہا تھا کہ پاکستان کی آئی ایس آئی نے کئی اسلام پسندوں کو ٹرینڈ کر کے افغانستان کے اندر ان کے نیٹ ورک قائم کر دیئے ہیں جو روسیوں کو اغو کر کے قتل کر رہے ہیں۔ چنانچہ آپ سب لوگ موجودہ رہائشیں ترک کر کے محفوظ علاقوں میں منتقل ہو جائیں۔

کترینا نے ابھی تک کسی کو آغا عاطف کی گمشدگی کی اطلاع نہیں دی تھی۔ اس کا دل نہیں مانتا تھا کہ آغا عاطف کو کوئی افغانستان میں اغوا کرے گا لیکن اس کی بیوی ہونے کے ناطے وہ جانتی تھی کہ اس کا خاوند ہونے کے وجہ سے اسے کیا خطرات لاحق ہیں۔

لیکن ایمبیسی کے اہل کار نے یہ کہہ کر اس کی تشویش میں اضافہ کر دیا کہ جیسے ہی ان کا کوئی فیملی ممبر غائب ہو وہ فوراً ایمبیسی کو اطلاع دیں۔ جتنی جلدی اطلاع ملے گی۔ ان کی زندگی بچانے کے امکانات اتنے زیادہ ہوں گے۔ اغوا ہونے کے بعد جتنی دیر ہوتی جائے گی ان کی سلامتی کے امکانات معدوم ہوتے جائیں گے۔

ایمبیسی اہلکار کی بات سن کر کترینا نے "ہائے آغا" کہہ کر رونا شروع کر دیا۔ اسے روتے دیکھ کر ایمبیسی کے اہلکار اسے ایک الگ دفتر میں لے گئے اور پوچھنے لگے کہ کیا ہوا ہے۔ اس نے اُنہیں بتایا کہ اس کا خاوند نہ جانے کب سے غائب ہے۔ وہ نہیں جانتی کہ وہ کہاں ہے۔ وہ جب یونیورسٹی سے لوٹی تھی وہ گھر پر نہیں تھا۔ جب وہ ایمبیسی آئی تھی اس وقت تک وہ واپس نہیں لوٹا تھا۔

ایمبیسی والوں نے اسے مشورہ دیا کہ وہ فوراً اس علاقے سے ایمبیسی کے محفوظ علاقے میں منتقل ہو جائے۔ وہ فوراً کوشش کریں گے کہ وہ آغا کا پتہ چلائیں۔ عام طور پر اغوا کے بعد اغوا کنندگان انہیں چند دن زندہ رکھنے کے بعد قتل کرتے ہیں۔ پہلے وہ ان پر تشدد کر کے ان سے جس قدر ممکن ہو انفارمیشن حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں اس کے بعد اُنہیں قتل کر دیتے ہیں۔

وہ جب بھی قتل کرنے کی بات کرتے کترینا "ہائے آغا" کہہ کر مزید شدت سے رونا شروع ہو جاتی۔

ایمبیسی والوں نے کابل کے ارد گرد روسی فوجیوں کو وائرلیس پر مطلع کیا کہ آغا عاطف آج دوپہر سے غائب ہے۔ شاید اسے اغوا کر لیا گیا ہے۔ وہ علاقے میں مسلح لوگوں کے ساتھ بھری گاڑیوں پر نظر رکھیں۔ اگر انہیں کوئی مشکوک گاڑی نظر آئے تو اس کی پڑتال کریں۔ اگر آغا عاطف نظر آئے تو اس کو فوراً اپنی حفاظت میں لے لیں۔

ابھی کترینا واپس اپنے گھر نہیں گئی تھی کہ وائرلیس پر ایمبیسی والوں کو اطلاع ملی کہ انہیں کندوز کی طرف سے آنے والی سڑک پر ایک سوزوکی وین پر مسلح گارڈوں کی حراست میں آغا عاطف ملا تھا۔ فائرنگ پر اغوا کنندگان آغا عاطف کو چھوڑ کر بھاگ گئے ہیں۔

ایمبیسی کے عملے نے انہیں ہدائت کی کہ وہ اسے ایمبیسی لے آئیں۔ کترینا نے آغا کی بازیابی کی خبر سنی تو اس کے آنسو تھم گئے لیکن اس کی پریشانی ابھی برقرار تھی۔

آدھے گھنٹے بعد سوویت سیکورٹی کا عملہ اپنی گاڑی میں آغا عاطف کے ساتھ ایمبیسی پہنچا تو کترینا بھاگ کر اس کے گلے لگ کر رونے لگی۔ کبھی اس کا منہ چومتی کبھی اسے اپنے بازووں میں سمیٹ لیتی۔ آغا عاطف نے اسے تسلی دی۔

"دیکھو کترینا میں تمہارے پاس ہوں۔ یہ ایک اچھا تجربہ تھا۔ اس سے بہت سی باتوں کی سمجھ آئی ہے۔ اب پریشانی کی کوئی بات نہیں۔"

"آغا اگر تمہیں کچھ ہو جاتا تو میں مر جاتی۔"

آغا نے آگے بڑھ کر بوسے سے کترینا کا منہ بند کر دیا۔ اسے زندہ وسلامت دیکھ کر وہ ظاہری طور پر مطمئن ہو گئی لیکن اس کے دل میں افغانستان میں اپنے منصوبے کے بارے میں خدشات پیدا ہو گئے۔

فصل 23

آغا کے لیے اغوا ہونا اور پھر موت کے منہ سے بچ کر سلامت واپس پہنچ جانا ایک عجیب تجربہ تھا لیکن کترینا اس کی تفصیلات جان کر بری طرح سہم گئی تھی۔

وہ چاہتی تھی کہ افغانستان سے جلد سے جلد جان چھڑائے اور واپس ماسکو جائے۔ لیکن آغا ابھی تک اپنی جگہ کھڑا تھا۔ اس نے اپنی آنکھوں سے مزدوروں اور کسانوں کے سسٹم میں پائی جانے والی خرابیاں دیکھی تھیں لیکن اس کے باوجود اسے سوویت یونین اچھا لگتا تھا۔ وہ سمجھتا تھا کہ سوویت یونین ایک آئیڈیا ہے۔ ابھی تک وہ آئیڈیا تکمیل کے عمل سے گزر رہا ہے۔ ہو سکتا ہے کسی دن وہ آئیڈیا تکمیل کے آخری مراحل طے کر کے انسانیت کے لیے چمکدار مثال بن جائے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اور بہت سے سنہری تصورات کی طرح سوویت یونین بھی خوابوں کی تعبیر بننے سے پہلے بکھر جائے۔

کترینا کو تو وزارت دفاع کے بیرونی امور کے دفتر نے پراپیگنڈے کی غرض سے افغانستان بھجوایا تھا اور آغا کو اس کا خاوند ہونے کی وجہ سے اس کے ساتھ لگا دیا گیا تھا لیکن آغا دل کی گہرائیوں سے محسوس کرتا تھا کہ سوویت یونین کو نہ صرف قائم رہنا چاہیے بلکہ اس کو اپنے اندر پائی جانے والی خرابیوں کا بروقت ادراک کر کے اُن کی تصحیح کرنی چاہیے تا کہ دنیا بھر میں پھیلے مزدور کسان حقیقی معنوں میں اُن منزلوں کی طرف سفر جاری رکھ سکیں جہاں اُن کی اپنے اپنے ممالک میں ظالمانہ طبقات کے استحصال اور ظلم و ستم سے نجات ہو سکے۔

آغا عاطف امریکہ اور یورپ میں پائی جانے والی سماجی آزادیوں کا دل سے قدر دان تھا لیکن اسے پتہ تھا کہ ان آزادیوں کو برقرار رکھنے کے لیے کس طرح یورپ اور امریکہ پوری دنیا میں ظلم و ستم کا ایسا بازار گرم رکھے ہوئے تھے جن سے ان کا کاروبار حیات چلتا تھا۔ دنیا بھر میں پائے جانے والے تنازعات کو ہوا دینا، ملکوں کی ایک دوسرے کے خلاف صف بندی کرنا، انہیں جنگوں پر اکسانا، جنگوں میں اپنے نو ساختہ

اسلحوں کی تباہ کرنے کی صلاحیت کی آزمائش کرنا، پوری دنیا کو اسلحے کے ڈھیر میں تبدیل کر دینا، معاشی استحصال کے لیے نت نئے طریقے آزمانا، ان کو قرضوں کے جال میں جکڑ کر ان کے وسائل پر قبضہ کرنا، ایک ایسی کرپٹ کلاس کو ان ملکوں میں پہلے پیدا کرنا اور پھر اس کی حفاظت اور نگہداشت کرنا تاکہ وہ بے غیرتی کی حد تک اپنے ملک اور عوام کے مفادات کی بجائے ان کے مفادات کا تحفظ کریں، ایسی چیزیں تھیں جن کی وجہ سے آغا سمجھتا تھا کہ سوویت نظام چلتے رہنا چاہیے۔

کترینا سوویت یونین میں پیدا ہوئی تھی۔ وہیں پلی بڑھی تھی، وہیں پروان چڑھی تھی، اسے کسی دوسرے ملک کے معاشی، سماجی اور سیاسی کلچر کا تجربہ نہیں تھا۔ اس کے لیے سوویت یونین کا نظام ہی زندگی کی سب سے بڑی حقیقت اور ماڈل تھا۔

وہ جانتی تھی کہ افغانستان رہنے کے لیے کوئی اچھا ملک نہیں لیکن افغانستان میں اسے وہ مناظر دیکھنے کو نہیں ملتے تھے جس کا نظارہ وہ روز ماسکو میں کرتی تھی۔

ماسکو میں اشیائے ضروریہ کے حصول کے لیے اسٹوروں کے سامنے بڑی بوڑھیوں کی پائی جانے والی لائنیں اسے کابل میں کہیں دکھائی نہیں دیتی تھیں۔ جگہ جگہ دوکانیں تھیں جہاں کوئی شخص بھی پیسے دے کر کوئی بھی ضرورت کی چیز خرید سکتا تھا۔

لیکن اسے غربت کے جو مناظر کابل میں دکھائی دیئے تھے اس نے سوویت یونین میں کبھی نہیں دیکھے تھے۔ اس کے باوجود سوویت یونین میں بھی ایک اشرافیہ کلاس تھی۔ اور وہ کلاس تھی کمیونسٹ پارٹی کے عہدے داروں، پارلیمنٹ کے ممبروں، نوکر شاہی کے نمائندوں، سائنس دانوں، انجنیئروں، اور دانشوروں کی۔

اس کا بھائی کمیونسٹ پارٹی کا کارڈ ہولڈر ممبر تھا۔ اسے اندازہ تھا کہ ماسکو میں کمیونسٹ پارٹی کا کارڈ ہولڈر ممبر ہونے کا کیا مطلب تھا۔ اس کا مطلب تھا ماسکو میں کسی بھی چیز تک رسائی۔ کسی بھی دروازے کو کھولنے کی چابی۔ جو کہ ہر سوویت شہری کے پاس نہیں تھی۔

نکولائی کی وجہ سے انہیں کبھی کسی چیز کے حصول میں دشواری پیش نہیں آتی تھی۔ لیکن ہر شہری کی زندگی اتنی آسان نہیں تھی۔

وہ ابھی تک کابل آنے سے پہلے والی ایک رات کے ڈنر کے بارے میں سوچتی تھی جب الیونا، الیکسی، ساشا، نکولائی، آغا عاطف اور وہ ماسکو کے معروف ترین ریستوران میں دیر سے پہنچے تھے۔ ان کے پہنچے سے پہلے ریستوران بند ہو چکا تھا۔ لیکن ریستوران کا مینجر اور عملہ ابھی ریستوران کے اندر موجود تھا۔ مینجر نے انہیں منع کر دیا۔ لیکن نکولائی نے کمیونسٹ پارٹی کا ممبر شپ کارڈ اس کی آنکھوں کے سامنے لہرایا تو اس نے فوراً ان کے لیے ریستوران کھول دیا۔ کچن دوبارہ چالو کیا۔ اور انہیں ان کے پسندیدہ کھانے بنا کر کھلائے۔

اسے یاد تھا شہر میں جتنی بھی پارٹیاں ہوتی تھیں اس میں شمولیت اس کے لیے یا اس کی فیملی کے کسی ممبر کے لیے کبھی کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ نکولائی کے کمیونسٹ پارٹی کی ممبر شپ کے کارڈ سے اُن کے لیے سب دروازے کُھل جاتے تھے۔

شادی کی ریسپشن کے فوراً بعد کترینا اور آغا عاطف جس ہوٹل کے ٹاپ فلور پر ٹھہرے تھے وہاں عام روسی کے لیے ٹھہرنا ممکن نہیں تھا۔ کمیونسٹ پارٹی کا کارڈ ہولڈر ہونے کے وجہ سے ہوٹل والوں نے بغیر کوئی سوال کئے وہ کمرہ اس کی بہن کترینا کے لیے ریزرو کر دیا تھا۔

کترینا افغانستان میں اپنے قیام سے لطف اندوز ہونے کے باوجود آغا عاطف کے اغو کے بعد جلد سے جلد سوویت یونین واپس جانا چاہتی تھی لیکن آغا عاطف چاہتا تھا کہ سوویت وزارت دفاع کے بیرونی امور کے دفتر کی طرف سے دیئے گئے مشن کی جس حد تک ممکن ہو تکمیل کی جائے۔ اس کے نزدیک اس مشن کی جزوی یا مکمل تکمیل سوویت یونین کے لیے فائدہ مند تھی۔

سوویت یونین کی بین الاقوامی ذمہ داریاں اہم تھیں لیکن ان کی تکمیل اس کی اپنی سلامتی کی قیمت پر نہیں ہونی چاہیے تھی۔ افغانستان میں انقلاب کا مطلب تھا ایک ایسی جنگ کا غاز جس میں الجھنے کے بعد سوویت یونین کی اپنی سلامتی خطرے میں پڑ سکتی تھی۔

آغا کا خیال تھا پاکستان آرمی نے آئی ایس آئی اور مذہبی پارٹیوں کے باہمی اشتراک سے ایک نیٹ ورک قائم کر لیا ہے جو انقلاب کے فوراً بعد متحرک ہو جائے گا اور پھر امریکہ اور اس کے رجعت پسند اتحادی سعودی عرب اور مصر بغیر وقت ضائع کئے اس میں کود پڑیں گے۔ ایک ایسی جنگ کا آغاز ہو گا جس میں ہر کوئی ڈوب جائے گا۔ وہ مذاق کے طور پر کہا کرتا تھا کہ افغانستان اس دنیا کا بلیک ہول ہے۔ یہ بین الاقوامی طاقتوں کو اپنی طرف کھینچتا ہے اور پھر ان کو اس طرح کھا پی جاتا ہے کہ ان کی ہڈیاں تک سرمہ ہو جاتی ہیں۔

اسے لگتا تھا کہ افغانستان میں انقلاب کی شکل میں وہ بلیک ہول انگڑائیاں لے رہا ہے۔ اس میں پہلے سوویت یونین پھنسے گا، پھر امریکہ، پاکستان اور باقی مڈل ایسٹ۔ رفتہ رفتہ سب اس کے پیٹ میں اتر جائیں گے۔ جن کو کھا پی کر افغانستان ڈکار لے گا تو اس کی سانسوں سے ان سب کی گلی سڑی ہڈیوں کی بو آئے گی۔

اس وجہ سے وہ مُصِر تھا کہ کترینا اس کے اغوا کے واقعہ کو بھول جائے اور سوویت یونین کے بیرونی امور کے آفس کے دیئے گئے مشن کو جاری رکھے۔ کترینا نے کہا کہ افغانستان کی صورت حال اس سے زیادہ پیچیدہ ہے جتنا وہ سمجھتی تھی۔ وہ افغانستان کو صرف انقلاب اور انقلابیوں کے حوالے سے دیکھ رہی تھی لی۔ افغانستان کے باقی سب فیکٹرز اس کی نظروں سے اوجھل تھے۔ اب وہ سارے افغانستان کو دیکھ رہی ہے۔ اس میں خلق، پرچم، پی ڈی پی اے، شعلہ جاوید اور داؤد کے علاوہ اور اتنی قوتیں ہیں کہ انہیں گننا چاہیں تو گن نہ سکیں۔ اس جنگل میں راستہ بنانا مشکل ہی نہیں ناممکن ہے۔ اس کے علاوہ اغوا ہو کر قتل ہونے کا خطرہ ہے۔ اور وہ اس کے لیے تیار نہیں۔

آغا نے کترینا کی باتیں سنیں تو کہنے لگا کہ وہ کچھ عرصہ کے لیے اس کے مشورے پر عمل کرے۔ اگر وہ ایسا کرنے پر آمادہ ہو تو اسے امید ہے کہ وہ اگر مکمل نہیں تو جزوی کامیابی کے ساتھ ماسکو لوٹیں گے۔

آغا عاطف اور کترینا افغانستان میں اپنے مشن کی کامیابی اور ناکامی کے امکانات کا جائزہ لے رہے تھے کہ کابل میں حالات نے اپنا سفر تیز کر دیا۔ اس شام انہیں ریڈیو کابل سے پتہ چلا کہ کابل میں پی ڈی پی اے کے لیڈر محمد اکبر خیبر کو قتل کر دیا گیا ہے۔

آغا اور کترینا نے یہ خبر تشویش کے ساتھ سنی۔ آغا نے کہا کہ اس قتل کے بعد ان کا کابل میں رہنے کا کوئی جواز نہیں بنتا۔ کیونکہ انہیں جس عمل کو روکنا تھا اس کے لیے اب کوئی وقت نہیں بچا۔ محمد اکبر خیبر کا قتل انقلاب کا نقارہ ہے۔ اب افغانستان میں انقلاب کو کوئی نہیں روک سکتا۔ لیکن اس انقلاب کی کامیابی مشکوک ہے۔ پی ڈی پی اے کی افغانستان کے عوام میں سپورٹ تقریباً نہ ہونے کے برابر ہے۔ پی ڈی پی اے کے خلقی اور پرچمی گروپ افغان فوج میں اپنا اثر و رسوخ استعمال کر کے داؤد کو اقتدار بدر کر دیں گے۔ انقلاب کا آغاز ہو جائے گا لیکن اس انقلاب کے بعد ایک ایسی جد وجہد شروع ہو گی جس کی تیاری آئی ایس آئی افغان دائیں بازو کی قوتوں کے ساتھ مل کر مدت سے کر رہی ہے۔

محمد اکبر خیبر کے قتل کے بعد الزامات اور جوابی الزامات کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ داؤد خان نے اکبر خان کے قتل کا الزام پی ڈی پی اے کے لیڈروں پر جب کہ پی ڈی پی اے کے لیڈروں نے اس کا الزام داؤد پر لگایا۔ پی ڈی پی اے کے لیڈروں کا کہنا تھا کہ داؤد اپنی بدلی ہوئی وفاداریوں کی وجہ سے پی ڈی پی اے کے لیڈروں کا افغانستان سے صفایا کرنا چاہتا ہے۔

چنانچہ اکبر خیبر کے قتل کے بعد متوقع کریک ڈاؤن کے پیش نظر پی ڈی پی اے کے سب لیڈر زیر زمین چلے گئے۔ جبکہ انہوں نے افغان فوج میں اپنے حامیوں کو داؤد کو زندہ یا مردہ اقتدار سے ہٹانے کا عندیہ دے دیا۔ اگلے ہفتے دس دنوں میں جیسا کہ آغا عاطف اور کترینا توقع کر رہے تھے افغان فوج کے پی ڈی پی

اے سے وابستہ فوجیوں نے داؤد کا تختہ الٹ دیا۔ اگلے دن اسے اس کے قریبی ساتھیوں اور اہل خانہ کے ساتھ قتل کر کے غیر معلوم مقام پر اجتماعی قبر میں دفن کر دیا۔

پی ڈی پی اے نے نور محمد ترکئی کی سرکردگی میں افغانستان میں انقلابی حکومت قائم کر کے افغانستان کو ڈیموکریٹک ریپبلک آف افغانستان میں تبدیل کر دیا۔

افغانستان میں نور محمد ترکئی کی حکومت قائم ہوئے چند دن ہوئے تھے کہ ایک دن کترینا نے آغا عاطف سے کہا کہ اب انہیں ماسکو واپس چلے جانا چاہیے۔ ان کی آمد کا مقصد اب ختم ہو گیا ہے۔ پھر اس نے آغا عاطف سے کہا کہ انہیں اب اگر اپنے لیے نہیں تو اس کے وجود میں پلنے والے آغا عاطف کے بچے کے لیے واپس ماسکو جانا ہو گا۔ کیونکہ افغانستان میں جو کچھ رونما ہونے جا رہا ہے ہمیں اس کے سائے سے اپنے ہونے والے بچے کو بچانا ہو گا۔

آغا عاطف کترینا کے انکشاف سے اچھل پڑا۔ اس نے آگے بڑھ کر کترینا کو اپنے بازوؤں میں لے لیا اور بے اختیار اس پر بوسوں کی بارش کر دی۔

"ہاں ہاں ہمیں اب ماسکو واپس جانا ہو گا۔ افغانستان سے دور۔ اپنے ہونے والے بچے کی خاطر۔ شاید ہم ماسکو میں رہ کر مزدوروں اور کسانوں کی جنت سوویت یونین کی بہتر خدمت کر سکیں۔

فصل 24

جب سے کترینا نے آغا کو بتایا تھا کہ وہ اس کے بچے کی ماں بننے جا رہی ہے آغا کے پاؤں زمین پر نہیں ٹک رہے تھے۔ وہ ہمہ وقت باپ بن جانے کی بے پایاں خوشی میں پھولے نہیں سما رہا تھا۔

کترینا چاہتی تھی کہ وہ کابل یونیورسٹی کی دی گئی رہائش گاہ چھوڑ کر سوویت ایمبیسی کے قائم کئے گئے محفوظ ایریئے میں منتقل ہو جائیں۔ لیکن آغا عاطف سمجھتا تھا کہ جب تک سوویت یونین کے بیرونی امور کے دفتر سے ان کے مشن کو باقاعدہ ختم نہیں کیا جاتا انہیں کابل یونیورسٹی میں رہائش جاری رکھنی چاہیے۔

کترینا کا کہنا تھا کہ کابل میں پی ڈی پی اے کا خلقی بازو پہلے ہی انقلابی حکومت قائم کر چکا ہے۔ داؤد قتل ہو چکا ہے۔ اور حالات تیزی سے اس طرف جا رہے جہاں کہ سوویت یونین کو اپنی فوجیں افغانستان بھجوانی پڑیں گی۔ اگر سوویت قیادت نہ بھی چاہے تو بھی اب انقلاب کو تحفظ دینے کے علاوہ ان کے پاس کوئی راستہ نہیں ہے۔ جس چیز سے وہ بچنا چاہتے تھے اب نہیں بچ پائیں گے۔

آغا کی سوچ کترینا سے مختلف تھی۔ اس کا کہنا تھا اگر سوویت یونین فیصلہ کر لے کہ وہ کسی صورت افغانستان میں فوجیں نہیں بھجوائے گا تو اس طرح وہ خود کو ایک بہت بڑے بحران سے محفوظ رکھ سکتا ہے۔ اس طرح افغانستان کے تضادات افغانستان کے اندر ایک دوسرے سے ٹکراتے رہیں گے۔ ان کا اثر نہ سوویت یونین پر ہو گا نہ اس کے دوسرے ہمسایہ ممالک پر۔ یوں افغانستان میں متضاد قوتیں باہمی لڑائی جھگڑے سے آخر کار ایک بیلنس قائم کرنے میں کامیاب ہو جائیں گی اور آخر کار رفتہ رفتہ افغانستان میں استحکام پیدا ہو جائے گا۔

کہنے کو یہ کترینا اور آغا عاطف کی باہمی سوچیں تھیں لیکن افغانستان کے مسئلے پر سوچ کے یہ دو دھارے سوویت یونین کی اعلیٰ ترین سطح تک پھیلے ہوئے تھے۔

اس مسئلے پر پولٹ بیورو اور برزنیف کی سوچوں میں بھی وہی اختلاف تھا جو کترینا اور آغا عاطف کی سوچ میں تھا۔ پولٹ بیورو کے ممبران تقریباً اس بات پر متفق تھے کہ سوویت یونین کو کسی قیمت پر اپنی فوجیں افغانستان نہیں بھجوانا چاہئیں۔ لیکن برزنیف، آندرے گرومیکو اور الیکسی کوسیگن یکسو تھے کہ اگر پولٹ بیورو کی اجازت اور اطلاع کے بغیر افغانستان میں سوویت فوج بھجوانی پڑی تو ضرور بھجوائیں گے۔

آغا عاطف کے کہنے پر کترینا نے کابل میں وزارت دفاع کے بیرونی امور کے اہلکاروں سے کہہ دیا تھا کہ اب کابل میں اس کی رہائش کا عملی طور پر کوئی جواز نہیں۔ اس نے انہیں یہ بھی بتا دیا تھا کہ وہ امید سے ہے۔ اور جلد سے جلد ماسکو واپس جانے میں دلچسپی رکھتی ہے۔

لیکن افغانستان میں حالات اتنی تیزی سے بدل رہے تھے کہ کترینا اور آغا عاطف اس وقت کسی کی ترجیحی لسٹ پر نہیں تھے۔ کترینا چاہتی تو اپنے بھائی نکولائی کو کہہ کر فوراً افغانستان سے اپنے انخلا کا اہتمام کر سکتی تھی لیکن وہ چاہتی تھی کہ وہ جس معمول کے طریقہ کار کے تحت کابل آئی تھی اسی طرح واپس لوٹے۔

پرچم اور خلق نے باہمی اشتراک سے افغانستان میں انقلاب شروع تو کر دیا تھا لیکن جلد ہی ان کے باہمی اختلافات شدت اختیار کر گئے۔ خلقیوں نے پرچمیوں کو حکومتی امور سے فارغ کر دیا۔ پرچمی تدریجی انقلابی اقدامات کے حامی تھے جبکہ خلقی مسلح جدوجہد اور بیک وقت ہر سطح پر انقلابی پالیسیاں قائم کرنے کو زیادہ مناسب سمجھتے تھے۔ چنانچہ خلقیوں نے تمام پرچمیوں کو حکومت سے الگ کر کے انہیں سفارتی عہدوں پر بیرون ملک بھجوا دیا اور ملک میں ہر سطح پر انقلابی پالیسیاں نافذ کر دیں۔ جس کے نتیجے میں پورے ملک میں شدید رد عمل ہوا اور دائیں بازو کی انقلاب مخالف تحریک شروع ہو گئی۔

اس دوران حفیظ اللہ امین نے صدارتی محل میں اپنے حامیوں کے ذریعے گولیاں چلوا کر نور محمد ترکئی کو قتل کروا دیا۔ جس کے نتیجے میں برزنیف، آندرے گرومیکو اور الیکسی کوسیگن نے پولٹ بیورو کو اطلاع دیئے بغیر سوویت فوجیں کابل بھجوا دیں جنہوں نے حفیظ اللہ امین کو قتل کر دیا۔

سوویت فوجوں کے کابل آنے پر کترینا اور آغا نے محسوس کیا کہ حالات بالکل اس سمت چل نکلے ہیں جس کا خدشہ وہ کئی دنوں سے ظاہر کر رہے تھے۔

خلقیوں کی پالیسیوں کے نتیجے میں افغانستان میں جو تحریک شروع ہوئی تھی اس کے نتیجے میں بہت سے افغان بارڈر پار پاکستان چلے گئے تھے جہاں پاکستان حکومت نے ان کے کیمپ بنا دیئے تھے۔ ماسکو نے کابل میں فوجیں بھیج کر اس جنگ کا آغاز کر دیا تھا جس کے نتیجے میں سوویت یونین کی اپنی سالمیت کو خطرات لاحق ہوسکتے تھے۔ پولٹ بیورو کی سطح پر یہ احساس موجود تھا لیکن اس وقت سوویت یونین کے کلیدی فیصلے کرنے والی تینوں شخصیات ان خطرات کا ادراک کرنے سے قاصر تھیں۔

برزنیف، آندرے گرومیکو اور الیکسی کوسیگن کا خیال تھا کہ وہ فوجی قوت سے افغانستان میں انقلاب کو مستحکم کرسکتے ہیں۔

ادھر کابل میں حالات دگرگوں ہو رہے تھے ادھر کترینا کے وجود میں پلتا بچہ دن بدن بڑا ہو رہا تھا۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ اس کا بچہ کابل میں جنم لے۔

سوویت فوجوں کے کابل آنے کے بعد اس نے کابل یونیورسٹی میں پڑھانا چھوڑ دیا تھا اور وہ اور آغا عاطف عملی طور پر ان کی مدد کر رہے تھے۔

آغا عاطف نے کترینا سے کہا کہ اب وقت آگیا ہے کہ وہ کابل سے واپس ماسکو جائیں۔ کترینا نے کئی بار وزارت دفاع کے بیرونی امور کے اہلکاروں کی اپنی واپسی کے مسئلے کی طرف توجہ دلائی لیکن تاحال اس ضمن میں کوئی پراگرس نہیں ہوئی تھی۔

ایک عرصہ تک آغا عاطف بھی ان لوگوں میں شامل تھا جو سمجھتے تھے کہ سوویت یونین میں کلاس سسٹم ختم ہوچکا ہے۔ لیکن کترینا اور اس کی فیملی کو مل کر اسے اندازہ ہوچکا تھا کہ سوویت سسٹم میں ابھی تک نہ صرف کسی حد تک فیملی سسٹم قائم ہے بلکہ کلاس سسٹم بھی موجود ہے۔

اس نے کئی بار کترینا کے بھائی نکولائی کو مختلف جگہوں پر اسپیشل توجہ ملتے دیکھی تھی۔ ایک بار تو اس نے اسے پوچھ لیا کہ اس کے لیے ماسکو میں سب بند دروازے کیسے کھل جاتے ہیں۔

تب نکولائی نے جیب سے اسے کمیونسٹ پارٹی کا ممبر شپ کارڈ نکال کر دکھایا۔ "یہ سب اس کارڈ کا کمال ہے۔" اس نے آغا کو جواب دیتے ہوئے کہا تھا۔

آغا نے نکولائی کا جواب سن کر اسے پوچھا تھا:" کیا کمیونسٹ پارٹی کا ممبر ہونا انسان کے سماجی مرتبے میں اضافے کا سبب بنتا ہے؟"

"ہاں ہاں۔ سوویت یونین میں نوکر شاہی اور کمیونسٹ پارٹی کے ممبران کو ہر چیز میں فوقیت دی جاتی ہے۔ نوکر شاہی اور کمیونسٹ پارٹی کے ممبران کسی بھی ایسے دفتر میں جا کر اپنے کام نکلوا سکتے ہیں جہاں عام سوویت شہری کے لیے جانا تقریباً ناممکن ہو۔"

آغا کو نکولائی کی یہ سب باتیں یاد تھیں۔ اس نے کترینا سے کہا کہ وہ ماسکو میں نکولائی سے رابطہ کرے۔ لیکن کترینا نے اب بھی انکار کر دیا۔ وہ اب بھی کابل میں وزارت دفاع کے بیرونی امور کے دفتر سے واپسی کی کلیرنس کا انتظار کرنا چاہتی تھی۔

آغا عاطف نے جب کترینا کو بضد دیکھا تو ایک دن اس نے خود کابل میں وزارت دفاع کے بیرونی امور کے دفتر جا کر ان سے کہا کہ وہ انہیں واپس جانے کے لیے کلیئر کریں۔ اس نے انہیں بتایا کہ کترینا کا بھائی نکولائی کمیونسٹ پارٹی کا ممبر ہے۔ اگر وہ چاہیں تو وہ اس سے رابطہ کر کے ماسکو میں اپنی واپسی کی کلیئرنس کا بندوبست کر سکتا ہے۔

نکولائی کا نام سنتے ہی وزارت دفاع کے بیرونی امور کے دفتر نے انہیں واپس جانے کا عندیہ دے دیا۔ کترینا نے آغا عاطف سے جب یہ بات سنی تو وہ اس سے ناراض ہوئی لیکن پھر ماسکو لوٹنے کی خوشی میں، سب کچھ بھول کر ماسکو جانے کی تیاریوں میں مصروف ہو گئی۔

فصل 25

کترینا اور آغا عاطف ماسکو ائیر پورٹ پر ایئروفلوٹ کے طیارے سے باہر آئے تو کترینا نے سفید رنگ کا میٹرنٹی فراک پہن رکھا تھا۔ جبکہ آغا عاطف نے بلیو جینز اور اسی سے ملتی جلتی جیکٹ پہن رکھی تھی۔ آغا عاطف اس کی جہاز کی سیڑھیوں سے اترنے میں مدد کر رہا تھا۔

باہر لابی میں کھڑے نکولائی، کرپال سنگھ، ساچن اور سپیتمی ان کو جہاز کی سیڑھی سے اترتے دیکھ رہے تھے۔ کرپال سنگھ نے کترینا کو دیکھتے ہی واہے گرو کا نعرہ بلند کیا:

"ساچن، دیکھو، سالے آگا عاطف نے تو کترینا کو ماں بنا دیا ہے۔"

"ہاں ہاں، لگتا ہے وہ جلد بچے کو جنم دے گی۔" سپیتمی نے کترینا کو جہاز کی سیڑھیوں سے اترتے دیکھ کر جواب دیا۔

کرپال سنگھ، ساچن اور سپیتمی ہندی میں گفتگو کر رہے تھے۔ نکولائی ان کے قریب کھڑا آغا کو جہاز کی سیڑھیوں سے اترنے میں کترینا کی مدد کرتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔

"آغا بہت اچھا خاوند ہے۔" اس نے کرپال سنگھ سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔

"آگا ہمارا یار ہے۔ اچھا کیسے نہیں ہو گا؟" کرپال سنگھ نے نکولائی کو جواب دیا۔

نکولائی، کرپال سنگھ، ساچن اور سپیتمی میٹرو سے الگ الگ ائیر پورٹ آئے تھے۔ نکولائی اپنے گھر سے آیا تھا جبکہ کرپال سنگھ، ساچن اور سپیتمی یونیورسٹی سے آئے تھے۔

چند دن پہلے نکولائی ارباط اسٹریٹ پر گھومتے پھرتے کرپال سنگھ کو مل گیا تھا۔ اس نے اسے کترینا اور آغا عاطف کے واپس ماسکو آنے کی اطلاع دی تھی۔ کرپال سنگھ نے یہ خبر ساچن اور سپیتمی تک بھی پہنچا دی تھی۔ تب ہی انہوں نے فیصلہ کیا تھا کہ وہ انہیں لینے کے لیے ائیر پورٹ جا کر انہیں سرپرائز دیں گے۔

میٹرو پر ماسکو میں کہیں بھی جانے کے لیے پانچ کوپک لگتے تھے۔

نکولائی سے ان کی ملاقات میٹرو اسٹیشن پر ہی ہو گئی تھی۔ وہ اسٹیشن سے اکٹھے چل کر ائیر پورٹ پہنچے تھے اور اب ان کے ائیر پورٹ سے باہر آنے کے منتظر تھے۔

کترینا اور آغا عاطف جہاز سے اتر کر باہر آئے تو نکولائی نے آگے بڑھ کر کترینا کے گالوں پر بوسہ دیا۔ کرپال سنگھ نے آغا عاطف کو گلے لگایا۔ ساچن اور سپیتمی نے کترینا اور آغا کو واپس لوٹنے پر مبارک باد دی اور گرم جوشی کے ساتھ خوش آمدید کہا۔

ان سب کو ائیر پورٹ پر دیکھ کر کترینا اور آغا کے چہرے خوشی سے کھل اٹھے۔ وہ کسی کے ائیر پورٹ پر آنے کی توقع نہیں کر رہے تھے۔

نکولائی نے کترینا اور آغا سے کہا کہ اس نے ان کے لیے یونیورسٹی کے قریب ایک بڑے اپارٹمنٹ کا بندوبست کر دیا ہے۔ وہ جب چاہیں وہاں جا کر رہ سکتے ہیں۔ اس نے انہیں بتایا کہ اسے سرکاری ذرائع سے ان کی واپسی کی اطلاع مل گئی تھی۔ اس نے الیکسی، ساشا اور الیونا کو بھی ان کی واپسی کے بارے میں بتا دیا تھا اور وہ سب بے تابی کے ساتھ ان کے منتظر ہیں۔ خاص طور پر الیونا آغا عاطف کا بے چینی سے انتظار کر رہی ہے۔ آغا نے گذشتہ ملاقاتوں میں جس توجہ اور محبت سے الیونا کی باتیں سنی تھیں اس سے اسے لگتا تھا کہ ماسکو کی مصروف زندگی میں کوئی ہے جو اس کی باتیں سننا چاہتا ہے اور وہ بھی ماضی کے بارے میں، اس کے اور اس کی فیملی کے بارے میں، روس میں ہونے والی تبدیلیوں کے بارے میں۔

وہ سب ائیر پورٹ سے باہر آئے۔ کرپال سنگھ، ساچن اور سپیتمی میٹرو پر سوار ہو کر یونیورسٹی واپس چلے گئے جبکہ نکولائی، کترینا اور آغا ٹیکسی لے کر اپنے آبائی گھر کی طرف روانہ ہوئے۔

وہ گھر پہنچے تو الیکسی، ساشا اور الیونا گھر پر ہی تھے۔ سب نے انہیں انتہائی گرم جوشی کے ساتھ خوش آمدید کہا۔ ساشا اور الیونا نے باری باری کترینا کو گلے لگایا۔ الیکسی نے آغا عاطف سے ہاتھ ملایا۔ جبکہ الیونا نے اسے اپنے ساتھ کھینچ کر اس کے گال تھپتھپائے۔

وہ سب کترینا کے پھولے ہوئے پیٹ کو دیکھ کر خوش ہو رہے تھے۔ اس سے پوچھ رہے تھے کہ وہ بیٹے کو جنم دینے جا رہی ہے یا بیٹی کو۔ کترینا نے انہیں بتایا کہ وہ نہیں جانتی کہ اسے بیٹا ہونے جا رہا ہے یا بیٹی۔ اس نے انہیں بتایا کہ کابل میں سوویت ایمبیسی نے سوویت باشندوں کے لیے چھوٹا سا ہسپتال قائم کر رکھا ہے۔ لیکن اس ہسپتال میں ایسے آلات نہیں جن سے بچوں کی جنس کا تعین کیا جاسکے۔ اب وہ کسی وقت بھی بچے کو جنم دینے کے لیے تیار ہے۔ لہذا وہ اس کی پیدائش کا انتظار کرے گی۔

نکولائی نے کترینا کو تنگ کرنا شروع کر دیا کہ وہ ابھی خود بچی ہے۔ وہ کیسے بچے کو سنبھال سکتی ہے۔ کترینا نے بھی بھائی کو اسی موڈ میں جواب دیا کہ وہ جب دونوں چھوٹے تھے تو انہیں کون سنبھالتا تھا۔ نکولائی نے کہا کہ یہ فریضہ الیونا نے سرانجام دیا تھا۔ کترینا کہنے لگے کہ اس کے بچے کو بھی الیونا سنبھالے گی۔

وہ صرف اٹھکیلیاں کر رہے تھے۔ ورنہ دونوں جانتے تھے کہ سوویت حکومت نے بچوں کی دیکھ بھال کے لیے بہت اچھے سنٹر قائم کر رکھے ہیں۔ جہاں ان کے نومولود بچے کو نرسیں سنبھالتی ہیں۔

پھر بچے کے موضوع سے ہٹ کر نکولائی نے کترینا اور آغا سے افغانستان کی صورت حال کے بارے میں سوالات شروع کر دیئے۔ وہ جاننا چاہتا تھا کہ ان کے خیال میں سوویت فوجوں کا افغانستان جانا ایک اچھا فیصلہ تھا یا نہیں۔ کترینا اور آغا نے تقریباً یکساں سوچ کا اظہار کیا۔ دونوں کا خیال تھا کہ یہ ایک برا فیصلہ ہے۔ اس کے نتیجے میں افغانستان میں سوویت یونین کے لیے چیزیں زیادہ پیچیدہ ہو جائیں گی۔ ان کا یہ بھی خیال تھا کہ چونکہ مصر اور سعودی عرب داؤد کے زمانے میں امریکہ کے ایما پر افغانستان کے معاملات میں مداخلت کر رہے تھے اب وہ کھلم کھلا انقلابی حکومت کے خلاف بائیں بازو کی قوتوں کی مدد کریں گے جس کے نتیجے میں ممکن ہے بین الاقوامی قوتیں افغانستان کے جھگڑے کا حصہ بن جائیں۔

نکولائی نے کترینا اور آغا عاطف کے خیالات سن کر ان سے پوچھا ان کے خیال میں کیا یہ قوتیں افغانستان کے ساتھ مسلح کاروائی کریں گی۔

کترینا اور آغا عاطف نے پھر ایک جیسے خیالات کا اظہار کیا۔ ان کا کہنا تھا کہ انہیں افسوس ہے کہ وہ جس مشن پر افغانستان گئے تھے اس کی تکمیل میں ناکام رہے تھے۔ اگر وہ چند سال پہلے افغانستان گئے ہوتے جب داؤد پی ڈی پی اے کے ساتھ مل کر کابل پر حکومت کر رہا تھا تو اس وقت ممکن تھا کہ افغانستان کے حالات پر اثر انداز ہوا جا سکتا۔ لیکن جس وقت وہ کابل پہنچے تھے پی ڈپی پی اے اور داؤد میں پہلے ہی اختلافات پیدا ہو چکے تھے۔ داؤد سوویت حلقہ اثر سے نکل کر پاکستان، ایران، مصر، سعودی عرب اور امریکہ کی طرف دست تعاون بڑھا رہا تھا۔ ایسے میں داؤد کو سوویت حلقہ اثر میں واپس لانا تقریباً ناممکن تھا۔ خاص طور پر وہ پی ڈی پی اے میں خلقی اور پرچمی گروپوں کی باہمی چپقلش سے خاصہ نالاں تھا۔ اسی وجہ سے اس نے پی ڈی پی اے سے دوری اختیار کر لی تھی۔ انقلاب کے بعد جب تک افغانستان کے اندرونی پالیسی سازی کے معاملات پرچمیوں کے ہاتھ میں تھے انہوں نے افغانستان کے دیہاتی علاقوں کے اسٹرکچر سے چھیڑ چھاڑ نہیں کی تھی جس کی وجہ سے دیہاتوں میں انقلاب دشمن تحریک میں اتنی شدت نہیں آئی تھی۔ لیکن ترکئی کے قتل کے بعد خلقیوں نے جس طرح دیہاتی علاقوں کے اسٹرکچر میں تبدیلیوں کی کوشش کی تھی اس کے نتیجے میں افغانستان کے اندر اور باہر انقلاب دشمن قوتوں نے بین الاقوامی قوتوں سے الحاق کرنا شروع کر دیا ہے جس کے افغانستان میں انقلاب کی کامیابی یا ناکامی پر دوررس اثرات مرتب ہوں گے۔ اب اگر افغانستان میں انقلاب فیل ہوتا ہے تو اس کے انتہائی منفی اثرات سوویت یونین پر بھی مرتب ہوں گے۔

نکولائی، کترینا اور آغا عاطف سوویت یونین کی افغانستان میں مداخلت کے بارے میں باہمی گفتگو کر رہے تھے۔ الیونا، الیکسی اور ساشا حیرت اور دلچسپی سے ان کی گفتگو سن رہے تھے۔ آغا عاطف تو خیر سوویت یونین میں پیدا نہیں ہوا تھا اور نہ ہی اس کا سوویت یونین کے سیاسی، سماجی اور معاشی نظام کے بارے میں اتنا تجربہ تھا لیکن نکولائی اور کترینا خالص سوویت نظام کی پیداوار تھے۔ ان کی پیدائش کے وقت سوویت

یونین میں انقلاب مستحکم ہو چکا تھا۔ نظام کی شکل و صورت اور خدوخال واضح ہو چکے تھے۔ ان کی سوچیں خالص سوویت نظام کی آئینہ دار تھیں۔

نکولائی کمیونسٹ پارٹی کا ممبر تھا۔ اسے یہ ممبر شپ طالب علمی کے زمانے میں پارٹی کے نوجوانوں کے کوٹے میں ملی تھی جو کہ اب باقاعدہ ممبر شپ میں تبدیل ہو چکی تھی۔ وہ باقاعدگی سے پارٹی کے مختلف سطحوں کے اجلاسوں میں حصہ لیتا تھا۔ جس تیزی کے ساتھ وہ کمیونسٹ پارٹی میں اپنی پوزیشن مستحکم کر رہا تھا اُس سے اِس بات کا امکان تھا کہ آگے چل کر وہ پولٹ بیورو کا ممبر بنے گا۔

الیکسی اور ساشا نے انقلاب کو جنم لیتے نہیں دیکھا تھا۔ لیکن انقلاب کو پروان چڑھتے اور پھلتے پھولتے دیکھا تھا۔ سٹالن کے دور میں ان کی ذہنی اور فکری نشوونما ہوئی تھی۔ اور الیونا تو 1905 کے انقلاب کے اردگرد پیدا ہوئی تھی اور پھر 1917 والے انقلاب سے لے کر 1921 کی سول وار کا حصہ بنی تھی۔ روس سے سوویت یونین اور سوویت یونین سے سپر پاور بننے تک تاریخ کے سب اوراق اس کی آنکھوں کے سامنے الٹے تھے۔ ان سب تبدیلیوں میں وہ کبھی بھی خاموش تماشائی نہیں رہی تھی۔ اس نے اس سارے عمل میں بھرپور حصہ لیا تھا۔

کترینا اور آغا کے افغانستان میں تجربات اور خدشات سن کر اس کے چہرے پر فکر کی لکیریں نمایاں ہونا شروع ہو گئیں۔

وہ جانتی تھی کہ سوویت یونین اگرچہ سپر پاور بن چکا ہے لیکن ابھی تک اسے اندرونی اور بیرونی طور پر سخت چیلنجز درپیش ہیں۔ نظام کے اندر کمزوریاں موجود ہیں اور بیرونی طور پر سامراجی طاقتیں اب بھی سوویت یونین کو ختم کرنا چاہتی ہیں۔ جو انقلاب دشمن جنگ انہوں نے 1917 کے انقلاب کے بعد شروع کی تھی وہ اب بھی بین الاقوامی سطح پر ایک مختلف انداز میں جاری تھی۔

الیونا نے متفکر مگر محبت بھرے انداز میں انہیں شام کے کھانے کے بارے میں پوچھا۔ وہ کب سے ائیر پورٹ سے آئے بیٹھے تھے۔ باتوں میں انہیں وقت گزرنے کا احساس نہ ہوا۔

الیونا کے شام کے کھانے کی طرف توجہ دلانے کے لیے انہوں نے اس کا شکریہ ادا کیا۔ ساشا اور نکولائی نے مل کر کھانے کی میز درست کی۔ پھر سب میز کے گرد بیٹھ کر کھانا کھانے لگے۔ کابل سے آنے کے بعد کترینا اور آغا عاطف کا فیملی کے ساتھ پہلا ڈنر تھا۔

وہ دونوں افغانستان میں جاری جنگ اور قتل وغارت سے دور ماسکو آکر خوش بھی تھے اور مطمئن بھی۔ اب کترینا بے فکری کے ساتھ اپنے بچے کو جنم دے سکتی تھی۔ ایک نئے سوویت شہری کو۔ ایک ایسے سوویت شہری کو جو ان خوابوں کا امین اور محافظ تھا جو الیونا کی نسل کے روسیوں نے دیکھے تھے۔ جن کی آبیاری الیکسی اور ساشا کی نسل نے کی تھی۔ جسے نکولائی اور کترینا کی نسل نے زندہ رکھا اور آگے بڑھایا تھا۔

فصل 26

کترینا کو کابل سے لوٹے کئی دن ہو چکے تھے۔ وہ اور آغا عاطف افغانستان سے لوٹنے کے بعد کئی بار وزارت دفاع کے بیرونی امور کے دفتر جا چکے تھے۔ بیرونی امور کے ماہرین کترینا کے افغانستان کے قیام میں ان کے تجربات کے بارے میں ان سے انفارمیشن اکٹھی کر رہے تھے۔

روسی فوجوں کی افغانستان آمد کے بعد افغانستان اور افغانستان کے اس پار پاکستان سے دائیں بازو کی قوتوں نے حملے شروع کر دیئے تھے۔ آئی ایس آئی افغانستان میں روسی فوجوں کی آمد سے بہت پہلے اندازہ کر چکی تھی کہ آخرکار افغانستان میں روسیوں کو فوجیں بھجوانا پڑیں گی۔ اس مقصد سے انہوں نے بہت پہلے افغان مجاہدین کی کھیپ تیار کر دی تھی جس کے ذریعے انہیں سوویت یونین کے خلاف اپنی جنگ لڑنا تھی۔

آئی ایس آئی کی ان تیاریوں کو امریکہ کی مکمل تائید حاصل تھی لیکن ابھی تک امریکی براہ راست اس جنگ میں شامل نہیں ہوئے تھے۔ وہ گہری نظروں سے صورت حال کا جائزہ لے رہے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ سوویت یونین کے خلاف مجاہدین کی جنگ ایک سطح پر پہنچ جائے تو اس کے بعد وہ اس میں شامل ہوں۔ کیونکہ وہ ویت نام میں ہزیمت اٹھانے کے بعد سوویت یونین کے خلاف کسی ایسی بین الاقوامی جنگ میں شامل نہیں ہونا چاہتے تھے جس کی کامیابی کے امکانات مشکوک ہوں۔

آئی ایس آئی کی سرکردگی میں مجاہدین نے پہلے ہی روسیوں کے خلاف کامیاب گوریلا حملے شروع کر دیئے تھے۔ جب امریکہ نے دیکھا کہ اب ان کی جدوجہد اس سطح پر پہنچ گئی ہے کہ وہ اس کی پشت پناہی سے سوویت یونین پر کاری ضرب لگا سکتے ہیں تو انہوں نے آئی ایس آئی کے توسط سے ان کی بھرپور اعانت کا فیصلہ کیا۔

آغا عاطف نے بیرونی امور کے اہلکاروں کو بتایا کہ جن لوگوں نے اسے افغانستان میں اغوا کیا تھا ان کا تعلق جماعت اسلامی کے ایک ایسے نیٹ ورک سے تھا جسے آئی ایس آئی نے حکمت یار کے ذریعے افغانستان کے اندر اور افغانستان سے ملحقہ پاکستانی علاقوں میں قائم کیا تھا۔ اس نے انہیں بتایا کہ افغانستان میں روسیوں کو اغوا کر کے اسی نیٹ ورک کے لوگ قتل کر رہے تھے۔ اس نے انہیں بتایا کہ اسے انہوں نے محض اس لیے چھوڑ دیا تھا کہ اس کا تعلق پاکستان میں ایک ممتاز خاندان سے تھا۔ اسے اغوا کرتے وقت وہ سمجھے تھے کہ وہ روسی ہے لیکن جب انہیں پتہ چلا کہ وہ پاکستانی ہے اور پاکستان کے ایک ممتاز قانون دان کا بیٹا ہے تو انہوں نے اسے چھوڑ دیا۔

وہ نہیں چاہتے تھے کہ اسے قتل کر کے وہ پاکستان میں قبل از وقت آئی ایس آئی اور حکمت یار کے نیٹ ورک کو ایکسپوز کرتے۔ چنانچہ انہوں نے اسی میں عافیت سمجھی کہ اسے بخیر و عافیت جانے دیں۔

سوویت وزارت دفاع کے بیرونی امور کے اہلکاروں پر آغا عاطف کی مہیا کی گئی انفارمیشن کی صداقت اور اہمیت اس وقت اور بھی واضح ہو گئی جب انہوں نے دیکھا کہ امریکہ کے ایما پر بہت سے مصریوں، سعودیوں اور یمنیوں نے سوویت یونین کے خلاف جہاد میں حصہ لینے کا اعلان کر دیا ہے۔ اس مقصد کے لیے امریکی اسلحہ اور مصری، سعودی اور یمنی مجاہد پشاور میں اکٹھا ہونا شروع ہو گئے ہیں۔

اس جہاد میں سعودیوں کا کردار سوویت یونین کے لیے قدرے تعجب خیز تھا۔ داؤد کے زمانے میں سعودی کنگ داؤد کو ہٹانے کے لیے سوویت یونین کی مدد کرنے کے لیے تیار تھا لیکن اب سعودی شہری حکومتی پشت پناہی سے سوویت یونین کے خلاف پاکستان کی سرزمین سے جنگ لڑ رہے تھے۔ گویا دنیا بھر کی رجعت پسند قوتیں سوویت یونین کے خلاف اکٹھی ہو چکی تھیں۔

آغا عاطف کا کہنا تھا کہ یہ جنگ سوویت یونین کے مفاد میں نہیں تھی اور سوویت یونین کو جتنی جلدی ممکن ہو اس جنگ سے باہر آنا چاہیے۔ اس کے خیال میں جتنا زیادہ سوویت یونین اس جنگ میں الجھے گا اس کے لیے سیاسی اور معاشی پیچیدگیاں پیدا ہوں گی جن کے نتیجے میں سوویت یونین میں توڑ پھوڑ واقع

ہو سکتی ہے۔ بلکہ اس نے اپنے دوستوں سے کھلم کھلا کہنا شروع کر دیا تھا کہ اگر افغان جنگ جلد ختم نہ ہوئی تو افغانستان سے ملحقہ ریاستیں سوویت یونین سے الگ ہونا شروع ہو جائیں گی۔

نکولائی نے باہمی گفتگو میں آغا عاطف کی اس بات پر خصوصی توجہ دی تھی۔ وزارت دفاع کے بیرونی امور کے اہلکاروں نے آغا کے خدشات سنے تو انہوں نے اسے مزید کریدنا شروع کر دیا۔

آغا عاطف نے اپنی بات کی وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ افغان جنگ کے اثرات ایک بات تھی لیکن افغانستان سے ملحقہ ریاستوں میں علیحدگی پسندی کے رجحانات بہت طاقتور ہیں۔ ان ریاستوں کے شہری جب دیکھیں گے کہ افغان مجاہدین بین الاقوامی قوتوں کی پشت پناہی سے سوویت یونین کے خلاف کامیابی حاصل کر رہے ہیں تو ان ریاستوں کے علیحدگی پسند عناصر اپنی جدوجہد شروع کر دیں گے جس کے نتیجے میں سوویت یونین ٹوٹ جائے گا۔ اگر ان ریاستوں میں سے کوئی ایک سوویت یونین سے اخراج میں کامیاب ہوگئی تو پھر یہ سلسلہ نہیں رُکے گا۔ ہو سکتا ہے اس کے اثرات مشرقی یورپی اور بالٹک ریاستوں تک پھیل جائیں اور وہ بھی سوویت یونین سے علیحدگی اختیار کر لیں۔

سوویت یونین میں اگرچہ کمیونسٹ پارٹی کی حکومت تھی۔ سارے ملک میں کمیونسٹ پارٹی کا طاقتور نیٹ ورک تھا۔ یہ نیٹ ورک اتنا فعال تھا کہ سوویت یونین کے طول و عرض میں کسی بھی جگہ اٹھنے والی سماجی لہر کی اطلاع فوراً کمیونسٹ پارٹی کے کور گروپ تک پہنچ جاتی تھی اور وہ فوری طور پر اس پر مناسب کاروائی کرتے لیکن یہ سوچ کہ افغانستان کے بارڈروں پر لڑی جانے والی جنگ کے سوویت یونین پر اتنے گہرے اثرات بھی مرتب ہو سکتے تھے اس کے بارے میں انہوں نے کبھی غور نہیں کیا تھا۔

وزارت دفاع کے بیرونی امور کے اہل کاروں اور نکولائی کے ساتھ اس ضمن میں کی گئی گفتگو سے کمیونسٹ پارٹی کی کئی سطحوں پر خطرے کے سرخ لیمپ جلنا شروع ہوگئے۔ کمیونسٹ پارٹی کے کئی اہم عہدیداروں نے آغا عاطف کو تبادلہ خیال کے لیے دعوتیں دینا شروع کر دیں۔ وہ ان میٹنگوں میں کبھی تنہا، کبھی کترینا اور کبھی نکولائی کے ساتھ جاتا۔

کترینا کے ساتھ اور محنت سے اس کی روسی اس حد تک رواں ہو چکی تھی کہ گفتگو کے دوران پیدائشی روسیوں اور اس کی زبان میں امتیاز کرنا مشکل تھا۔ وہ زبان و بیان کی تمام ثقافتی سطحوں کو اپنی فطرت ثانیہ بنا چکا تھا۔ اس لیے وہ جب ان میٹنگوں میں جاتا کترینا اور نکولائی اسے اپنا نقطہ نظر پیش کرنے میں فری ہینڈ دیتے۔ وہ برملا اپنے خیالات کا اظہار کرتا۔

اسے کمیونسٹ پارٹی کے مختلف سطحوں کے عہدیداروں سے مل کر تعجب ہوتا کہ سوویت یونین میں ون پارٹی سسٹم ہونے کے باوجود پارٹی کے عہدیدار کس کشادہ دلی کے ساتھ اس کا نقطہ نظر سنتے اور اسے کتنی اہمیت دیتے تھے۔

ایک بار اس نے کمیونسٹ پارٹی کے عہدیداروں کے ساتھ اپنے ان تجربات کو ایلونا کے ساتھ شیئر کیا۔ ایلونا اس کی بات سن کر بے اختیار ہنسنا شروع ہو گئی۔ ہنستے ہنستے اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اس نے نیپکن سے اپنی آنکھوں سے آنسو صاف کیئے۔ پھر کہنے لگی: " قلب و نظر کی یہ کشادگی ایک آگ کے دریا سے گزرنے کے بعد آئی ہے۔ اس کشادگی تک پہنچنے میں روسیوں کی کئی نسلوں کی جدوجہد کا دخل ہے۔ ایک وقت تھا کہ روس میں اختلافِ رائے کو بالکل برداشت نہیں کیا جاتا تھا۔ سٹالن کے دور میں تو ہزاروں لوگ قتل ہوئے۔ لیکن جب سوویت نظام میں ہمواری پیدا ہو گئی تو پھر پارٹی میں مخالف نقطہ نظر سننے اور برداشت کرنے کی صلاحیت بڑھ گئی۔"

پھر دوبارہ ہنستے ہوئے اس نے اپنی بات جاری رکھی: " اب تو یوں ہے کہ دانشوروں کو سوویت سماج میں بہت اہم مقام حاصل ہے۔ ان کا شمار سماج کے اعلیٰ ترین افراد میں ہوتا ہے۔"

کمیونسٹ پارٹی کے لیڈروں سے ملاقات میں آغا عاطف کو ایلونا کی بات کی سچائی کی جھلک دکھائی دیتی۔ لیکن اسے کبھی کبھی پارٹی کے عہدیداروں کی اس کشادگی سے خوف آنے لگتا۔ وہ سوچتا کہ ایک ایسا سماج جس میں افکار و نظریات میں باہمی مقابلے کی فضا مفقود ہو وہاں ہر وقت امکان رہتا ہے کہ کوئی طاقتور شخص پورے سماج کو کسی ایسی سمت دھکیل سکتا ہے جس سے اس سماج کی مبادیات بدل جاتی ہیں۔ ایسا

سماج فکر کے ایک دھارے سے نکل کر دوسرے دھارے پر اس طرح چل نکلتا ہے کہ اس کی ماہیت تبدیل ہو جاتی ہے، ترجیحات بدل جاتی ہیں اور اس کے آئیڈیل بھی تبدیل ہو جاتے ہیں۔ آغا عاطف کو سوویت یونین کے پیچھے کارفرما سوچ سے دلچسپی تھی۔ اس نظریے سے عشق تھا جس نے سوویت یونین کو جنم دیا تھا۔ لیکن سوویت یونین میں عملی طور پر اس سوچ اور نظریے کی ابھی تکمیل ہونا باقی تھی۔ اگر حالات نے اس سوچ اور نظریے کی تکمیل سے پہلے سوویت یونین کو بکھیر دیا تو یہ ایک بہت بڑا انسانی المیہ ہو گا۔

ایسے میں اسے لاہور میں اپنے بہت سے بائیں بازو کے دوست یاد آنے لگتے۔ ان کی میٹنگیں یاد آنے لگتیں۔ ان کی بحثیں یاد آنے لگتیں۔ پھر اس کی سوچ پاکستان سے بھٹک کر دنیا بھر میں پھیلے بائیں بازو کے کارکنوں کی طرف چلی جاتی۔ وہ سوچنے لگتا اگر سوویت یونین کے ساتھ ایسا کوئی حادثہ ہوا تو ان سب کے آدرشوں کا کیا ہو گا۔ وہ کس چیز کے لیے جدوجہد کریں گے۔ باقی انسانیت کا کیا ہو گا۔ انسان اپنی اجتماعی زندگیوں میں کن خوابوں کے لیے جدوجہد کریں گے۔

ایسے میں وہ اور شدومد سے کمیونسٹ پارٹی کے لیڈروں سے درخواست کرتا کہ وہ افغانستان کے معاملات کو مزید خراب ہونے سے روکیں۔ وہ اُنہیں کہتا افغانستان بھنور کی وہ آنکھ ہے جس میں پھنسنے کے بعد طاقتور سے طاقتور وجود اس سے زندہ باہر نہیں نکل سکتا۔ مرنے کے بعد ہی اس سے باہر آتا ہے۔ اگر باہر آ بھی جائے تو اس حد تک ادھ موا ہو چکا ہوتا ہے کہ جلدی دم توڑ جاتا ہے۔

کمیونسٹ پارٹی کے اکثر عہدیدار اس سے اتفاق کرتے۔ لیکن سوویت یونین میں فیصلہ سازی میں جو لوگ اہم تھے آغا عاطف، کترینا، نکولائی اور الیونا ان سے بہت دور تھے۔ ان میں سے کسی کی ان تک رسائی نہیں تھی۔

لیکن اس نے افغانستان میں اپنے قیام کے دوران جو سبق سیکھا تھا وہ اس کا سب کے ساتھ برملا اظہار کر رہا تھا۔ کمیونسٹ پارٹی کے عہدیداروں کے علاوہ اس نے پراودہ کے دفتر میں بھی چند لوگوں سے دوستی کر لی

تھی۔ جس کے نتیجے میں رفتہ رفتہ وہ پراودا کے اسٹاف میں شامل ہو گیا۔ جس دن پراودا میں روسی زبان میں اس کا پہلا آرٹیکل آغا عاطوف کے نام سے شائع ہوا اس کی خوشی کی کوئی انتہا نہیں تھی۔ کترینا، نکولائی، ساشا، الیکسی اور الیونا اس کی کامیابی پر بہت خوش تھے۔

آغا عاطف اب آغا عاطوف بن چکا تھا۔ پراودہ کا ساؤتھ ایشیا کا ایکسپرٹ۔ اب وہ اپنے خیالات کا اظہار پراودہ میں باقاعدگی کے ساتھ کر رہا تھا۔ اب اس کے خیالات صرف چند لوگوں تک نہیں بلکہ سوویت یونین کے سب لوگوں تک پہنچ رہے تھے۔ جس میں مزدوروں سے لیکر، کمیونسٹ پارٹی کے اعلیٰ عہدیدار تک سبھی شامل تھے۔

یہ ایک بہت بڑی کامیابی تھی۔ ماسکو میں اس کی اس کامیابی پر کترینا کا خاندان خوش تھا تو لاہور میں اس کا والد آغا قنبر علی اور اس کے بھائی سب کو فخر سے بتاتے کہ آغا عاطف سوویت یونین کے اہم ترین سرکاری اخبار پرواده کے اسٹاف کا حصہ ہے اور باقاعدگی کے ساتھ اس میں آغا عاطوف کے نام سے جنوبی ایشیا کے امور پر مضامین لکھتا ہے۔

ماسکو میں کترینا اور لاہور میں اس کے خاندان کے علاوہ دنیا کے کئی ملکوں میں آغا عاطوف کا نام جانا جانے لگا تھا۔ کیونکہ ان میں سے اکثر کے لیے پراودہ سوویت یونین میں کھلنے والی وہ اکلوتی کھڑکی تھی جس میں جھانک کر وہ سوویت یونین میں بدلتی سوچوں کے رنگوں کا مشاہدہ کر سکتے تھے۔

فصل 27

ماسکو میں برف باری شروع ہو چکی تھی۔ سارے ماسکو نے روسی دلہن کی طرح سفید برف کا لباس اوڑھ رکھا تھا۔ عمارات، سڑکیں، پارک اور پارکوں میں ٹنڈ منڈ کھڑے درخت برف میں اس طرح لپٹے تھے جیسے یہی ان کا مستقل پہناوہ ہو۔

کترینا اور آغا عاطف کترینا کے والدین کے اپارٹمنٹ پر آئے ہوئے تھے۔ کترینا کے بچہ کی پیدائش کسی وقت بھی متوقع تھی۔ وہ کئی بار ہسپتال جا چکی تھی۔ ڈاکٹروں نے اسے یہ کہہ کر واپس بھجوا دیا تھا کہ یہ سب قبل از وقت حرکات تھیں۔ انہوں نے اسے بتایا تھا کہ جب تک درد زہ ایک خاص سطح تک نہ پہنچے وہ ہسپتال نہ لوٹے۔

وہ درد کی شدت سے کبھی اٹھ کر ٹہلنا شروع ہو جاتی اور کبھی بیٹھ جاتی لیکن ابھی تک درد ڈاکٹروں کی بتائی ہوئی سطح تک نہیں پہنچ رہا تھا۔ آغا عاطف بھی پریشانی کی حالت میں کترینا کے ساتھ اٹھ اور بیٹھ رہا تھا۔ ساشا اور الیونا دونوں کترینا اور آغا عاطف کو تسلی دے رہی تھیں۔ ان کا کہنا تھا کہ پہلے بچے کی پیدائش کے وقت بعض اوقات ایسا ہوتا ہے۔ لیکن ناتجربہ کار کترینا اور آغا عاطف کے لیے ساشا اور الیونا کے حروف تسلی ناکافی ثابت ہو رہے تھے۔ کترینا کا تو درد سے برا حال تھا ہی آغا عاطف کا اس سے بھی برا تھا۔ اسے کترینا سے بے پناہ محبت تھی اور اس کے لیے اس کا درد ناقابل برداشت ہوا جا رہا تھا۔

آغا اس وجہ سے بھی خوف زدہ تھا کہ سوویت یونین میں اکثر مائیں بچوں کی پیدائش کے وقت فوت ہو جاتی تھیں۔ بعض اوقات ماں اور بچہ دونوں فوت ہو جاتے۔ ایسا میڈیکل ٹیکنالوجی کے غیر ترقی یافتہ ہونے کی وجہ سے تھا۔ اگرچہ سٹالن نے اپنے دور میں زرعی سوویت یونین کو دس سال کے قلیل عرصہ میں ایک زبردست صنعتی ملک میں تبدیل کر دیا تھا لیکن اس کے باوجود یہ ترقی ہر فیلڈ میں یکساں نہیں تھی۔

میڈیکل سائنس ابھی تک زچہ و بچہ کی حفاظت کے حوالے سے کافی پسماندہ تھی۔ لیکن گھروں میں بچوں کو جنم دینے کا رواج بہر حال عرصہ پہلے ختم ہو چکا تھا۔

کترینا کی حالت کی وجہ سے صرف آغا عاطف ہی پریشان نہیں تھا بلکہ ساشا اور الیونا بھی پریشان تھیں لیکن وہ اپنی پریشانی کے اظہار سے کترینا اور آغا کے کرب میں اضافہ نہیں کرنا چاہتی تھیں۔

الیکسی اور نکولائی گھر پر نہیں تھے۔ وہ سب اسی ادھیڑ بن میں تھے کہ باہر کا دروازہ کھلا اور نکولائی اپنے اوور کوٹ سے برف کے گالے صاف کرتا اندر داخل ہوا۔ اس نے سب کو پریشان دیکھا تو فوراً پلٹ کر ٹیکسی والے کو روکا۔ اسے اندازہ ہو چکا تھا کہ کترینا کے بچہ ہونے جا رہا تھا۔ اسے یہ بھی پتہ تھا کہ پہلے ڈاکٹروں نے یہ کہہ کر اسے گھر واپس بھجوا دیا تھا کہ ہنوز اس کا درد زہ اس سطح تک نہیں پہنچا تھا کہ وہ بچے کو جنم دے سکے۔

اس نے کترینا، ساشا اور آغا عاطف کو ساتھ لیا اور ٹیکسی والے کو علاقے کے بچوں کی پیدائش کے ہسپتال چلنے کے لیے کہا۔ ٹیکسی والا ماسکو کے ہر ٹیکسی ڈرائیور کی طرح برف باری میں گاڑی چلانے کا مشّاق تھا۔ اس نے تھوڑی دیر میں انہیں بچوں کی پیدائش کے ہسپتال پہنچا دیا۔

نکولائی نے رجسٹریشن والوں کو اپنا کارڈ دکھاتے ہوئے کہا کہ وہ چاہتا ہے کہ جب تک کترینا بچے کو جنم نہیں دیتی اسے گھر بھجوانے کی بجائے یہیں سنٹر میں رکھا جائے۔

اتفاق سے جب رجسٹریشن والوں نے کترینا کو ہسپتال کے لیے رجسٹر کیا اس کا درد زہ ڈاکٹروں کے بتائی ہوئی سطح تک پہنچ گیا۔ اس کی حالت دیکھتے ہوئے نرسیں فوراً اسے بچوں کی پیدائش کے کمرے میں لے گئیں۔ انہوں نے آغا عاطف اور ساشا کو بھی اجازت دی کہ وہ کترینا کے ساتھ اندر آ سکتے ہیں۔ جبکہ نکولائی باہر ویٹنگ روم میں بیٹھ کر ان کا انتظار کرتا رہا۔

اسے وہاں بیٹھے بیٹھے کئی گھنٹے ہو گئے تھے۔ ابھی تک نہ ساشا باہر آئی تھی نہ آغا عاطف۔ اسے کچھ اندازہ نہیں تھا کہ کمرۂ پیدائش میں کیا ہو رہا تھا۔

آخر کئی گھنٹوں کے انتظار کے بعد آغا عاطف باہر آیا اور اس نے نکولائی کو بتایا کہ کترینا نے ایک خوبصورت بیٹے کو جنم دیا ہے۔ نکولائی بہن کے ہاں بیٹے کی پیدائش کی خبر سن کر آغا عاطف سے لپٹ گیا۔ اس نے اسے مبارک باد دی۔ اور مذاق کرتے ہوئے پوچھا کہ بچہ دیکھنے میں پاکستانی لگتا ہے یار وسی۔
آغا نے کہا وہ کترینا کی طرح خوبصورت ہے۔ ہو سکتا ہے اس کا ذہن پاکستانیوں جیسا ہو۔ لیکن ذہن کے بارے میں فوری طور پر کچھ کہنا مشکل ہے۔ یہ جاننے کے لیے نکولائی کو کئی ماہ بلکہ کئی سال انتظار کرنا پڑے گا۔ آغا کی بات سن کر نکولائی ہنسنے لگا۔ پھر اس نے کترینا کی حالت کے بارے میں پوچھا۔ آغا نے کہا کترینا بالکل ٹھیک ہے۔ لیکن فی الحال نقاہت محسوس کر رہی ہے۔
الیکسی گھر آیا تو الیونا نے اسے بتایا کہ نکولائی، ساشا اور آغا عاطف کترینا کے ساتھ بچوں کی پیدائش کے ہسپتال گئے ہیں۔ نکولائی اور آغا عاطف ابھی ویٹنگ روم میں گفتگو کر رہے تھے کہ الیکسی اور الیونا بھی ہسپتال پہنچ گئے۔ نکولائی نے انہیں بتایا کہ کترینا نے ایک خوبصورت بیٹے کو جنم دیا ہے۔ نکولائی کی طرح بچے کی پیدائش کی خبر سن کر الیکسی نے بھی آغا عاطف کو گلے لگا لیا۔ الیونا نے بھی اپنی وھیل چیئر کو حرکت دی اور آگے بڑھ کر آغا کے سر کو اپنی باہوں میں لے کر پیار سے چوما۔
پھر فرطِ جذبات سے مغلوب ہو کر اس نے کہا وہ خود کو بہت خوش قسمت تصور کرتی ہے۔ اس نے الیکسی کے بچے دیکھے اب الیکسی کے بچوں کے بچے دیکھ رہی ہے۔ پھر کہنے لگی۔ ابھی انقلاب کو بہت قربانیوں کی ضرورت ہے۔ وہ تب تک نہیں مرے گی جب تک سوویت انقلاب مکمل نہیں ہو جاتا۔ ابھی وہ منزل نہیں آئی جس کے خواب اس کے بزرگوں اور خود اس نے دیکھے تھے۔ انقلاب ایک مستقل عمل کا نام ہے۔ یہ عمل کبھی نہیں رکنا چاہیئے۔ اس وقت تک نہیں رکنا چاہیئے جب تک ہر سوویت شہری تک اس کے ثمرات نہیں پہنچتے۔ اس نے اس امید کا اظہار کیا کہ کترینا اور نکولائی کے بچے یقیناً انقلاب کی اس منزل تک پہنچیں گے۔ جس دن اسے یقین ہو گیا کہ انقلاب اس منزل تک پہنچ گیا ہے اس دن وہ اطمینان سے فوت ہو جائے گی۔

الیونا کی بات سن کر الیکسی نے زیر لب کچھ کہا جو کسی کی سمجھ میں نہ آیا۔ شاید اسے خود پتہ نہ چلا کہ اس نے کیا کہا ہے۔ لیکن آغا عاطف نے محسوس کیا الیکسی کے زیر لب اظہار میں ہلکا سا کرب چھپا تھا۔ ایسا کیوں تھا آغا عاطف کو اس کا کوئی اندازہ نہیں تھا۔

وہ وٹینگ روم میں یہ گفتگو کر رہے تھے کہ نرس اور ساشا کترینا کو حرکت کرنے والے بستر پر بچوں کی پیدائش کے کمرے سے دوسرے کمرے میں لیجاتے دکھائی دیئے۔

سب نے آگے بڑھ کر کترینا کو مبارک باد دی۔ ساشا نے نومولود کو اٹھا کر الیونا کی گود میں دے دیا۔ الیونا کی آنکھوں سے خوشی کے آنسو نکل آئے۔ اس نے ہاتھوں میں تھامے تھامے بچے کی پیشانی چومی اور اُسے لولیس کہہ کر پکارا۔ سب نے یہ نام پسند کیا۔ پھر وہ سب کترینا اور بچے کے ساتھ اس کو دیئے گئے کمرے میں چلے گئے۔

نرس انہیں پرائیوٹ کمرے میں چھوڑ کر نکلی تو نکولائی فوراً ہسپتال میں واقع کیفے سے وادکا کی بوتلیں لے آیا۔ سب نے مل کر پہلے وادکا کی ایک ایک بوتل اپنے جسم میں اتاری اور پھر لولیس کو دنیا میں خوش آمدید کہنے کے لیے یک صدا ہو کر گیت گانا شروع ہو گئے:

دنیا کے خوبصورت ترین ملک

سوویت یونین میں

سوویت یونین کے خوبصورت ترین شہر ماسکو میں

آج دنیا کے خوبصورت ترین بچے

لولیس نے جنم لیا ہے

آسمان سے ایک ستارہ زمین پر اترا ہے

دنیا کی تاریکیوں میں روشنی کی شمع بن کر

تا کہ نفرتوں اور استحصال سے بھری اس دنیا میں

محبت اور انسان دوستی کے چراغ روشن کرے

لولیس

انقلاب کا محافظ

انسان دوستی کا علمبردار

سامراج کا دشمن

مزدوروں اور کسانوں کا دوست

الیونا، الیکسی، نکولائی، ساشا گا رہے تھے۔ آغا بھی ان کی آواز کے ساتھ آواز ملا کر گا رہا تھا۔ کترینا نے مسکراتے ہوئے ان سب کو گاتے دیکھا تو اس نے بھی اپنی کمزور آواز ان کے ساتھ ملا دی۔

دنیا کے خوبصورت ترین ملک

سوویت یونین میں

سوویت یونین کے خوبصورت ترین شہر ماسکو میں

آج دنیا کے خوبصورت ترین بچے

لولیس نے جنم لیا ہے۔

وادکا پینے کی وجہ سے کترینا گاتے گاتے سو گئی جبکہ باقی سب اس کے ارد گرد بیٹھے رہے۔ انہوں نے وہیں بیٹھے رات گزاری۔

اگلی صبح ڈاکٹروں نے کترینا اور ننھے لولیس کا معائنہ کیا۔ زچہ اور بچہ دونوں پرفیکٹ حالت میں تھے۔ چنانچہ ڈاکٹروں نے انہیں گھر جانے کی اجازت دے دی۔ تاہم اس نے انہیں بتا دیا کہ اگلے چند دن نرس روزانہ ان کے گھر پر آکر کترینا اور بچے کا معائنہ کرے گی تاکہ ان کی صحت پر نظر رکھے۔

وہ سب ننھے لولیس کو اٹھائے ٹیکسی میں سوار وہی گیت گاتے اپنے گھر کی طرف روانہ ہوئے۔

دنیا کے خوبصورت ترین ملک

سوویت یونین میں

سوویت یونین کے خوبصورت ترین شہر ماسکو میں۔

ٹیکسی ڈرائیور نے بھی ان کی آواز کے ساتھ آواز ملائی

آج دنیا کے خوبصورت ترین بچے

لولیس نے جنم لیا ہے۔

ماسکو میں برف ابھی تک روئی کے سفید گالوں کی طرح ہولے ہولے عمارات، سڑکوں اور پارکوں میں ٹنڈ منڈ درختوں پر مسلسل گر رہی تھی۔ زندگی کا عمل ماسکو سے دور افغانستان کی سرحدوں پر چلتی گولیوں اور ماسکو میں گرتی برف کے باوجود جاری تھا۔

فصل 28

آغا عاطف نے جب سے پراودا میں کام شروع کیا تھا اسے لگا ماسکو میں اس کے مرتبے اور مقام میں اضافہ ہونا شروع ہو گیا ہے۔ اسے ہر روز کئی سرکاری اور غیر سرکاری پرگراموں کے دعوت نامے ملنا شروع ہو گئے۔ وہ جہاں مناسب سمجھتا چلا جاتا جہاں نہ جانا چاہتا نہ جاتا۔ نکولائی اکثر اس کا مذاق اڑاتا۔ وہ کہتا اسے اب ماسکو میں اس سے زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ لیکن نکولائی کمیونسٹ پارٹی کا باقاعدہ ممبر تھا جب کہ آغا عاطف صرف پراودا کے لیے جنوبی ایشیا کے امور کے ایکسپرٹ کے طور پر تجزیہ نگاری کرتا تھا۔ لیکن نکولائی کی بات ٹھیک تھی۔ پرودادا کے سٹاف ممبران کی ماسکو میں ویسی ہی توقیر تھی جیسی نوکر شاہی کے کارندوں یا کمیونسٹ پارٹی کے ممبران کی۔

افغانستان میں جنگ کے بارے میں پاکستانی حوالے سے انفارمیشن رکھنے کی وجہ سے آغا عاطف کو خاص اہمیت حاصل تھی۔ اس کو اکثر مشاورت کے لیے پولٹ بیورو اور کمیونسٹ پارٹی کے ممبران طلب کرتے رہتے۔ وہ خوشی کے ساتھ سب کے دفتروں میں جاتا اور انہیں حالیہ امور پر اپنے تجزیئے سے آگاہ کرتا۔

کمیونسٹ پارٹی اور پولٹ بیورو کے ممبران سے ملاقاتوں سے اس پر سوویت یونین کے نظام کے وہ گوشے بھی عیاں ہونا شروع ہو گئے جن سے آگاہی حاصل کرنا کسی عام آدمی کے لیے ممکن نہیں تھا۔ سوویت نظام بھول بھلیوں کا ایک ایسا پلندہ تھا جو اب تک کسی نہ کسی طرح چل رہا تھا لیکن جس میں بدستور خرابیاں واقع ہو رہی تھیں۔ اور ان خرابیوں کا دائرہ مسلسل پھیلتا چلا جا رہا تھا۔

ان ملاقاتوں سے اسے اندازہ ہو چکا تھا کہ اب تک جو باتیں وہ محض ایک مبصر کے طور پر لکھتا چلا آ رہا تھا ان میں کس قدر سچائی تھی۔

افغانستان کی جنگ ایک جال تھا جو بین الاقوامی سامراجی قوتوں نے سوویت یونین کے لیے پھیلایا تھا جس میں سوویت قیادت نہ چاہتے ہوئے بھی پھنس چکی تھی۔ آغا عاطف سوویت قیادت کو مسلسل مشورہ دے رہا تھا کہ جس قدر جلد ممکن ہو انہیں افغان جنگ سے باہر آجانا چاہیے۔

پراودا میں ملازمت سے پہلے وہ یہ باتیں اکا دکا ملنے والوں سے کہتا تھا اب اس نے یہ باتیں باقاعدگی کے ساتھ اس حوالے سے اپنے مضامین اور تبصروں میں لکھنا شروع کر دی تھیں۔

گھر پر الیونا اس کے تبصروں کی سب سے بڑی مداح تھی۔ جس دن پراودا میں اس کا کالم شائع ہوتا، الیونا اس کی منتظر رہتی۔ وہ گھر کے اندر قدم بعد میں رکھتا الیونا اس کے کالم پر تبصرہ پہلے شروع کر دیتی۔ وہ جب بھی اسے اس کے اخباری نام سے مخاطب کرتی وہ سمجھ جاتا کہ وہ اس کے کالم پر تبصرہ کرنے جا رہی ہے۔ وہ اپنی پوری توجہ اس کے کلمات پر مرکوز کر دیتا۔

"آغا عاطوف آج تم نے اپنے کالم میں برزنیف کی زیر قیادت حکومت میں جس سماجی اور معاشی جمود کا ذکر کیا ہے مجھے اس سے مکمل اتفاق ہے۔ اس معاملے پر میرا نقطہ نظر بھی یہی ہے۔ موجودہ نظام میں سماجی اور معاشی جمود سوویت یونین کو لے ڈوبے گا۔ اگر کمیونسٹ پارٹی نے یہ جمود توڑنے کے لیے اقدامات نہ کئے تو سوویت یونین کی بقا ناممکن ہو جائے گی۔"

اکثر اس طرح کا جملہ کہہ کر وہ اپنی انگلی اپنے ہونٹوں پر رکھ دیتی جیسے کہہ رہی ہو کہ اس نے یہ جملہ جان بوجھ کر نہیں کہا بلکہ اتفاقاً اس کے منہ سے نکل گیا ہے۔

آغا عاطف کو الیونا کے ان تبصروں سے اپنے کالم لکھنے میں بہت مدد ملتی۔ الیونا کے ان تبصروں سے سوویت یونین کی ساری حقیقتیں آغا عاطف کے کالموں میں منتقل ہو جاتیں۔ پڑھنے والے اس کی سوویت یونین کے نظام پر گہری جانکاری سے متاثر ہوتے۔ اس طرح رفتہ رفتہ آغا عاطف اپنے کالموں کی وجہ سے ماسکو میں اندر کا آدمی تصور ہونے لگا۔

ایک دن اس نے اپنے کالم میں لکھا کہ "افغانستان کی جنگ ابھی جاری ہے اور بالٹک ریاستوں میں پہلے ہی بے چینی پیدا ہونا شروع ہو گئی ہے۔ یہ بے چینی دیکھ کر با آسانی کہا جا سکتا ہے کہ بہت جلد ان ریاستوں میں نظام کی توڑ پھوڑ کا سلسلہ شروع ہو جائے گا۔"

پولٹ بیورو کے کئی ممبران نے اس بات کی وضاحت کے لیے اسے اپنے دفتر میں طلب کیا۔ وہ جاننا چاہتے تھے کہ اسے بالٹک ریاستوں سے کونسی ایسی خبریں ملی ہیں جن کی بنیاد پر اس نے یہ بات لکھی ہے۔

آغا عاطف نے پولٹ بیورو کے ممبران کی طرف سے اس طلبی کو اپنے لیے ایک اہم پیش رفت جانا۔ چنانچہ ان سے ملاقات کے لیے جانے سے پہلے اس نے اپنے خیالات کو یکجا کیا۔ الیونا کے ساتھ تبادلہ خیال کیا اور پھر ان سے ملنے کے لیے روانہ ہو گیا۔

پولٹ بیورو کے ممبران کے ساتھ میٹنگوں میں اس نے کئی نقاط پر زور دیا۔ مثال کے طور پر اس نے انہیں بتایا کہ سوویت نظام اندر سے بڑی تیزی کے ساتھ روبہ انحطاط ہے۔ سٹالن نے تیزی کے ساتھ صنعت کو ترقی دے کر بڑی حد تک سوویت یونین کو جس تعمیر اور ترقی کے راستے پر ڈالا تھا اسے آنے والی حکومتیں برقرار نہیں رکھ سکیں۔ چنانچہ سٹالن نے جن صنعتوں کی بنیاد رکھی تھی وہ وقت گزرنے کے ساتھ معمر ہو کر رفتہ رفتہ غیر پیداواری سطح پر آ گئی ہیں۔ اب وہ صنعتیں سوویت نظام کو طاقت بخشنے کی بجائے اس کے لیے بوجھ بن گئی ہیں۔ یہ بوجھ بالٹک ریاستوں پر مالی دباؤ بڑھا رہا ہے۔

بین الاقوامی انقلابی ذمہ داریوں نے سویت یونیں کو اندرونی طور پر کمزور کر دیا ہے۔ موجودہ نظام کے لیے سویت شہریوں کا معیار زندگی قائم رکھنا دشوار ہو گیا ہے۔ چنانچہ بالٹک ریاستیں اس اندرونی کمزوری کی وجہ سے متوازی ڈھانچے کھڑے کر رہی ہیں۔ بہت جلد وہ ڈھانچے ان کو سوویت یونین سے انخلا اور آزاد ریاستیں بننے کے راستے پر ڈال دیں گے۔

ایک دفعہ اگر یہ عمل شروع ہو گیا تو پھر اس کے اثرات باقی ریاستوں میں پھیلتے چلے جائیں گے اور یوں یہ ریاستیں یکے بعد دیگرے سوویت یونین سے الگ ہو جائیں گی۔

آغا عاطف کا تجزیہ سن کر پولٹ بیورو کے ممبران میں سے بیشتر کے ماتھوں پر لکیریں ابھر آئیں۔ سب نے آغا عاطف سے پوچھا کہ اس کے خیال میں اس بگڑتی ہوئی صورت حال کا حل کیا ہے۔
ان کے استفسار پر اس نے انہیں بتایا کہ سوویت یونین کو افغانستان میں لڑی جانے والی جنگ فوراً ختم کرنی ہو گی۔ اندرونی نظام کے اندر مختلف سیکٹرز میں پیدا ہونے والے جمود کو توڑنا ہو گا۔ عوام میں کمیونسٹ پارٹی کی گرتی ہوئی ساکھ کو بحال کرنا ہو گا۔ شہریوں کے گرتے ہوئے معیار زندگی کو سنبھالا دینا ہو گا اور فیصلہ سازی کے عمل میں ان کی شمولیت کے عمل کو بہتر بنانا ہو گا۔
آغا عاطف کے پراودا میں مضامین اور پولٹ بیورو اور کمیونسٹ پارٹی کے ممبران سے ہونے والی میٹنگوں میں کی گئی گفتگو سے ماسکو کے مختلف طبقوں میں سوویت یونین کی صحت کو لاحق خطروں کا احساس ہونا شروع ہو گیا۔ وہ کام جو الیونا کرنا چاہتی تھی اور بوجوہ کرنے سے معذور تھی آغا عاطف نے پراودہ میں تجزیہ نگار بن کر کر دکھایا۔
ابھی ماسکو میں آغا عاطف کے تجزیوں کی صدائے بازگشت گونج رہی تھی کہ اچانک لیونارڈ برزنیف کا انتقال ہو گیا۔ لیونارڈ برزنیف کی جگہ یکے بعد دیگرے یوری آندراپوف اور کرسٹین چرننکو نے پُر کی۔ لیکن وہ کوشش کے باوجود نظام کے جمود کو توڑنے میں ناکام رہے۔ سوویت یونین کی اندرونی صورتِ حال بد سے بدتر ہوتی چلی گئی۔
الیونا یہ صورت حال دیکھ کر تڑپ اٹھتی۔ اسے لگتا کہ اس سے پہلے اور اس کی اپنی نسل کی انقلاب کے لیے کی گئی جدوجہد ڈوبنا شروع ہو گئی ہے۔
سوویت یونین کے مستقبل کے بارے میں اس کی امید ٹوٹ ٹوٹ جاتی۔ لیکن اس کا شمار ان سوویت شہریوں میں ہوتا تھا جو آگ کے دریا سے گزر کر یہاں تک پہنچے تھے۔ وہ اس بات پر بھی آمادہ تھے کہ اگر انہیں اس سسٹم کو بچانے کے لیے دوبارہ قربانی دینا پڑی تو وہ اس سے بھی دریغ نہیں کریں گے۔ لیکن

قربانی دینے سے ضروری نہیں کہ مطلوبہ نتائج حاصل ہوں۔ اصل چیز قربانی نہیں مطلوبہ نتائج ہوتے ہیں۔ مطلوبہ نتائج صرف مناسب پلاننگ، حکمت عملی اور مستقل مزاجی سے نکلتے ہیں۔

آغا عاطف الیونا کو مایوس دیکھ کر تسلی دیتا کہ حالات خراب سہی لیکن سوویت یونین کا نظریہ صحیح ہے۔ دنیا بھر کی مظلوم اقوام کی ہمدردیاں سوویت یونین کے ساتھ ہیں۔ پوری دنیا کے مزدور اور کسان سوویت یونین کے نام سے حوصلہ پا کر اپنے ملکوں میں تبدیلی لانے کے لیے کوشاں ہیں۔ صرف ہمیں سوویت یونین کے اندر اپنی ترجیحات درست کرنے کی ضرورت ہے۔ اگر ہم اپنی ترجیحات درست کر لیں تو دنیا کی کوئی طاقت سوویت یونین کو شکست نہیں دے سکتی۔

الیونا آغا عاطف کی باتیں سنتی تو اس کی آنکھیں امید سے چمک اٹھتیں۔ وہ ایسے میں آغا عاطف سے پوچھتی کہ جس طرح وہ سوچتا ہے سوویت یونین کی نئی نسل اس طرح کیوں نہیں سوچتی۔

الیونا کی بات سن کر آغا عاطف ہنس دیتا۔ وہ اسے اسلامی ملکوں میں بسنے والے مسلمانوں کی مثال دیتے ہوئے کہتا کہ جس طرح وہ پیدائشی مسلمان ہونے کی وجہ سے اسلام کے لیے ویسے جذبات نہیں رکھتے جیسے قرون اولیٰ کے مسلمان رکھتے تھے اسی طرح سوویت یونین کی تیسری چوتھی نسل کے کمیونسٹ کمیونزم اور انقلاب کے بارے میں وہ رویہ نہیں رکھتے جو انقلاب برپا کرنے والوں کا تھا۔ یہ کوئی ایسا بڑا مسئلہ بھی نہیں۔ اگر بعد میں آنے والی نسلیں اپنی ترجیحات صحیح رکھیں اور اپنے اغراض و مقاصد کو کبھی نظروں سے اوجھل نہ ہونے دیں تو ان کا مستقبل ہمیشہ تابندہ رہتا ہے۔ باقی تبدیلیاں وقت کے ساتھ رونما ہوتی رہتی ہیں۔

پولٹ بیورو اور کمیونسٹ پارٹی کے ممبران کے ساتھ میٹنگوں میں اس کی ملاقات نوجوان میخائل سرگئی وچ گورباچوف سے ہوئی۔ وہ اسے باقی ممبران سے قدرے مختلف لگا۔

گورباچوف کا ذکر اس نے الیونا سے بھی کیا۔ الیونا کو اس نے بتایا کہ پولٹ بیورو کے جن ممبران سے اس کی بات چیت ہوئی ہے ان میں سے ایک گورباچوف بھی ہے۔ وہ دیکھنے میں تقریباً اسی کی عمر کا لگتا ہے۔

اس کی گمراہ کن مسکراہٹ اور سادہ آنکھیں جہاں ملنے والے کو اس پر اعتماد کرنے کا پیغام دیتی ہیں وہیں اس کی آنکھوں میں چھپا تجسس ملنے والے کو اس کے بارے میں سوچ وبچار پر بھی مجبور کر دیتا ہے۔

اس کی شخصیت بیک وقت ذہانت اور سادگی کا امتزاج ہے۔ وہ معاملہ فہم ہے لیکن فکر، عمل اور رد عمل کے باہمی تعلق کی گہرائی میں اترنے کی صلاحیت سے عاری ہے۔

الیونا نے آغا عاطف سے پوچھا : "یہ میخائل سرگئی وچ گورباچوف کون ہے۔ کیا یہ وہی گوربی ہے جس کے سر کے اگلے حصے پر خون کے انجماد سے کسی براعظم کا نقشہ بنا ہوا ہے۔"

"ہاں ہاں، وہی گورباچوف۔"

"مجھے بھی اس کی آنکھوں میں ہمہ وقت حماقتیں رقص کرتی دکھائی دیتی ہیں۔ وہ ان حماقتوں کو مسکراہٹ سے چھپانے کی کوشش کرتا ہے۔ لیکن اس کی ذہنی سطح اس کے چہرے سے جھلکتی ہے۔ مجھے پولٹ بیورو میں بیٹھے ایسے لوگوں سے ڈر لگتا ہے۔"

"الیونا۔ سوویت یونین میں بہت انرجی ہے۔ یہ ان سب طوفانوں سے گزر جانے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ تمہیں فکر مند نہیں ہونا چاہیے۔"

الیونا امید بھری نظروں سے آغا عاطف کی طرف دیکھتی اور پھر ہنستے ہوئے کہتی:" آغا عاطوف مجھے پتہ ہے پراودا میں تمہارے اگلے کالم کا موضوع کیا ہو گا۔"

آغا عاطف بھی الیونا کی بات سن کر مسکرانے لگتا اور پھر کہتا:

"ضرور ضرور۔ الیونا اگر تم پراودا میں میرے اگلے کالم کے بارے میں نہیں جانو گی تو اور کون جانے گا۔ میں تو صرف کالم لکھ دیتا ہوں۔ کالم کا سارا مواد تو تم مجھے فراہم کرتی ہو۔"

پھر وہ دونوں بے اختیار ہنسنا شروع ہو جاتے۔ کترینا الیونا اور آغا کو یوں ہنستے دیکھتی تو اس کے چہرے پر بھی مسکراہٹ پھیل جاتی۔

فصل 29

لولیس کو پیدا ہوئے کئی ہفتے ہو گئے تھے۔ ایک دن وہ پراودا کے دفتر سے نکل کر ارباط اسٹریٹ کی طرف جارہا تھا تاکہ ننھے لولیس کے لیے کچھ کپڑے خریدے۔ اس نے دیکھا کرپال سنگھ، ساچن اور سپیتمی اوور کوٹ پہنے، سر پر روسی ٹوپیاں رکھے، سڑک پر چلے جارہے تھے۔

سپیتمی نے آغا عاطف کو دیکھتے ہی کرپال اور ساچن کو اس کے بارے میں بتایا۔ وہ سب تیز تیز قدم اٹھاتے اس کی طرف بڑھے۔

کرپال سنگھ نے پہلا سوال ہی بچے کی پیدائش کے بارے میں کیا۔ آغا عاطف نے اسے بتایا کہ چند ہفتے قبل بیٹا پیدا ہوا ہے۔ دیکھنے میں بالکل روسی لگتا ہے۔ اس کا نام اس کی پردادی الیونا نے لولیس رکھا ہے۔

کرپال نے بیٹے کی پیدائش کی خبر سنتے ہی آغا کو بڑی سی گالی دیتے ہوئے کہا کہ اس نے انہیں بچے کی پیدائش کی اطلاع کیوں نہیں دی۔ آغا نے معذرت چاہتے ہوئے کہا کہ جب سے لولیس پیدا ہوا ہے وہ کترینا کے والدین کے گھر پر رہ رہے ہیں۔ اس کے علاوہ اس نے کابل سے واپس آتے ہی پراودا میں کام شروع کر دیا تھا۔ وہ روزانہ دفتر جاتا ہے۔ کئی ایک سرکاری پروگراموں میں شمولیت کرنا پڑتی ہے۔

"اوئے آغا تُو تو بڑا آدمی ہو گیا ہے۔ میں نے بہت کم لوگوں کو سوویت یونین میں اتنی تیزی سے کامیابی کی منزلیں طے کرتے دیکھا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ ہم لولیس کے لیے ایک پارٹی رکھیں۔ کیا تم اور کترینا پارٹی کے لیے آسکو گے؟"

"ہاں ہاں، یار کرپال تو کہے اور ہم نہ آئیں یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ کترینا کو پارٹی کے بارے میں جان کر خوشی ہو گی۔ وہ یقیناً آنے پر تیار ہو جائے گی۔ ہو سکتا ہے اس کا بھائی اور والدین بھی پارٹی میں شامل ہونے پر آمادہ ہو جائیں۔ لیکن پارٹی کرو گے کہاں؟"

"یار ہم انڈین سٹائل پارٹی کریں گے۔ یونیورسٹی والے بھی کہتے رہتے ہیں کہ کیمپس پر مختلف ملکوں کے کلچر کو پروموٹ کرو۔ مجھے امید ہے بہت سے طالب علم پارٹی میں آئیں گے۔ کترینا کے کئی جاننے والے اس کے بارے میں پوچھتے رہتے ہیں کہ وہ کب کیمپس پر واپس آ رہی ہے۔"

ساچن اور سپیتمی نے بھی آغا کو لولیس کی پیدائش پر مبارک باد دیتے ہوئے پارٹی کے آئیڈیا کی تائید کی۔ وہ تینوں ایئرپورٹ پر ملاقات کے بعد اس شام مل رہے تھے۔

چنانچہ تینوں باتیں کرتے کرتے پاس ہی واقع ایک کیفے میں چلے گئے۔ کیفے کھچا کھچ لوگوں سے بھرا تھا۔ لڑکے لڑکیاں شراب پی رہے تھے اور ایک دوسرے کے ساتھ اونچی آواز میں باتیں کر رہے تھے۔ جس سے سارے کیفے میں ایک ہنگامہ برپا تھا۔

آغا، کرپال، ساچن اور سپیتمی بھی ایک خالی ٹیبل پر بیٹھ گئے۔ انہوں نے بھی اپنے لئے واد کا آرڈر کی اور دوبارہ باتوں میں مصروف ہو گئے۔

کرپال نے آغا سے پوچھا "اس نے روسی زبان میں اتنی جلدی کیسے کمال پیدا کیا ہے؟"

"اپنی روسی زبان کی استاد سے شادی کر کے۔" آغا نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ پھر اپنی بات آگے بڑھاتے ہوئے بولا: "تم جانتے ہو میں جب سے ماسکو آیا ہوں میں نے سوائے زبان سیکھنے کے اور کچھ نہیں کیا۔ خوش قسمتی سے نہ صرف کترینا بہت اچھی ٹیچر ہے بلکہ اس کی دادی الیونا باکمال خاتون ہے۔ وہ روسی زبان، ادب، تاریخ، کلچر اور سیاست کا چلتا پھرتا انسائیکلوپیڈیا ہے۔ کابل میں بھی میں جب تک رہا میرا زیادہ وقت روسیوں کی معیت میں گزرا۔ ضرورتاً افغانیوں سے رابطہ رہا لیکن ساری کلچرل سرگرمیاں روسیوں کے ساتھ رہیں۔ میں نے کابل سے ہی روسی اخباروں کے لیے تجزیاتی مضامین لکھنے شروع کر دیئے تھے۔ شروع شروع میں کترینا ان کی اصلاح کر دیتی تھی۔ پھر اس کی ضرورت نہ رہی۔ واپس آیا تو پراودا میں ملازمت مل گئی۔ پراودا میں ملازمت کے بعد مجھ پر ماسکو کے سب دروازے کھل گئے ہیں۔ جہاں چاہوں جا سکتا ہوں۔ جس سے چاہوں مل سکتا ہوں۔"

کرپال، ساچن اور سپیتمی دلچسپی سے آغا کی باتیں سن رہے تھے۔ انہیں آغا پر رشک آ رہا تھا۔ وہ اس کی دوستی اور اس کے ساتھ تعلق پر نازاں تھے۔

کرپال نے آغا سے پوچھا۔۔" کیا اس کا لاہور میں اپنی فیملی سے کوئی رابطہ ہے اور کیا اس کی فیملی کو اس کی کامیابیوں کا علم ہے؟"

آغا عاطف نے انہیں بتایا کہ اس کے والدین اور بہن بھائی اسے اور کترینا کو ملنے افغانستان آنا چاہتے تھے لیکن اس نے انہیں منع کر دیا تھا۔ افغانستان کے حالات ایسے نہیں تھے کہ وہ وہاں آتے۔ اب وہ ماسکو آنا چاہتے ہیں۔ شاید بر فباری کا موسم گزر جانے کے بعد آئیں۔

کرپال، ساچن اور سپیتمی آغا عاطف کے والدین اور بہن بھائیوں کے ماسکو آنے کی خبر سن کر شاد ہو گئے۔ ان کا جی چاہتا تھا کہ وہ آغا عاطف کے والد اور والدہ سے ملیں۔ اس کی بہن اور بھائیوں سے ملاقات کریں۔

سپیتمی نے آغا کے والدین کی ماسکو آنے کی خبر سن کر تجویز دی کہ انہیں لولیس کے لیے پارٹی کو اس وقت تک موخر کر دینا چاہیے۔ وہ اپنے پوتے کے لیے پارٹی میں شامل ہو کر یقیناً خوشی محسوس کریں گے۔

سپیتمی کی تجویز سن کر آغا عاطف نے کرپال، ساچن اور سپیتمی سے کہا وہ تینوں اپنے والدین کو کیوں ماسکو آنے کی دعوت نہیں دیتے؟ کترینا کے والدین پہلے ہی یہاں ہیں۔ ہم سب کے خاندان یہاں جمع ہوں تو ان کی موجودگی سے پارٹی کو چار چاند لگ جائیں گے۔

کیفے میں لوگوں کی آمد و رفت تا حال جاری تھی۔ نوجوان لڑکے لڑکیاں کیفے میں آ جا رہے تھے۔ وہ ٹولیوں کی شکل میں آتے، شراب پیتے، گپ شپ کرتے اور چلے جاتے۔ لیکن آغا عاطف، کرپال، ساچن اور سپیتمی وہیں بیٹھے گپ شپ کر رہے تھے۔ اتنے دنوں بعد ملے تھے ان کی باتیں ختم ہونے میں نہیں آ رہی تھیں۔ پیپلز فرینڈشپ یونیورسٹی میں ان کی مختصر ملاقاتیں ہوئی تھیں۔ لیکن انہیں باتیں کرتے

دیکھ کر لگتا تھا کہ وہ بچپن سے ایک دوسرے کو جانتے ہیں۔ ان کے خاندان ایک دوسرے کو جانتے ہیں اور ان کی مشترکہ تاریخ ہے۔

جب انہیں گپ شپ کرتے کافی دیر ہوگئی تو آغا نے ان سے اجازت چاہی۔ ابھی اسے ارباط سٹریٹ سے لولیس کے لیے کپڑے خریدنے تھے۔

جب اس نے انہیں بتایا کہ وہ لولیس کے لیے کپڑے خریدنے کی غرض سے ارباط سٹریٹ جارہا تھا تو سپیتمی نے خواہش ظاہر کی کہ وہ بھی اس کے ساتھ ارباط سٹریٹ جائیں گے اور لولیس کے لیے کچھ کپڑے خرید کر اسے بطورِ تحفہ دیں گے۔

آغا نے یہ فریضہ کسی اور وقت کے لیے اٹھار کھنا چاہا لیکن اسے کرپال، ساچن اور سپیتمی کے سامنے ہتھیار ڈالنے پڑے۔ آخر وہ چاروں کیفے سے اٹھ کر ارباط سٹریٹ کی طرف چل پڑے۔

ارباط سٹریٹ وہاں سے زیادہ دور نہیں تھی۔ وہ چند منٹوں میں پیدل چلتے وہاں پہنچ گئے۔ سڑکوں پر برف اور موسم میں خنکی کے باوجود ارباط سٹریٹ کی رونق قائم تھی۔ خریداری کرنے والے سڑک کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک یوں پھر رہے تھے جیسے یہ موسم سرما کی نہیں بلکہ موسم گرما کی شام تھی۔

چاروں پیدل چلتے یونہی خوش گپیاں کرتے بچوں کے کپڑوں کی ایک دوکان میں داخل ہوگئے۔ کافی دیر تک وہ کپڑوں کی خریداری کے بعد دوکان سے باہر آئے تو آغا نے کپڑوں کے کئی بیگ اٹھار کھے تھے۔ کرپال سنگھ، ساچن اور سپیتمی نے لولیس کے لیے اسے اتنے کپڑے خرید دیئے کہ آغا عاطف کو خود اپنے بیٹے کے لیے کپڑے خریدنے کی ضرورت نہ رہی۔

پھر وہ چاروں پیدل چلتے میٹرو سٹیشن گئے۔ سب نے پانچ پانچ کوپک کے ٹکٹ خریدے۔ کرپال، ساچن اور سپیتمی پیپلز فرینڈشپ یونیورسٹی کی طرف جانے والی ٹرین پر سوار ہوگئے جبکہ آغا کپڑوں کے بیگ اٹھائے۔ اپنے سسرال کے گھر کی طرف چل دیا۔

کپڑوں کے اتنے بیگ اٹھائے وہ گھر پہنچا تو کترینا، ساشا اور الیونا نے اسے اتنے زیادہ کپڑے اٹھائے دیکھ کر ہلکی سی سرزنش کی: " آغا بچے تیزی کے ساتھ بڑے ہوتے ہیں۔ اتنے کپڑے لانے کی کیا ضرورت تھی۔ لولیس چند ماہ سے زیادہ یہ کپڑے استعمال نہیں کر سکے گا۔"

آغا نے انہیں کرپال، ساچن اور سپیتمی سے ملاقات کے بارے میں بتایا۔ پھر کہنے لگا یہ سب کپڑے لولیس کے لیے انہوں نے خریدے ہیں۔ وہ لولیس کی پیدائش پر بہت خوش ہیں اور اس کے لیے یونیورسٹی میں پارٹی کرنا چاہتے ہیں۔ پھر منہ کترینا کے کان کے پاس لے جا کر کہنے لگا: " لولیس کے بعد اور بچے بھی تو آئیں گے۔ کچھ کپڑے ان کے لیے بچا رکھنا۔"

کترینا نے محبت سے آغا کو ڈانٹ دیا۔ ساشا اور الیونا کچھ نہ سمجھنے کا بہانہ بناتے ہوئے بے اختیار ہنس پڑیں۔

الیونا نے کہا: " آغا عاطوف فقط پراودا کا اچھا تجزیہ نگار ہی نہیں وہ بہت اچھا شوہر بھی ہے۔"

فصل 30

آغا پراودا میں اپنے دفتر میں بیٹھا تھا۔ وہ مختلف ذرائع سے افغانستان سے آنے والی رپورٹیں دیکھ رہا تھا۔ خبریں کوئی اچھی نہیں تھیں۔ سوویت فوجیوں کا مورال مسلسل گر رہا تھا اور وہ کسی بھی قیمت میں یہ جنگ جاری رکھنے میں دلچسپی نہیں رکھتے تھے۔

آغا عاطف کا شروع سے نقطہ نظر تھا کہ سوویت یونین کو افغانستان میں فوج کشی نہیں کرنی چاہیے۔ کترینا بھی اسی نقطہ نظر کی حامی تھی۔ الیونا تو باقاعدہ انقلاب کو بین الاقوامی ذمہ داری بنانے کی بجائے سوویت یونین کی اندرونی نشوونما اور توانائی کے لیے بطور قوت استعمال کرنے کی حامی تھی۔

الیونا کے انہی نظریات کی وجہ سے آغا عاطف اس کی بہت عزت کرتا تھا۔ وہ اسے سوویت امور میں اپنی استاد کا درجہ دیتا تھا۔ اپنے خیالات و نظریات کی اس کے خیالات و نظریات کی روشنی میں چھان پھٹک کرتا تھا۔ تاحال اس کی اس اپروچ نے سوویت یونین میں اس کے لیے کامیابی کے کئی دروازے کھولے تھے۔

رپورٹوں کے مطالعہ کے دوران اچانک فرنٹ ڈیسک پر بیٹھی کلرک نے اسے بتایا کہ کوئی کریمانوف نامی شخص اس سے ملنے کے لیے آیا ہے۔ اس نے کلرک کو ہدایت کی کہ ملاقات کے لیے آنے والے فرد کو اندر بھجوادے۔ چند لمحوں بعد وہ اس شخص کے ساتھ واپس لوٹی تو آغا نے دیکھا اس سے ملنے کے لئے آنے والا آدمی ایک طویل القامت، مضبوط ڈیل ڈول کا روسی تھا۔ اس نے سیاہ رنگ کا بلند کالروں والا اوور کوٹ اور سر پر سرخ رنگ کی روسی ٹوپی پہنی ہوئی تھی۔

آغا عاطف نے کرسی سے اٹھ کر آنے والے اجنبی کو اپنے دفتر میں خوش آمدید کہا اور گرم جوشی سے اس سے ہاتھ ملایا۔

اجنبی نے آتے ہی اپنا تعارف کرایا: "میرا نام کریمانوف ہے ۔ میں سوویت آرمی میں میجر ہوں۔ افغانستان سے ایک ماہ کی میڈیکل چھٹی پر آیا ہوں۔ پراودا میں افغانستان پر تمہارے تجزیاتی مضامین پڑھتا ہوں تو خوشی ہوتی ہے کہ ماسکو میں بیٹھ کر بھی کوئی حالات کو صحیح تناظر میں دیکھ اور پیش کر رہا ہے۔" آغا نے ممنونیت سے میجر کریمانوف کا شکریہ ادا کیا۔

"صرف میں ہی نہیں۔ افغانستان میں برسرپیکار مڈل رینک کے زیادہ تر فوجی تمہارے مضامین پڑھ کر انہی جذبات کا اظہار کرتے ہیں۔ میں میڈیکل چھٹی پر ماسکو آرہا تھا تو ان میں سے کئی ایک نے مجھے کہا تھا کہ میں تم سے ملوں اور ان کے احساسات تم تک پہنچاؤں۔"

"میجر اگر تم واپس جاؤ تو میری طرف سے ان سب افسران اور جوانوں کا شکریہ ادا کرنا۔ آپ لوگ ایک بہت اہم جنگ لڑ رہے ہیں۔ آپ کا کام جنگ لڑنا ہے سو آپ لڑ رہے ہیں۔ جنگ شروع یا ختم کرنا قیادت کا کام ہے۔ کریملن میں بیٹھی قیادت نے فیصلہ کیا کہ سوویت یونین کو یہ جنگ لڑنی چاہیے ، آپ اچھے فوجیوں کی طرح ان کے فیصلے پر دریائے آمو کے اس پار چلے گئے۔ آپ کو یہی کرنا چاہیے تھا۔ ہم لکھنے پڑھنے والے لوگ ہیں۔ حقائق کی بنیاد پر جو تصویر بنتی ہے اسے اپنے قارئین کے لیے پیش کر دیتے ہیں۔"

میجر کریمانوف سے گفتگو کرتے ہوئے آغا عاطف نے اسے چائے کے لیے پوچھا۔ میجر کریمانوف نے شکریئے سے آغا عاطف کی چائے کی دعوت قبول کرلی۔ لیکن شرط رکھی کہ آغا عاطف کو اس کے جواب میں اس کے ساتھ لنچ یا ڈنر کرنا پڑے گا۔

آغا عاطف نے ابھی تک لنچ نہیں کیا تھا۔ اس نے اپنی گھڑی پر نظریں دوڑائیں۔ دوپہر کے دو بج رہے تھے۔ اس نے میجر کریمانوف سے پوچھا کیا اس نے لنچ کرلیا ہے۔ میجر نے جواب دیا کہ اس نے ابھی تک لنچ نہیں کیا۔ آغا عاطف نے میجر کریمانوف سے کہا اگر وہ پسند کرے تو وہ اسی وقت اس کے ساتھ قریبی

کیفے میں لنچ کے لیے جا سکتا ہے۔ میجر کریمانوف نے کہا۔۔۔ "اس سے اچھی بات کیا ہو سکتی ہے کہ وہ لنچ کے وقت دفتر میں بیٹھ کر چائے پینے کی بجائے کیفے میں جا کر لنچ کریں۔"

آغا عاطف نے بھی میجر کریمانوف سے اتفاق کیا۔ اس نے بھی اسٹینڈ پر لٹکتا اوور کوٹ پہنا، سر پر روسی ٹوپی رکھی اور میجر کریمانوف کے ساتھ لنچ کے لیے قریبی کیفے کی طرف چل پڑا۔

کترینا نے آغا عاطف کو ماسکو میں مختلف محکموں کے اہلکاروں کے کام کرنے کے طریقوں کے بارے میں بہت اچھی طرح سب کچھ سکھا دیا تھا۔ وہ کسی بھی ملنے والے کے بارے میں فوراً اندازہ کر لیتا کہ کس کی کیا اصلیت ہے اور اس کے ارادے کیا ہیں۔

میجر کریمانوف سوویت فوج کا میجر ہی نہیں بلکہ وہ کے جی بی کا اعلیٰ افسر بھی تھا۔ آغا عاطف کو میجر کریمانوف کی آمد اور تعارف کے ساتھ ہی اندازہ ہو گیا تھا کہ میجر صرف فوج کا میجر نہیں بلکہ وہ کے جی بی کے لیے بھی کام کرتا ہے۔ آغا عاطف کمیونسٹ پارٹی اور پولٹ بیورو کے کئی ممبران سے مل چکا تھا لیکن تاحال کے جی بی کے کسی اعلیٰ افسر سے اس کا براہ راست رابطہ نہیں ہُوا تھا۔

اس نے میجر کریمانوف کی آمد کو ایک اچھا اشارہ سمجھا۔ میجر کریمانوف کے ساتھ لنچ یا ڈنر سے اچھا موقع اسے کوئی نہیں مل سکتا تھا کہ وہ کے جی بی کے ذہن میں سوویت یونین کے پالیسی معاملات کے بارے میں اپنا نقطہ نظر ڈالے۔ ماسکو میں فیصلہ سازی میں جہاں اور بہت سے ادارے اہم کردار ادا کرتے تھے کے جی بی ان میں سب سے اہم ادارہ تھا۔ ساری روسی قیادت فیصلہ سازی میں کے جی بی کی رپورٹوں پر انحصار کرتی تھی۔

میجر کریمانوف اور آغا عاطف پیدل چلتے قریبی کیفے میں داخل ہوئے تو پیش خدمت گار لڑکی نے انہیں کیفے میں خوش آمدید کہا۔

آغا عاطف اور میجر کریمانوف کئی بار اس کیفے میں مختلف مہمانوں کے ساتھ وہاں آ چکے تھے۔ وہ دونوں کو شکلوں سے پہچانتی تھی۔ اسے پتہ تھا کہ آغا عاطف پراودا کے لیے کام کرتا ہے۔ میجر کریمانوف کا بھی

اسے پتہ تھا کہ وہ کوئی اعلیٰ سرکاری عہدیدار ہے لیکن وہ نہیں جانتی تھی کہ اس کے کام کی نوعیت کیا ہے۔

دونوں کے سیٹوں پر بیٹھتے ہی ویٹرس نے ان کے سامنے وادکا کی دو بوتلیں لا رکھیں۔ دونوں نے اپنے اپنے پسندیدہ لنچ کا آرڈر دیا اور پھر باتوں میں مشغول ہو گئے۔

میجر کریمانوف نے افغانستان کی جنگ سے آغا عاطف کی توجہ ہٹا کر اس کی کمیونسٹ پارٹی اور پولٹ بیورو کے ممبران سے ہونے والی ملاقاتوں پر گفتگو شروع کر دی۔ میجر کریمانوف کو پتہ تھا کہ کمیونسٹ پارٹی اور پولٹ بیورو کے کس کس ممبر سے اس کی ملاقات ہو چکی تھی۔ لیکن اس نے اس پر یہ ظاہر نہ ہونے دیا کہ اسے اس کی ان ملاقاتوں کا علم ہے۔ باتوں باتوں میں اس نے آغا عاطف سے پوچھا کہ افغانستان کی جنگ پر اس کی کمیونسٹ پارٹی اور پولٹ بیورو کے جن ممبران سے ملاقات ہوئی ہے وہ اس کے متعلق کیا سوچتے ہیں۔

آغا عاطف نے کمیونسٹ پارٹی یا پولٹ بیورو کے کسی ممبر کا نام لئے بغیر میجر کریمانوف کو بتایا کہ ان میں رفتہ رفتہ احساس بڑھ رہا ہے کہ یہ جنگ جاری رکھنا سوویت یونین کے مفاد میں نہیں۔ ہو سکتا ہے وہ مشترکہ طور پر اس فیصلے پر پہنچ جائیں اور سوویت یونین افغانستان سے فوجیں واپس بلا لے۔

پھر آغا عاطف نے مسکراتے ہوئے میجر کریمانوف سے کہا: "میجر اس شکل میں تمہیں میڈیکل چھٹی کے بعد افغانستان واپس نہیں جانا پڑے گا۔"

میجر نے بھی اسی طرح مسکراتے ہوئے جواب دیا: "لیکن آطوف یہ اتنی جلدی نہیں ہونے جا رہا ہے۔ ہو سکتا ہے یہ جنگ رکتے رکتے ابھی کئی سال لگ جائیں۔"

"نہیں میجر میں افغانستان سے آنے والی جو رپورٹیں دیکھ رہا ہوں۔ مجھے نہیں لگتا یہ جنگ اب سالوں تک چلے گی۔ میرا خیال ہے کہ اگلے چند ماہ میں یہ جنگ ختم ہو جائے گی۔ مجھے لگتا ہے اگلے چند ماہ میں ہمارے فوجی دریائے آمو سے واپس اس پار آ جائیں گے۔"

میجر کریمانوف آغا عاطف کی انفارمیشن سے حیران کن حد تک متاثر ہوا۔ اس نے آغا عاطف کی جانکاری کی تعریف کرتے ہوئے کہا: "اس کا مطلب ہے سوویت یونین یہ جنگ ہار جائے گا اور امریکی جیت جائیں گے۔"

"میجر ظاہری طور پر جو تم کہہ رہے ہو ٹھیک ہے۔ لیکن میں بہت دور تک دیکھ رہا ہوں۔ میرے نزدیک سوویت یونین کی سلامتی زیادہ اہم ہے۔ سوویت یونین سے ہماری دنیا کا توازن قائم ہے۔ اگر سوویت یونین کی سلامتی کو خطرات لاحق ہوئے تو یہ توازن بگڑ جائے گا۔ یہ توازن بگڑنے کے نتیجے میں دنیا میں جو کچھ ہو گا اس کا کسی کو کوئی اندازہ نہیں۔ ہمیں افغانستان کی فکر کرنے کی بجائے اپنی ساری توانائیاں سوویت یونین کو بچانے پر صرف کرنی چاہئیں۔"

"لیکن امریکی اس فتح کے نتیجے میں پاگل ہو جائیں گے۔" میجر کریمانوف نے آغا عاطف کی بات سن کر اسے جواب دیا۔

"امریکی کب پاگل نہیں تھے؟ امریکی ہمہ وقت دنیا میں اکھاڑ پچھاڑ کرتے رہتے ہیں۔ اس اکھاڑ پچھاڑ سے کتنے لوگوں کی زندگیاں متاثر ہوتی ہیں اس کا نہ انہیں کل اندازہ تھا نہ آج ہے۔ وہ اکھاڑ پچھاڑ کا یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رکھیں گے جب تک وقت ان کے بارے میں اپنا فیصلہ نہیں سنا دیتا۔" آغا عاطف نے میجر کریمانوف کو جواب دیا۔

آغا عاطف اور میجر کریمانوف میں ابھی گفتگو جاری تھی کی ویٹرس ان کی فوڈ لے آئی۔ دونوں نے فوڈ کا پہلا نوالہ منہ میں ڈالنے کے بعد واد کا کا ایک ایک گھونٹ پیا اور اپنی گفتگو جاری رکھی۔

میجر کریمانوف کو امریکہ کے بارے میں آغا عاطف کے خیالات سن کر خوشی ہوئی۔ اس نے افغانستان میں بہنے والے سوویت خون کو وقتی طور پر بھلا کر آغا سے پوچھا: "لیکن وقت امریکہ کے بارے میں اپنا فیصلہ کب سنائے گا؟"

"میجر میں نہیں جانتا کہ امریکہ کا کیا بنے گا۔ لیکن میں ایک بات جانتا ہوں۔ شیر جنگل میں اپنا ایریا جتنا مرضی وسیع کر لے لیکن آخر کار ایک دن وہ بوڑھا ہو کر گر جاتا ہے۔ تب اس کا گوشت جنگل کے مکروہ ترین جانور یعنی لگڑ بھگے کھاتے ہیں۔ لیکن فی الحال میں سوویت یونین کے بارے میں متفکر ہوں۔ افغانستان جنگ نے سوویت یونین کے لیے بہت سے مسائل پیدا کر دیئے ہیں۔ سوویت یونین کو اپنے اندرونی معاملات کا جائزہ لے کر اپنے لیے بہتر راستے کا انتخاب کرنا ہے۔" آغا نے میجر کی توجہ امریکہ سے دوبارہ سوویت امور کی طرف مبذول کرائی۔

آغا کی بات سن کر میجر کریمانوف نے ایک طویل ٹھنڈی سانس بھری۔ کھانے کا ایک اور نوالہ منہ میں ڈال کر واد کا کی بوتل منہ میں انڈیلی۔

آغا انتظار کر رہا تھا کہ میجر کا لنچ ختم ہو تو وہ واپس اپنے دفتر جائے۔ اسے واپس جا کر اگلے دن کے لئے ابھی اپنا مضمون لکھنا تھا۔

اسے جلدی میں دیکھ کر میجر نے بھی تیزی کے ساتھ اپنا لنچ ختم کیا۔ پھر اس نے ملاقات کے لیے وقت دینے کے لیے اس کا شکریہ ادا کیا۔ لیکن اس سے الگ ہونے سے پہلے اس نے اس سے دوبارہ ملاقات کی استدعا کی۔ آغا عاطف نے اس سے وعدہ کیا وہ اس کی افغانستان واپسی سے پہلے ضرور اسے ملے گا۔

پھر دونوں ایک دوسرے کو دس ودانیا کہہ کر کیفے سے باہر نکلے۔ آغا پراودا کے دفتر واپس چلا گیا جبکہ میجر کریمانوف اپنی گاڑی میں بیٹھ کر آغا عاطف سے ملاقات کے بارے میں اپنے نوٹس بنانے میں مصروف ہو گیا۔

فصل 31

برفباری کا موسم گزر چکا تھا۔ درختوں سے کونپلیں پھوٹنے لگی تھیں۔ پھوٹتی کونپلوں کی خوشبو سے ماسکو کی فضاؤں میں مستی کی سی کیفیت چھائی تھی۔

مردوں اور عورتوں نے اوور کوٹ اتار کر ہلکے کپڑے پہننے شروع کر دیئے تھے۔ لڑکے لڑکیاں سڑکوں پر چلتے پھرتے دوبارہ موج مستیاں کرنے لگے تھے۔

ننھا لولیس سیانا ہوتا جا رہا تھا۔ اب وہ روسی کے ٹوٹے پھوٹے لفظ ادا کرنے لگا تھا۔ کترینا اور آغا اب تک اپنے ماں باپ کے ساتھ رہ رہے تھے۔

نکولائی بھی سر شام وہاں چلا آتا۔ ڈنر تک وہیں رہتا اور پھر اپنی رہائش گاہ پر چلا جاتا۔ اس نے ابھی تک شادی کے بارے میں نہیں سوچا تھا۔ چند لڑکیوں کے ساتھ اس کے آفیئر چلے لیکن بات آگے نہ بڑھ سکی۔ الیکسی، ساشا اور الیونا کبھی کبھار اس سے شادی کے بارے میں پوچھتے لیکن اس کی عدم دلچسپی دیکھ کر خاموش ہو جاتے۔

تاہم کترینا اور آغا اس کے ساتھ اس مسئلے پر چھیڑ چھاڑ جاری رکھتے۔

نکولائی کو اپنے بھانجے سے بہت محبت تھی۔ وہ جب تک اپنی فیملی کے ساتھ رہتا لولیس سے کھیلتا رہتا۔ الیونا بھی لولیس سے بہت محبت کرتی تھی۔ وہ بھی ان دونوں کے ساتھ خوب گھل مل گیا تھا۔ نکولائی کے پاس جاتا تو الیونا کے پاس جانے کی کوشش کرتا۔ الیونا کے پاس جاتا تو نکولائی کے پاس جانے کی ضد کرتا۔ لولیس کی پیدائش کے بعد الیونا کو بھی ایک کھلونا مل گیا تھا۔ وہ سارا دن اس کے ساتھ کھیلتی رہتی۔

لیکن کچھ عرصہ سے الیونا کی طبعیت خراب رہنے لگی تھی۔ وہ کافی معمر ہو گئی تھی۔ عمر کی وجہ سے اس کے صحت کے مسائل بڑھتے جا رہے تھے۔

انقلاب کے بعد روسیوں کی طبعی عمروں میں خاصہ اضافہ ہوا تھا۔ اشیائے ضروریہ کی کمی کے باوجود نظام میں ایک بہتری آئی تھی جس کے اثرات زندگی کے ہر شعبے میں نمایاں تھے۔ خاص طور پر میڈیکل فیلڈ میں کافی ترقی ہوئی تھی جس کے نتیجے میں روسی ہیلتھ کیئر سسٹم کی کارکردگی مثالی حد تک بہتر ہو گئی تھی۔
معاشی سپورٹ سسٹم اگرچہ کمزور تھا لیکن سب کو کھانے کو ملتا تھا۔ ہر ایک کے پاس سر چھپانے کی جگہ تھی۔ اگرچہ اچھی رہائش گاہیں صرف نوکر شاہی کے کارندوں، کمیونسٹ پارٹی کے عہدیداروں، دانشوروں، ڈاکٹروں، انجنیئروں اور ماہر ورکروں کو میسر تھیں اس کے باوجود عام لوگوں کا بھی حال اتنا بُرا نہیں تھا۔ سب طالب علموں کو وظیفہ ملتا تھا۔ علاج معالجہ بھی سب کے لیے مفت تھا۔
الیونا معمر ہونے کی وجہ سے صحت کے چھوٹے موٹے مسائل سے دوچار رہتی تھی۔ لیکن وہ اپنی زندگی سے خاصی مطمئن تھی۔ کئی دہائیوں سے وھیل چیئر پر ہونے کے باوجود کافی متحرک زندگی گزارتی تھی۔
رفتہ رفتہ آغا عاطف کے ساتھ اس کی خاصی قربت پیدا ہو چکی تھی۔ آغا عاطف کی سوچوں میں اسے سوویت یونین کے بڑھتے ہوئے مسائل کا حل نظر آتا تھا۔ پراودا میں اس کے لکھے ہوئے تجزیاتی مضامین کی بازگشت کمیونسٹ پارٹی، پولٹ بیورو اور پریزیڈیم میں سنائی دینے لگی تھی۔
ایک دن آغا نے الیونا کو میجر کریمانوف سے ہونے والی ملاقات کے بارے میں بتایا۔ الیونا اس کی کریمانوف سے گفتگو کی تفصیلات سن کر ہنس ہنس کر لوٹ پوٹ ہو گئی۔ اس نے آغا سے پوچھا کہ اسے کیسے پتہ چلا تھا کہ میجر کریمانوف کا تعلق کے جی بی سے ہے؟
جب آغا عاطف نے اسے بتایا کہ جیسے ہی کریمانوف نے اسے بتایا کہ وہ میجر ہے اور افغانستان سے میڈیکل چھٹی پر آیا ہے اسے پتہ چل گیا تھا کہ وہ افغانستان سے نہیں بلکہ یہیں ماسکو میں کسی دفتر سے آیا ہے اور وہ دفتر کونسا ہو سکتا ہے اس کا اندازہ تو ایک احمق بھی آسانی سے لگا سکتا تھا۔
الیونا نے آغا عاطف کی میجر کریمانوف سے ملاقات پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ اس نے اسے بالکل ٹھیک طرح سے ہینڈل کیا تھا۔ اس کی اس کے ساتھ ملاقات کے اچھے نتائج برآمد ہوں گے۔ اسے ماسکو میں

جس طرح کی اہمیت حاصل ہوتی جا رہی ہے اس کا نام بہت سے حساس کاموں کے لیے کلیئر ہو جائے گا۔ ہو سکتا ہے وہ مستقبل میں سوویت یونین میں کوئی اہم کردار ادا کرے۔

آغا نے الیونا کو بتایا کہ اس کے اطمینان کے لیے پراودا کے ساتھ اس کی وابستگی کافی ہے۔ پراودا کا ذکر کرتے ہوئے اس کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

الیونا نے اس کے چہرے پر پھیلنے والی مسکراہٹ کا سبب پوچھا تو آغا نے لاہور میں گزارے ہوئے دنوں کو یاد کرتے ہوئے کہا کہ اسے پاکستان میں اپنے وہ ساتھی یاد آ رہے ہیں جو پاکستان میں انقلاب لانے کی باتیں کیا کرتے تھے۔ وہاں انقلاب لانے کی باتیں ہوتی تھیں یہاں انقلاب کے نتیجے میں پیدا ہونے والے نظام کی خوبیوں اور خامیوں کا جائزہ لیا جا رہا ہے۔ سوویت نظام کو مستحکم کرنے کی باتیں ہو رہی ہیں۔ وہاں بائیں بازو والے انقلاب کے خواب دیکھ رہے ہیں یہاں انقلاب لانے والوں کی تیسری چوتھی نسل مکمل طور پر مختلف مسائل کے ساتھ نبرد آزما ہے۔ انہیں اندازہ تک نہیں کہ انقلاب لانے کے لیے سماج کے کتنے بڑے حصے کو کتنی جدوجہد کرنا پڑتی ہے۔

آغا کی بات سن کر الیونا کی پیشانی پر شکنیں ابر آئیں۔ وہ واضح طور پر شکست خوردہ دکھائی دے رہی تھی۔ اسے دیکھ کر لگتا تھا کہ اسے اپنی اور اپنے آباواجداد کی نسلوں کی جدوجہد ضائع ہوتی ہوئی دکھائی دے رہی تھی۔ ان کے خواب کسی حد تک پورے ہوئے تھے لیکن سوویت سماج کو آئیڈیل سطح تک پہنچنے کے لیے ابھی بہت کچھ کرنا تھا۔

اس نے پہلے امید بھری نظروں سے آغا عاطف کی طرف اور پھر لولیس کی طرف دیکھا۔ لولیس کو نکولائی اپنے بازوؤں میں اٹھائے کمرے میں ٹہل رہا تھا۔ لولیس نے نکولائی کے بازوؤں میں ہمکتے ہوئے بازو الیونا کے طرف پھیلا دیئے۔ الیونا نے نکولائی سے کہا کہ وہ لولیس کو اس کے پاس لے آئے۔

نکولائی نے لولیس کو ایلونا کی طرف بڑھا دیا۔ وہ ہمک کر اس کے بازووں میں آگیا۔ ایلونا نے پیار سے لولیس کا ماتھا چوم لیا۔ پھر آغا سے کہنے لگی۔ لولیس اگرچہ سوویت شہری ہے لیکن اس کا ان پاکستانیوں کے ساتھ بھی تعلق ہے جو پاکستان میں انقلاب کے لئے جدوجہد کر رہے ہیں۔

کترینا اور ساشا ایلونا کو لولیس سے باتیں کرتے دیکھ کر خوش ہو رہی تھیں۔ وہ سوچ رہی تھیں کہ ہر انسان کو اپنی آئندہ نسلوں سے بے پناہ محبت ہوتی ہے۔ اسے ان میں اپنی بقا نظر آتی ہے۔ وہ جانتا ہے کہ وہ نہیں ہو گا لیکن وہ اپنی آئندہ نسلوں کی صورت میں زندہ رہے گا۔

نکولائی لولیس کو ایلونا کے حوالے کر کے چلا گیا۔ اس نے ایلونا سے آغا عاطف کی طرف بازو پھیلا دیئے۔ اگلے چند لمحوں کے لیے لولیس نے اپنی معصوم حرکتوں سے ایلونا اور آغا عاطف کی گفتگو کا سلسلہ روک کر انہیں اپنے ساتھ مصروف کر دیا۔ وہ آغا کے پاس آتا پھر ایلونا کے پاس جانے کے لیے بازو پھیلا دیتا۔ ایلونا کے پاس جاتا تو پھر آغا عاطف کی طرف بازو پھیلا دیتا۔ وہ دونوں کافی دیر تک اس سے کھیلتے رہے۔ آخر کار ساشا اسے اٹھا کر کترینا کے پاس لے گئی۔

ایلونا اور آغا عاطف کی گفتگو کا سلسلہ پھر شروع ہو گیا۔

ایلونا نے آغا سے کہا کہ "اگر اس کے دل میں کمیونسٹ نظام کے لیے جذبات پائے جاتے ہیں تو یہ فطرتی بات ہے۔ اس نظام کو قائم کرنے کے لیے اس کے آباؤ اجداد اور اس کی نسل نے جدوجہد کی تھی لیکن آغا عاطف کو کمیونزم سے کیوں ہمدردی ہے۔"

یہ ایک بہت اہم سوال تھا۔ چند لمحوں کے لیے آغا سوچنے پر مجبور ہو گیا کہ اسے اس نظام سے اتنی دلچسپی کیوں ہے۔ حالانکہ پاکستان میں بائیں بازو کے دوستوں کے ساتھ تعلقات اور اٹھنے بیٹھنے اور گپ شپ کے باوجود اس نے کبھی کمیونزم کو سنجیدگی سے نہیں لیا تھا۔

چند لمحے سوچنے کے بعد اس نے ایلونا کے سوال کا جواب دینے کی کوشش کی: "ایلونا، سوویت یونین کی شکل میں انسان اپنی تاریخ میں ایک نیا سماج قائم کرنے کا تجربہ کر رہے ہیں۔ ایک ایسا سماج جس میں کسی

بھی سماج کے دو بنیادی طبقات یعنی مزدور اور کسان حکومت بنانے، چلانے اور پالیسی سازی میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ سوویت نظام میں کئی خرابیاں ہیں۔ لیکن میں سمجھتا ہوں کہ اگر بین الاقوامی سامراج سوویت یونین کو ختم کرنے میں کامیاب ہو گیا تو اس کے بعد شاید دنیا میں کہیں اور یہ نظام کبھی قائم نہیں ہو گا۔

اب تو دنیا کے سب ممالک میں کسی نہ کسی شکل میں ایسی تحریکیں چل رہی ہیں جو اس نظام کے خواب لوگوں کو دکھاتی رہتی ہیں۔ لیکن اگر سوویت یونین ختم ہو گیا تو نہ صرف رفتہ رفتہ یہ تحریکیں دم توڑ جائیں گی بلکہ ہو سکتا ہے کہ اس نظام کا ذکر صرف تاریخ کی کتابوں کی حد تک رہ جائے۔ اگر ایسا ہوا تو یہ انسانی تاریخ کا بہت بڑا المیہ ہو گا۔"

الیونا آغا عاطف کا جواب سن کر ایک بار پھر گہری سوچوں میں ڈوب گئی۔ پھر آغا عاطف سے کہنے لگی:

"آغا اب اگر میجر کریمانوف تمہیں ملنے کے لیے آئے تو اسے بھی یہ بات سمجھا دینا۔ میرا نہیں خیال کہ سوویت یونین کے موجودہ اہلکار یہ بات سمجھتے ہیں۔"

"ہاں ہاں، ضرور۔ اگر وہ دوبارہ مجھے ملنے آیا تو اسے ضرور سمجھاؤں گا۔ تاکہ اپنی رپورٹ میں وہ اپنے سینئرز تک یہ بات پہنچا سکے۔ شاید انہیں بھی وہ سچ سننے، دیکھنے اور سمجھنے کی توفیق ملے۔"

دور بازوؤں میں لولیس کو اٹھائے کھڑی کترینا اسے بہلاتے الیونا اور آغا عاطف تک چلی آئی۔ پھر دونوں کو مخاطب کر کے کہنے لگی:

"لگتا ہے سوویت یونین کا سارا بوجھ تم دونوں نے اپنے کندھوں پر اٹھا رکھا ہے۔ جب دیکھو دونوں بیٹھے سوویت یونین کے ماضی، حال اور مستقبل کی باتیں کرتے رہتے ہو۔"

کترینا کی بات سن کر الیونا نے اسے شٹکارتے ہوئے کہا:

"میں چاہتی ہوں میری زندگی میں سوویت یونین ایک ایسی ریاست میں تبدیل ہو جائے جس کا خواب ہمارے آباو اجداد نے دیکھا تھا۔ جس کے لیے تمہارے دادا نے جان دی تھی۔ جس کی تعمیر میں ہم سب رات دن مصروف رہتے ہیں۔ لیکن میں دیکھ رہی ہوں چیزیں دن بدن خرابی کی طرف جا رہی ہیں۔"

آغا عاطف نے دیکھا بوڑھی الیونا کی آنکھوں میں نمی تیر رہی تھی۔ اس نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا:

"الیونا، جب تک ہم ہیں۔ تمہیں غمزدہ نہیں ہونا چاہیئے۔"

آغا کے اس جملے پر سب نے دیکھا کہ ننھے لولیس نے مزدوروں کے روایتی مکے کی طرح بازو ہوا میں لہرایا۔ اس کا لہراتا بازو دیکھ کر سب مسکراتے ہوئے اس کی بلائیں لینے لگے۔ پھر سوویت یونین کو بھلا کر ننھے لولیس کی حرکتوں کے بارے میں باتیں کرنا شروع ہو گئے۔

فصل 32

کترینا اور آغا عاطف کی زندگی گزشتہ کچھ سالوں سے ایسے ڈھب پر چل رہی تھی کہ پیپلز فرینڈشپ یونیورسٹی کے شب وروز ان کے لیے خواب وخیال ہو کر رہ گئے تھے۔ کترینا لولیس کی پیدائش کی وجہ سے اس کی نگہداشت میں مصروف ہو گئی تھی جبکہ پراودا میں ملازمت ملنے کی وجہ سے آغا کی ترجیحات بھی مکمل طور پر تبدیل ہو گئی تھیں۔

پراودا میں چھپنے والے اس کے مضامین اور تجزیوں سے ماسکو کی منظم سوسائٹی میں اس کی طلب اتنی بڑھ گئی تھی کہ شاید ہی کوئی دن ہو گا کہ اس کی ملاقات کسی بااثر شخصیت سے نہ ہوتی ہو۔ اس کے ملنے والوں میں کمیونسٹ پارٹی اور پولٹ بیورو کے ممبران کے علاوہ نوکر شاہی اور دیگر اہم ریاستی اداروں کے ارکان بھی شامل تھے۔ ان ملاقاتوں سے اسے ماسکو کے اعلیٰ حلقوں میں چلنے والی گپ شپ اور افواہوں کی اطلاعات ملتی رہتی تھیں۔ وہ اس گپ شپ کو اتنے عمدہ طریقے سے استعمال کرتا تھا کہ ان اہم شخصیات میں سے کئی آتے جاتے اس کے دفتر میں محض اس لیے رک جاتیں کہ اپنی انفارمیشن میں اضافہ کر سکیں۔

وہ بھی ہر آنے جانے والے کو نہ صرف خندہ پیشانی سے ملتا بلکہ چائے پانی کا بھی پوچھتا جس کی وجہ سے ہر آنے والا اس کے پاس بیٹھ کر اس کی باتوں کے ذخیرے میں اور اضافہ کر جاتا۔ کئی ایک محض اس وجہ ے اسے ملنے آتے کہ اس کے مضامین کے ذریعے اپنی بات ان حلقوں تک پہنچا سکیں جہاں وہ خود اسے نہ پہنچا سکتے۔ لیکن آغا عاطف بے وقوف نہیں تھا۔ اسے اچھی اور بری انفارمیشن میں تمیز کرنے کا ہنر آتا تھا اور وہ محض اسی انفارمیشن کو استعمال کرتا جس میں اسے سوویت یونین کی بڑے پیمانے پر بھلائی نظر آتی۔ اس وجہ سے اس کی عزت میں اور اضافہ ہوتا۔ لوگ اس کے خیالات کو احترام کی نظروں سے دیکھتے۔

پچھلی بار اس کی کرپال سنگھ، ساچن اور سپیتمی سے ملاقات ہوئی تھی تو انہوں نے اسے یونیورسٹی میں اس کے اور کترینا کے اعزاز میں ایک تقریب منعقد کرنے کا عندیہ دیا تھا۔

انہوں نے محفل کے انعقاد کا بندوبست کر کے اسے تاریخ، مقام اور وقت کی اطلاع دے دی تھی۔ کرپال سنگھ اسے سو کے قریب کارڈ بھی دے گیا تھا کہ اگر وہ اپنے نئے حلقہ احباب میں سے کچھ لوگوں کو مدعو کرنا چاہے تو انہیں کارڈ دے دے۔

آغا عاطف سے کمیونسٹ پارٹی، پولٹ بیورو اور دوسرے اداروں کے ملنے والے جتنے اہلکار آرہے تھے وہ سب کو محفل میں شریک ہونے کے لیے ذاتی طور پر دعوت دینے کے ساتھ ساتھ کارڈ بھی بانٹ رہا تھا۔ کرپال اسے جتنے کارڈ دے گیا تھا اس نے چند دنوں میں سب تقسیم کر دیئے تھے۔ اس نے کرپال کو پیغام بھیج کر مزید کارڈ منگوائے لیکن وہ بھی چند دنوں میں ختم ہو گئے تھے۔

آخر وہ شام آ پہنچی جب پیپلز فرینڈ شپ یونیورسٹی میں کترینا، آغا اور لولیس کے اعزاز میں منعقد کی جانے والی محفل کے لیے ماسکو کی اہم ترین شخصیات یونیورسٹی آرہی تھیں۔

کترینا کی فیملی کے سب ممبران محفل میں شرکت کے لیے سرِ شام یونیورسٹی چلے آئے تھے۔ الیونا، الیکسی ، نکولائی اور ساشا سب وہاں موجود تھے۔ لیکن یہ شام کترینا، آغا عاطف اور لولیس کی شام تھی۔ لولیس خاص طور پر سب کی توجہ کا مرکز تھا۔ اس کے دادا اور دادی نے پاکستان سے اس کے لیے چھوٹی سی ساٹن کی سفید شلوار، قمیض اور سنہرے رنگ کی چھوٹی سی اچکن اور اس سے ملتی سنہری رنگ کی کیپ بھجوائی تھی۔

کترینا نے اسے ساٹن کی شلوار، قمیض اور اوپر سنہرے رنگ کی چمکتی ہوئی اچکن پہنائی تو وہ اسے خوشی سے بے اختیار چومنا شروع ہو گئی۔ وہ دیکھنے میں اتنا خوبصورت لگ رہا تھا کہ کترینا کے علاوہ بھی سب کو اس پر بے اختیار پیار آرہا تھا۔ سنہری اچکن کے ساتھ اس کے سر پر سنہری ٹوپی اس پر خوب جچ رہی تھی۔ لیکن آغا عاطف نے اس کے سر سے سنہری ٹوپی اتار کر سرخ روسی ٹوپی پہنا دی۔

جیسے جیسے پروگرام شروع ہونے کا وقت قریب آ رہا تھا وہ سب لوگ جنہیں آغا عاطف نے ذاتی طور پر کارڈ دیئے تھے رفتہ رفتہ ہال میں پہنچ رہے تھے۔ یونیورسٹی کیمپس پر پہلے بھی ثقافتی پروگرام ہوتے رہتے تھے لیکن آج جس طرح پورے ماسکو کی اہم شخصیات پروگرام میں شرکت کے لیے یونیورسٹی آ رہی تھیں ایسا پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔

کمیونسٹ پارٹی اور پولٹ بیورو کے بہت سے ممبران اور دیگر ایجنسیوں کے اہل کاروں کے علاوہ پراودا کا سارا سٹاف وہاں موجود تھا۔ سب آنے والے کترینا اور لولیس سے گرم جوشی سے ہاتھ ملا رہے تھے۔ کترینا کے بہت سے کلاس فیلو، اس کے طالب علم اور دوست فنکشن میں موجود تھے۔ وہ سب کترینا اور آغا عاطف کی جوڑی پر رشک کا اظہار کر رہے تھے۔

جب سارا ہال مہمانوں سے کھچا کھچ بھر گیا تو کرپال سنگھ نے اسٹیج پر کھڑے ہو کر سب مہمانوں کو پیپلز فرینڈشپ یونیورسٹی میں خوش آمدید کہا۔ پھر اس نے آغا کی ماسکو آمد اور کیمپس کے باہر اس سے ملاقات کا واقعہ مہمانوں کو سنایا۔ جتنے دن آغا اس کے ساتھ رہا اس کا ذکر کیا۔ کترینا سے اس کی محبت کی داستان سنائی۔ وہ یہ سب کچھ ہلکے پھلکے مزاحیہ انداز میں بیان کر رہا تھا۔ لوگ اس کے طرز بیان سے لوٹ پوٹ ہو رہے تھے۔ خاص طور پر کترینا کو پہلی بار دیکھنے کے بعد آغا عاطف کے حال کی تفصیلات سن کر کترینا کا چہرہ وفور جذبات سے سرخ ہو رہا تھا۔ اس کے بعد اس نے یونیورسٹی کے ریکٹر ولادیمیر سٹینس کو باقاعدہ فنکشن کے آغاز کا اعلان کرنے کی دعوت دی۔

ولادیمیر سٹینس کا شمار سوویت یونین کے سائنس کے عظیم ترین اساتذہ میں ہوتا تھا۔ ان کا نام سنتے ہی لوگ اپنی سیٹوں پر کھڑے ہو گئے۔ انہوں نے اسٹیج پر کھڑے ہو کر سب سے پہلے اپنی عزت افزائی اور یونیورسٹی تشریف لانے کے لیے تمام حاضرین کا شکریہ ادا کیا۔ اس کے بعد انہوں نے فنکشن کے لیے آنے والے لوگوں کے سامنے پیپلز فرینڈشپ کے قیام اور اس کے اغراض و مقاصد کے بارے میں مختصر تقریر کی۔ انہوں نے لوگوں کو بتایا کہ کس طرح پیپلز فرینڈشپ یونیورسٹی کو کانگو کے صدر پیٹرس لومبا

کی نسبت سے لوممبا یونیورسٹی بھی کہا جاتا ہے۔ پھر انہوں نے کیمپس پر موجود ہندوستانی طالب علموں کو ان کی ثقافتی سرگرمیوں پر مبارک باد دی۔ انہوں نے حاضرین کو بتایا کہ کس طرح ہندوستان سے آئے لڑکے اور لڑکیاں اپنی سرگرمیوں سے کیمپس کی ثقافتی زندگی کو رنگا رنگ بنا رہے تھے۔

پھر انہوں نے کترینا اور آغا عاطف کے بارے میں چند باتیں کیں۔ انہوں نے حاضرین کو بتایا کہ کترینا پیپلز فرینڈشپ یونیورسٹی کی ان چند ہونہار طالبات میں شامل ہے جس سے ان کی بہت سی امیدیں وابستہ ہیں۔ انہوں نے کترینا کو آغا عاطف سے شادی اور شادی کے بعد لولیس کی پیدائش پر مبارک باد دی۔

انہوں نے اپنے خیالات کے اظہار کے بعد اسٹیج دوبارہ کرپال سنگھ کے حوالے کیا تو لوگوں نے پھر اپنی سیٹوں پر کھڑے ہو کر پروفیسر ولادیمیر سٹینس کے لیئے اپنے احترام کا اظہار کیا۔

الیونا، الیکسی، ساشا اور نکولائی فنکشن کی جزئیات کو بہت دلچسپی اور انہماک کے ساتھ دیکھ رہے تھے۔ کرپال اور یونیورسٹی کے ریکٹر ولادیمیر سٹینس نے کترینا اور آغا عاطف کے بارے میں جو کچھ کہا تھا اس سے ان کے دل فخر اور خوشی سے بھر گئے تھے۔ انہیں دل ہی دل میں کترینا، آغا عاطف اور لولیس پر پیار آرہا تھا۔

جب اسٹیج پر یہ ساری باتیں ہو رہی تھیں اسٹیج کے عقبی کمرے میں ساچن اور سپتمی آغا عاطف اور کترینا کا سوانگ بھر رہے تھے۔ کرپال سنگھ نے دوبارہ اسٹیج سنبھالتے ہوئے حاضرین کو بتایا کہ "آج کی شام صرف اور صرف اس کے دوست آغا عاطف، کترینا اور ننھے لولیس کے نام ہے۔ میں نے آپ کو اپنے ابتدائی کلمات میں ان کے مختصر معاشقے کے بارے میں بتایا تھا لیکن اب ہمارے دو فنکار عملی طور پر ان کی زندگیوں کی عکاسی کریں گے۔ ان کی پیشکش میں اگر آپ کو کچھ ہندوستانی اور پاکستانی ٹچ نظر آئے تو اسے فنی ضرورت سمجھیں کیونکہ آغا کا تعلق بہر حال پنجاب سے ہے۔ وہ کترینا سے ملنے کے بعد اگرچہ مکمل طور پر روسی بن چکا ہے۔ دیکھنے میں بھی روسی دکھائی پڑتا ہے۔ بہت سے روسیوں سے بہتر روسی لکھتا اور بولتا ہے۔ ہم سب کو اس پر بہت فخر ہے۔ لیکن پنجاب کا اپنا ایک رنگ ہے۔ چنانچہ آپ آغا عاطف کو

سوویت یونین آنے سے پہلے پنجابی نوجوان کے روپ میں دیکھیں گے۔" اس کے اس اعلان کے ساتھ ہی ایک سکھ طالب علم سر پر زعفرانی پگڑی باندھے، کندھے میں ڈھول لٹکائے، دونوں ہاتھوں سے ڈھول پیٹتا اسٹیج کے ایک طرف سے نمودار ہوا۔

اس کے ڈھول کی تھاپ کے ساتھ ساتھ روایتی پنجابی لباس میں ایک اور نوجوان بھنگڑا ڈالتا ہوا اسٹیج پر آیا۔ وہ دونوں اسٹیج کے ایک طرف سے داخل ہوئے اور دوسری طرف سے نکل گئے۔

جب وہ دونوں اسٹیج کی ایک طرف سے داخل ہو کر دوسری طرف جا رہے تھے کرپال نے حاضرین کو بتایا کہ یہ ماسکو آنے سے پہلے لاہور میں آغا عاطف تھا۔ لوگوں کا ہنس ہنس کر بُرا حال ہو گیا۔ انہوں نے اسٹیج پر بھنگڑا ڈالتے آغا عاطف کو دل کھول کر داد دی۔

اس کے بعد آغا عاطف جین کی پینٹ اور جیکٹ پہنے کندھے پر بڑا سا بیگ لٹکائے اسٹیج کے ایک سرے سے داخل ہوا۔ وہ کنفیوز دکھائی دے رہا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اسے کہاں جانا ہے۔ اس کی ایک سکھ نوجوان سے ملاقات ہوتی ہے جو اسے اپنے اسٹوڈیو لے جاتا ہے اور اس کی مدد کرتا ہے۔ لوگوں نے پھر تالیاں بجا کر اسٹیج پر کام کرنے والے آغا عاطف کو دل کھول کر داد دی۔

کرپال سنگھ روسی میں اپنی کمنٹری سے لوگوں کو بتا رہا تھا کہ ان کے سامنے پیش کئے جانے والے منظر میں کیا ہو رہا ہے۔ اس کی کمنٹری سے حاضرین نہ صرف اسٹیج پر رواں منظر کو سمجھ رہے تھے بلکہ اس کی جزئیات سے بھی محظوظ ہو رہے تھے۔

اس کے بعد آغا عاطف اور کترینا پنجاب کی روایتی داستان ہیر رانجھا کے روپ میں اسٹیج کے ایک کنارے سے داخل ہوئے۔ رانجھا بانسری بجا رہا تھا جبکہ ہیر بانسری کے سروں پر رقص کر رہی تھی۔

کرپال نے حاضرین کو بتایا کہ ہیر اور رانجھا پنجاب کے دو لیجنڈ کردار تھے۔ جنہیں ایک دوسرے سے محبت تھی۔ پنجاب میں دو محبت کرنے والوں کو اب بھی لوگ ہیر اور رانجھا کہہ کر مخاطب کرتے ہیں۔ ہمارے آج کے ماسکو کے ہیر رانجھا کترینا اور آغا عاطف ہیں۔

الیونا، الیکسی، ساشا، نکولائی، آغا عاطف اور کترینا یہ سب کچھ دیکھ کر ہنس ہنس کر لوٹ پوٹ ہو رہے تھے اور ساچن اور سپیتمی کو بڑھ چڑھ کر داد دے رہے تھے۔ ننھا لولیس بھی تالیاں بجا رہا تھا۔
ان سب باتوں کا براہ راست آغا عاطف اور کترینا کی زندگیوں سے کوئی تعلق نہیں تھا لیکن جس طرح ساچن اور سپیتمی نے سوانگ بھر کر واقعات کو آغا عاطف اور کترینا کے ساتھ لنک کیا تھا اس سے سب لوگوں نے بھرپور لطف اٹھایا۔
یہ واقعات اسٹیج پر پیش کرنے کے بعد ساچن اور سپیتمی نے عقبی کمرے میں جا کر سوانگ بھرنے کے لیے پہنے لباس اتارے اور اپنے اصل لباس پہن کر اسٹیج پر آئے۔ کرپال سنگھ نے اسٹیج ان دونوں کے حوالے کیا اور خود عقبی کمرے میں چلا گیا۔
تھوڑی دیر کے لیے ساچن اور سپیتمی نے حاضرین کو اپنے باہمی چٹکلوں سے محظوظ کیا۔ اس کے بعد انہوں نے اعلان کیا کہ بھنگڑے کو پنجابی ثقافت میں ایک خاص مقام حاصل ہے۔ بھنگڑے کے بغیر کوئی فنکشن مکمل نہیں ہوتا۔ آج کی شام چونکہ آغا عاطف، کترینا اور ننھے لولیس کے نام منسوب ہے اس لیے اب ان کی اور آپ سب کی خاطر طبع کے لیے ہمارے فنکار بھنگڑا پیش کریں گے۔
ساچن اور سپیتمی کے اعلان کے بعد ڈھول کی تھاپ پر کرپال سنگھ رنگ برنگے لباسوں میں ملبوس آٹھ لڑکوں اور سات لڑکیوں کے ساتھ اسٹیج پر آیا۔ سب نے ایک خاص ترتیب کے ساتھ اسٹیج پر کھڑے ہو کر سب حاضرین کو پرنام کہا اور اس کے بعد ڈھول کی تھاپ پر بھنگڑا شروع کیا۔ بھنگڑے کے والہانہ پن سے لوگوں کے دل جوش و جذبے سے بھر گئے۔
اگلے بیس پچیس منٹ تک انہوں نے کئی مختلف انداز سے بھنگڑا پیش کیا۔ بھنگڑا ڈالنے والے لڑکوں اور لڑکیوں کی جسمانی حرکات میں ہم آہنگی پر سب حاضرین انگشت بدنداں تھے۔
ڈھولچی نے بھی اس دن اپنے ڈھول کی دھنوں کی ورائٹی سے مجمع لوٹ لیا۔ جس طرح اس نے اپنے ڈھول کی دھنوں سے بھنگڑا کی پرفارمنس کو کنٹرول کیا اس پر سب عش عش کر اٹھے۔

آخری آئٹم کے طور پر جب لڑکیوں نے لڑکوں کے کندھوں پر کھڑے ہو کر ایک کھلے ہوئے پھول کا روپ دھارا تو سارے مجمع نے کھڑے ہو کر تالیاں پیٹ پیٹ کر انہیں داد دی۔

بھنگڑے کے بعد ساچن اور سپیتمی نے کترینا، آغا عاطف اور لولیس کو اسٹیج پر بلایا۔ کترینا نے لولیس کو اپنے بازووں میں اٹھا رکھا تھا۔ وہ آغا عاطف کے ساتھ آہستہ آہستہ چلتی اسٹیج پر آئی۔ اس نے اسٹیج پر آکر پہلے کرپال سنگھ، ساچن اور سپیتمی کا شکریہ ادا کیا۔ اس نے انہیں بہترین دوست کہہ کر پکارا تو سارا ہال تالیوں سے گونج اٹھا۔

پھر اس نے مائیک آغا عاطف کے حوالے کر دیا۔ آغا عاطف نے بھی پہلے کرپال سنگھ، ساچن اور سپیتمی اور پھر حاضرین کو شکریہ ادا کیا۔ اس نے اپنی زندگی کے بارے میں ان کی پرفارمنس کی تعریف کی۔ پھر کترینا کی محبت کے لیے اس کا شکریہ ادا کیا۔

اس کے بعد اس نے حاضرین سے کہا کہ وہ انہیں اپنے سوویت ہیرو سے ملانا چاہتا ہے۔ اس نے کہا جس تیزی کے ساتھ اس نے ماسکو میں اپنے لیے نام اور مقام پیدا کیا ہے اس کا سہرا اس کی سوویت ہیرو کے سر ہے۔

اس نے جب اپنی ہیرو کا ذکر کیا کرپال سنگھ اور ساچن الیونا کی وھیل چیئر دھکیل کر اسے اسٹیج پر لے آئے۔ انہوں نے الیونا کی وھیل چیئر اسٹیج کے عین درمیان حاضرین کے سامنے کھڑی کی اور اسٹیج سے ہٹ گئے۔

آغا عاطف نے لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: "اگرچہ میرے دوستوں نے آج کی شام میرے، میری بیوی کترینا اور میرے بیٹے لولیس کے لیے منعقد کی تھی لیکن میں آج کی شام الیونا کے نام کرتا ہوں۔ الیونا کترینا کی دادی ہی نہی بلکہ وہ ماڈل سوویت شہری ہے جس نے نہ صرف انقلاب کے لیے کی جانے والی جدوجہد میں حصہ لیا بلکہ اس کے بعد انقلاب کی تعمیر و ترقی میں بھی بھرپور کردار ادا کیا۔ وہ آج بھی انقلاب کے عمل کو آگے بڑھانے کے بارے میں سوچتی ہے۔ اس کی زندگی سوویت یونین میں

انقلاب سے جڑی ہوئی ہے۔ میرا بہت سا وقت اس کے ساتھ گزرتا ہے۔ وہ جس طرح انقلاب کو سوویت یونین اور دیگر دنیا میں پھلتے پھولتے دیکھنا چاہتی ہے اس سے اس کی انقلاب اور انسان دوستی کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

آغا کی بات سن کر الیونا کے چہرے پر ملکوتی مسکراہٹ پھیل گئی۔ سب لوگ اس کے احترام میں کھڑے ہو گئے۔ الیکسی، ساشا، نکولائی اور کترینا کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

کترینا نے لولیس کو نکولائی کے حوالے کیا اور آگے بڑھ کر اسٹیج پر آغا عاطف کو اپنے بازوؤں میں لے کر اپنے ہونٹ اس کے ہونٹوں پر رکھ دیئے۔

کرپال سنگھ نے آگے بڑھکر لوگوں کا شکریہ ادا کرتے ہوئے فنکشن کے خاتمے کا اعلان کیا اور لوگوں کو دعوت دی کہ جانے سے پہلے وہ ساتھ والے کمرے میں رکھا کھانا کھانا نہ بھولیں۔

فصل 33

آج تک الیونا ایک تنہا گھریلو خاتون کی حیثیت سے زندگی گزار رہی تھی۔ کام کاج اس نے عرصہ پہلے چھوڑ دیا تھا۔ وھیل چیئر تک محدود ہونے کی وجہ سے اس کی زندگی کی ساری سرگرمیاں اپنے خاندان اور گھر کے گرد گھومتی تھیں۔ گھر سے اس کا نکلنا کم ہی ہوتا تھا۔

اس دن پیپلز فرینڈ شپ یونیورسٹی جانا اسے بہت اچھا لگا۔ پھر جس طرح آغا عاطف نے اسے اسٹیج پر لا کر اپنی ہیروڈ کلیئر کیا اس سے اس کی زندگی جوش اور مسرت سے بھر گئی۔ اس نے کئی بار کترینا اور ساشا کو بتایا کہ آغا عاطف نے اسے ماسکو کے طاقت ور ترین لوگوں کے لیے قابل رشک بنا دیا ہے۔

اسے آغا عاطف کے دوست کرپال سنگھ، ساچن اور سپیتمی بھی بہت اچھے لگے ۔ اس نے آغا عاطف سے فرمائش کی کہ وہ انہیں کسی دن لنچ یا ڈنر کے لئے گھر لائے تو وہ ان سب کے لیے اپنے ہاتھ سے کھانا تیار کرے گی۔ انہوں نے کترینا، آغا عاطف اور لولیس کے لئے اتنا اچھا فنکشن کیا تھا کہ اس کے جواب میں ان کا شکریہ ادا کرنے کے لئے انہیں لنچ یا ڈنر کے لیے دعوت دینا بہت ضروری ہے۔

لیکن اس دن کے بعد الیونا سے ملاقات کرنے والوں کا تانتا لگ گیا تھا۔ ہر کوئی اس کے بارے میں جاننا چاہتا تھا۔ یہاں تک کہ میجر کریمانوف نے بھی ایک دن خواہش کا اظہار کیا تھا کہ آغا الیونا کے ساتھ اس کی ملاقات کا اہتمام کرے۔ جس کا آغا عاطف نے اس سے وعدہ کیا تھا لیکن تاحال میجر کریمانوف اس سے ملنے میں ناکام رہا تھا۔ کیونکہ بہت سے کمیونسٹ پارٹی اور پولٹ بیورو کے ممبران جو پیپلز فرینڈ شپ یونیورسٹی کے فنکشن میں موجود تھے اس سے یکے بعد دیگرے ملنے آرہے تھے۔

نکولائی کئی برسوں سے کمیونسٹ پارٹی کا ممبر تھا لیکن اس کا گھر کبھی اس طرح کمیونسٹ پارٹی اور پولٹ بیورو کے ممبران کی توجہ کا مرکز نہیں بنا تھا۔ وہ باقاعدگی کے ساتھ کمسومول اور کمیونسٹ پارٹی کے اجلاس اٹینڈ کرتا لیکن اس کے دفتری معاملات محض اس کے دفتر تک محدود رہتے تھے۔

ایونا لوگوں کی توجہ کا مرکز بنی تو نکولائی کے ساتھی کمیونسٹ پارٹی کے ممبران کی توجہ اس پر بھی مرکوز ہونا شروع ہو گئی۔ ایک گھر میں تین افراد اچانک ماسکو میں اہمیت اختیار کر گئے۔ نکولائی جب بھی لوکل کمسومول یا کمیونسٹ پارٹی کے اجلاس میں جاتا سب کامریڈ اس کی بات توجہ سے سنتے اور اسے مناسب اہمیت دیتے۔ لیکن وہ ایونا اور آغا عاطف کی طرح کوئی دانشور نہیں تھا۔ وہ کمیونسٹ پارٹی کا ممبر پارٹی کی سرگرمیوں میں بھرپور حصہ لینے کی وجہ سے بنا تھا۔

نکولائی کے برعکس ایونا اور آغا عاطف دونوں کمیونسٹ پارٹی کے ممبر نہیں تھے۔ ایونا گھریلو خاتون تھی جبکہ آغا عاطف پراودا کا ساؤتھ ایشیا کا ایکسپرٹ تھا۔ جس کا زیادہ تر فوکس افغانستان جنگ اور جیو پالٹکس پر مرکوز تھا۔ اس کی پاکستانی بیک گراؤنڈ نے اسے خاص طور پر اہم بنا دیا تھا کیونکہ اس جنگ میں پاکستان بھی ایک پارٹی بن چکا تھا۔ اسے یاد تھا جب پاکستان کا فوجی حکمران جنرل ضیاء الحق برزنیف کے جنازے پر شرکت کے لیے آیا تھا تو اس کے اور یوری آندروپوف کے درمیان تلخ الفاظ کا تبادلہ ہوا تھا۔

یوری آندراپوف کے جی بی کا سب سے طاقت ور چیئرمین سمجھا جاتا تھا۔ برزنیف کی وفات کے بعد وہ کمیونسٹ پارٹی کا جنرل سیکرٹری منتخب ہوا۔

اس نے ضیاء الحق سے ہاتھ ملاتے ہوئے اسے دھمکی دی تھی کہ سوویت یونین افغانستان کی جنگ میں پاکستان کے کردار کی وجہ سے اسے ضرور سبق سکھائے گا۔ ضیا الحق نے بھی اسے ترکی بہ ترکی جواب دیا تھا کہ اس کا فیصلہ وقت کرے گا کہ کون کسے سبق سکھاتا ہے۔

لیکن یوری آندراپوف کو پاکستان کو سبق سکھانے کا موقع نہ مل سکا۔ وہ کمیونسٹ پارٹی کا جنرل سیکرٹری منتخب ہونے کے ٹھیک پندرہ ماہ بعد ضیاء الحق کی زندگی میں ہی فوت ہوا۔

آغا عاطف جب بھی کمیونسٹ پارٹی کے ممبران سے ملتا وہ انہیں ہمیشہ مشورہ دیتا کہ سوویت یونین کو کوئی ایسا کام نہیں کرنا چاہیئے جو پاکستانی فوج کو اکسائے۔ ان کی سوویت یونین کے خلاف کھلی جنگ کی بجائے خفیہ جنگ جسے وہ افغان مجاہدین کی مدد سے لڑ رہے تھے ہینڈل کرنا زیادہ آسان تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ اگر

سوویت یونین نے پاکستان کے ساتھ کھلی جنگ شروع کی تو اس کی نتیجے میں امریکہ بھی جنگ میں شریک ہو جائے گا کیونکہ وہ پاکستان کے ساتھ کئے گئے معاہدوں کی وجہ سے اس بات کا پابند ہے کہ اگر پاکستان کی سوویت یونین کے ساتھ براہ راست جنگ ہوتی ہے تو وہ پاکستان کی مدد کرے گا۔

لیکن یوری آندرپوف کے زمانے میں افغان مجاہدین اور کابل میں پی ڈی پی اے کی حکومت کے درمیان مذاکرات کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا۔ تاہم مذاکرات ابھی تک نتیجہ خیز سطح تک نہیں پہنچے تھے۔ پس منظر میں رابطے جاری تھے جب کہ سوویت ہیلی کاپٹر مجاہدین کی سرکوبی میں مصروف تھے۔ یوری آندراپوف ان رابطوں کو بطور اسٹریٹیجی استعمال کر رہا تھا۔ ورنہ اسے مذاکرات میں کوئی دلچسپی نہیں تھی۔

الیونا اور آغا عاطف کی رائے افغان جنگ کے بارے میں ایک ہی تھی۔ دونوں کا خیال تھا کہ سوویت یونین کو جتنی جلد ممکن ہو اس جنگ سے باہر آنا چاہیئے کیونکہ سوویت یونین کی بالٹک ریاستوں میں جنگ کے اثرات نمایاں ہونا شروع ہو گئے تھے۔ اور کئی ریاستوں میں آزادی کی تحریکوں کا آغاز ہو چکا تھا۔

مغربی طاقتوں نے بڑی ہوشیاری کے ساتھ پولینڈ کے ایک بشپ کو نیا پوپ منتخب کرا دیا تھا۔ پوپ جان پال نے بھی اپنی مذہبی حیثیت استعمال کرتے ہوئے مشرقی یورپی ممالک میں چرچوں کے ذریعے آزادی کی تحریکوں کو زندہ کر دیا تھا۔ خاص طور پر پولینڈ میں، جہاں سے پوپ جان پال کا تعلق تھا، شپ یارڈ کے مزدوروں کی یونین کی ہڑتالوں کو پوپ نے خاصی اخلاقی مدد فراہم کی تھی۔

ان رجحانات نے آغا عاطف کے تجزیوں کی قدر و قیمت اور بھی بڑھا دی تھی۔ چنانچہ اس کے دفتر اور گھر میں کمیونسٹ پارٹی اور پولٹ بیورو کے ممبران کی آمد و رفت بڑھ گئی تھی۔ ان کے ساتھ نکولائی، آغا عاطف اور الیونا کے جی بی کے کارندوں کی توجہ کا مرکز بن گئے تھے۔

یوری آندرپوف کے جیتے جی ماسکو میں ایک اعتماد کی فضا قائم تھی۔ یوری آندراپوف نے اپنی جوانی کے زمانے میں ہنگری میں کمیونسٹ پارٹی کے خلاف بغاوت کے مناظر دیکھے تھے۔ اس وقت ماسکو میں نکیتا خروشچیف کی حکومت تھی۔ نکیتا خروشچیف ہنگری میں فوج بھجوانے میں متذبذب تھا لیکن یوری

آندراپوف نے اسے یقین دلایا تھا کہ یہ بغاوت صرف فوج کشی سے روکی جاسکتی ہے۔ بعد میں اس نے یہی اپروچ چیکوسلاویکیہ اور وارسا میں بھی استعمال کی تھی۔ افغانستان میں بھی فوج بھجوانے والوں میں وہ پیش پیش تھا۔

یوری آندراپوف نوجوان میخائل گورباچوف سے بہت متاثر تھا۔ اس کی خواہش تھی کہ اس کے بعد گورباچوف کمیونسٹ پارٹی کا جنرل سیکرٹری بنے لیکن جب ووٹنگ کا وقت آیا سنٹرل کمیٹی کے ممبران نے یوری آندراپوف کی خواہشات کے برعکس اس کے مخالف امیدوار کرسٹین چرننکو کو کمیونسٹ پارٹی کا جنرل سیکرٹری منتخب کیا۔ کرسٹین چرننکو ایک انتہائی غریب گھرانے میں پیدا ہوا تھا۔ اس کا باپ ریلوے میں ملازم تھا جبکہ اس کی ماں کھیتوں پر کام کرتی تھی۔ وہ نیچے سے ترقی کرتا کمیونسٹ پارٹی کے جنرل سیکرٹری کے عہدے تک پہنچا تھا۔

اس کے جنرل سیکرٹری منتخب ہونے کے بعد گورباچوف پولٹ بیورو میں تقریباً تنہا ہو گیا۔ پولٹ بیورو کے کئی ممبران گورباچوف کو سیاسی یتیم کہہ کر پکارتے تھے۔

گورباچوف آغا عاطف سے کئی بار مل چکا تھا۔ وہ پیپلز فرینڈشپ یونیورسٹی والے فنکشن میں بھی موجود تھا۔ آغا عاطف نے جب الیونا کو اپنی ہیرو کے طور پر پیش کیا اس نے اسی وقت خواہش ظاہر کی کہ وہ اس کے اور الیونا کے ساتھ کچھ وقت گزارنا چاہتا ہے۔

پیپلز فرینڈشپ یونیورسٹی کے فنکشن میں جس طرح آغا عاطف نے الیونا کو ہیرو بنا کر پیش کیا تھا اس سے صرف گورباچوف ہی متاثر نہیں تھا بلکہ اس کا ماسکو کے سبھی سرکاری حلقوں میں بہت اثر ہوا۔ ماسکو کے بین الاقوامی پراپیگنڈے کے سب میگزینوں نے الیونا پر فیچر لکھے۔ اسے سوویت انقلاب کی علامت بنا کر پوری دنیا میں اس کی تشہیر کی۔ الیونا نے یکے بعد دیگرے کئی میگزینوں میں اپنے بارے میں مضامین دیکھے تو وہ ششدر رہ گئی۔ اس نے کبھی زندگی میں اس قدر پبلسٹی کے بارے میں سوچا تک نہ تھا اور اب

اس کی تصویر اور اس پر لکھے مضامین پوری دنیا کی زبانوں میں ترجمہ ہو کر انقلابی کارکنوں کے دل گرما رہے تھے۔

اس کے نتیجے میں کئی روسی دانشور الیونا سے ملنے آئے۔ انہوں نے اس سے سوویت یونین کے بارے میں گفتگو کی۔ اس کے تجربات کی تفصیل سنی۔ سوویت نظام کے بارے میں اس کے خیالات سنے۔ نظام کی خوبیوں اور خامیوں کے بارے میں اس کے تاثرات سنے۔ اس کی آسودگیوں اور ناآسودگیوں کی تفصیلات سنیں۔ اس نے دیانت داری کے ساتھ اپنے مافی الضمیر کا اظہار کیا۔ اس نے انہیں بتایا کہ سوویت نظام جمود کا شکار ہو چکا ہے۔ جمود کی وجہ سے نظام میں سڑانڈ پیدا ہونے لگی ہے۔ اگر سوویت نظام کے اندر رہتے ہوئے یہ جمود نہ توڑا گیا تو معاملات ایسی قوتوں کے ہاتھ میں چلے جائیں گے جو جمود توڑنے کے لیے سوویت یونین کو توڑ دیں گے۔

سب سوویت اسکالروں نے الیونا کی باتیں پوری توجہ کے ساتھ سنیں۔ ان کا تجزیہ کیا۔ اور رپورٹیں بنا کر متعلقہ اداروں کو پیش کیں۔ جس سے ماسکو میں ہلکی پھلکی ہل چل شروع ہو گئی۔

اپنی گفتگو میں الیونا نے خاص طور پر افغان جنگ کی مخالفت کی۔ اس نے ملنے آنے والے دانشوروں کو بتایا کہ افغان جنگ نے سوویت یونین میں انقلاب کو نقصان پہنچایا ہے۔ اگر یہ جنگ جاری رہی تو اس کے سوویت یونین میں انقلاب پر اتنے برے اثرات مرتب ہوں گے کہ ان سے نبرد آزما ہونا سوویت یونین کے لیے ممکن نہیں رہے گا۔

اس نے خاص طور پر پاکستان کی سرگرمیوں کا حوالہ دیا کہ کس طرح پاکستان نے اسلامی دنیا اور بین الاقوامی دنیا کو سوویت یونین کے خلاف متحرک کر دیا ہے۔ اسلامی دنیا کے ساتھ چپقلش سوویت یونین کے مفادات کے منافی ہے۔ امریکہ اس چپقلش کو بین الاقوامی سطح پر سوویت یونین کے خلاف استعمال کر رہا ہے۔ پاکستان اور امریکہ کی ملی بھگت سے ایک طرف اسلامی ممالک کی کانفرنس سوویت یونین کے

خلاف قرار دادیں پاس کر رہی ہے تو دوسری طرف یو این او میں امریکہ کے سب طفیلی ملک سوویت یونین کے خلاف قراردادوں پر قراردادیں پاس کئے چلے جا رہے ہیں۔

اگرچہ برزنیف اور یوری اینڈروپوف فوت ہو چکے تھے لیکن کے جی بی کے ایجنٹ اب بھی نظام کے بارے میں مختلف نقطہ نظر رکھنے والوں کی تلاش میں رہتے تھے۔ اس میں وہ اس چیز کی تمیز نہیں کرتے تھے کہ سوویت نظام کے بارے میں مختلف نقطہ نظر رکھنے والا شخص پندرہ بیس سالہ نوجوان ہے یا پچھتر سالہ بوڑھی عورت۔

آغا عاطف جب کبھی الیونا کو کے جی بی کی ایسی سرگرمیوں کے بارے میں ملنے والی رپورٹوں کے بارے میں بتاتا تو الیونا سوویت یونین کے مستقبل کے بارے میں مزید پریشان ہو جاتی۔ ایسی رپورٹوں کے بارے میں سن کر وہ اکثر ایک ہی بات کہتی:

"یہ لوگ وقت ضائع کرنے کے ماہر ہیں۔ اب اگر کسی نوجوان نے مائیکل جیکسن کے گیتوں کی تعریف میں فرضی نام سے کسی اخبار میں خط لکھ دیا ہے تو اس کی تلاش میں کے جی بی کے کارندوں کی دن رات کاوشیں قابل افسوس ہیں۔"

جب آغا عاطف نے اسے بتایا کہ پولٹ بیورو کا ممبر میخائل گورباچوف پیپلز فرینڈشپ یونیورسٹی والے فنکشن کے بعد اس کے مداحوں میں شامل ہو چکا ہے اور اس سے ملاقات کرنے کا متمنی ہے تو وہ خوشی سے کھل اٹھی۔ وہ سوویت یونین میں گزری ہوئی زندگی کے تجربات، خواہشات اور توقعات کا اظہار چاہتی تھی۔ لیکن سوویت نظام کے کرتا دھرتا انقلاب کو چھ سات دہائیاں گزرنے کے باوجود اپنے اندرونی خوف سے آزاد نہیں ہو سکے تھے۔ اسٹالن نے سوویت یونین کی تعمیر و ترقی میں قابل قدر کردار ادا کیا تھا لیکن اس نے جس طرح خفیہ ایجنسیوں کی مدد سے اختلافِ نظر رکھنے والوں کو منظر سے ہٹایا تھا وہ سوویت نظام پر ایک بہت بڑا دھبہ تھا۔

اب سوویت یونین سماجی طور پر جس جگہ پہنچ چکا تھا وہاں اختلاف رائے کے اظہار کے لیے مناسب پلیٹ فارموں کی عدم فراہمی سوویت نظام کی صحت کے لیے اچھا شگون نہیں تھا۔

یوری آندراپوف کی وفات کے بعد گورباچوف کے ساتھ جو کچھ ہوا تھا اس سے آغا عاطف اور الیونا دونوں اچھی طرح واقف تھے۔ انہیں پتہ تھا کہ گورباچوف اب پولت بیورو میں تقریباً تنہا ہے اور اس کے ساتھی ممبران اسے سیاسی یتیم کہتے ہیں۔

میخائل گورباچوف کی طرف سے ملاقات کی درخواست میں وہ ایک عام سوویت شہری کی حیثیت سے یہ سارے معاملات اس کے ساتھ اٹھانا چاہتی تھی۔ اس نے آغا عاطف کے ذریعے گورباچوف پر واضح کر دیا تھا کہ اگر وہ اس سے ملاقات کے لیے آنا چاہتا ہے تو کھلے دل اور دماغ کے ساتھ آئے ورنہ نہ آئے۔

آغا عاطف نے جب میخائل گورباچوف کو بتایا کہ الیونا اس سے ضرور ملنا چاہتی ہے لیکن اس کا کہنا ہے کہ وہ کھلے دل و دماغ سے اسے ملنے کے لیے آئے تو وہ ہنسنا شروع ہو گیا۔ پھر ہنستے ہنستے کہنے لگا:

"مجھ سے زیادہ کھلے دل اور دماغ والا کوئی شخص نہ اس وقت کمیونسٹ پارٹی میں ہے اور نہ پولٹ بیورو میں۔ بلکہ میں اپنی سوچوں میں اس قدر تنہا ہوں کہ پولت بیورو میں میرے ساتھی مجھے سیاسی یتیم کہتے ہیں۔"

چند دن بعد وقت مقررہ پر میخائل گورباچوف الیونا سے ملنے آیا تو الیکسی، ساشا اور نکولائی گھر پر نہیں تھے۔ صرف الیونا، کترینا، لولیس اور آغا عاطف گھر پر موجود تھے۔

کترینا اور آغا عاطف نے میخائل گورباچوف کو گھر کے باہر والے دروازے سے ڈرائینگ روم تک گائیڈ کیا۔ الیونا حسبِ معمول وھیل چیئر پر بیٹھی میکسم گورکی کی کتاب "ماں" کا مطالعہ کر رہی تھی۔

اس نے بمشکل اپنی جگہ سے اٹھ کر خندہ پیشانی سے میخائل گورباچوف کا استقبال کیا۔ میخائل گورباچوف کو الیونا کے پیغام سے اندازہ ہو چکا تھا کہ اس سے مل کر اسے کیا کہنا اور سننا ہے۔

اس نے آتے ہی الیونا سے پہلا جملہ یہ کہا: " الیونا، ملاقات کا وقت دینے کا شکریہ۔ آج پولٹ بیورو کا وہ ممبر تم سے ملنے آیا ہے جس کا برزنیف اور یوری آندروپوف کی طرح کے جی بی سے کبھی کوئی تعلق نہیں رہا۔ ان کے برعکس میں نے قانون کی ڈگری حاصل کی ہے۔ اور یونیورسٹی کے زمانے سے کمیونسٹ پارٹی کا ممبر چلا آ رہا ہوں۔ میں آغا عاطف کی تحریروں اور تجزیوں کا بہت قائل ہوں۔ پیپلز فرینڈشپ یونیورسٹی کے فنکشن میں جب پتہ چلا کہ اس کی تحریروں اور تجزیوں کے پس منظر میں تمہارے خیالات و نظریات کار فرما ہیں تو میں نے تم سے ملاقات کا فیصلہ کیا۔ میں آغا عاطف کا ممنون ہوں کہ اس نے اس ملاقات کا اہتمام کیا ہے۔ میں پولٹ بیورو کے ممبر کی حیثیت سے ایسے کئی لوگوں سے ملا ہوں جو تھوڑا مختلف سوچتے ہیں۔ میرے ملنے والوں میں تاس اور پراودا کے رپورٹرز، غیر ملکی نیوز ایجنسیوں کے اہل کار، سوچنے سمجھنے والے عام روسی اور اور وہ پیشہ ور دانشور شامل ہیں جو سوویت یونین کو ہر طرح کے مسائل سے پاک دیکھنا چاہتے ہیں۔"

الیونا نے پوری توجہ اور انہماک کے ساتھ میخائل گورباچوف کی بات سنی۔ اس کے بعد انتہائی پر سکون اور متوازن آواز میں اسے خوش آمدید کہنے کے بعد مختصراً اپنے بارے میں بتاتے ہوئے کہا:

"انقلاب ایک مسلسل عمل کا نام ہے۔ جب تک انقلاب اپنا انقلابی عمل جاری رکھتا ہے یہ طاقت ور رہتا ہے۔ لیکن جیسے ہی یہ رک جاتا ہے کمزور ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ اگر زیادہ دیر رکا رہے تو ہمیشہ کے لیے ڈھیر ہو جاتا ہے۔ بد قسمتی سے سوویت انقلاب بھی رک گیا ہے۔ گزشتہ کئی دہائیوں سے یہ آگے نہیں بڑھ رہا۔"

"الیونا تمہاری سوچ بالکل درست ہے۔ میں بھی ایسے ہی محسوس کرتا ہوں۔ دراصل، یوری آندراپوف بھی آخری وقت میں مجھ سے متفق تھا۔ اس کی خواہش تھی کہ اس کے بعد میں کمیونسٹ پارٹی کا جنرل سیکرٹری بنوں لیکن سنٹرل کمیٹی کے ممبران نے کرسٹین چرننکو کو مجھ پر ترجیح دی۔ ان کی نظر میں وہ مجھ سے بہتر آدمی ہے۔ لیکن اس کی صحت بھی کوئی قابل رشک نہیں ہے۔ میں افغانستان کی جنگ پر آغا

عاطف اور تمہارے نظریات کی مکمل حمایت کرتا ہوں۔ فی الحال میں چاہتا ہوں کہ آغا عاطف میرے خیالات کے حوالے سے کمیونسٹ پارٹی اور پولٹ بیورو کے ممبران کی توجہ کے لیے مضمون لکھے تاکہ آئندہ جب بھی جنرل سیکرٹری کی سیٹ خالی ہو مجھے ان کی مناسب حمایت حاصل ہو سکے۔"

الیونا نے میخائل گورباچوف کی درخواست پر مسکراتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔ پھر کہنے لگی۔"ہاں کیوں نہیں۔ اگر کوئی شخص انقلاب کے عمل کو آگے بڑھانا چاہتا ہو تو اس کی جس قدر ممکن ہو مدد ہونی چاہیئے۔" پھر آغا کو اس کے قلمی نام سے مخاطب کرتے ہوئے بولی: "کیوں آطوف تمہارا کیا خیال ہے۔ تم گوربی کی حمایت میں مضمون لکھو گے؟"

آغا عاطف نے حامی بھری کہ وہ میخائل گورباچوف کی حمایت میں مضمون ضرور لکھے گا لیکن اسے ہمیں بتانا ہو گا کہ افغان جنگ کے خاتمے کے بارے میں اس کے پاس کیا پلان ہے۔ اگر کرسٹین چرننکو کے بعد وہ کمیونسٹ پارٹی کا جنرل سیکرٹری بنتا ہے تو وہ سوویت یونین کے نظام میں کیسی تبدیلیاں لائے گا تاکہ اس نظام میں کئی دہائیوں سے پیدا ہونے والا جمود ٹوٹ سکے۔

میخائل گورباچوف نے آغا عاطف کی بات سن کر کہا کہ یہ اس کی ان کے ساتھ آخری ملاقات نہیں۔ اگر الیونا اجازت دے تو وہ اس سے مسلسل رابطے میں رہنا چاہتا ہے۔

جب الیونا نے اس سے مستقبل میں مزید ملاقاتوں کی حامی بھری تو اس نے اٹھ کر جانے کی اجازت چاہی۔ سب اس کے احترام میں کھڑے ہو گئے۔ اس نے چند لمحے لولیس کو اپنے بازووں میں اٹھا کر پیار کیا۔ اور پھر کہنے لگا: "ہمیں اپنے لیے نہیں لیکن اس نسل کے لیے سوویت یونین کو ایک پرفیکٹ ریاست بنانا ہے۔"

سب نے اس سے اتفاق کیا۔ پھر وہ دس ودانیا کہہ کر آئندہ ملنے کا وعدہ کر کے ان کے گھر سے رخصت ہو گیا۔

فصل 34

ایک شام الیونا اور آغا عاطف اکٹھے بیٹھے چائے پی رہے تھے۔ ننھا لولیس کترینا کے ساتھ کھیل رہا تھا۔ الیونا نے آغا عاطف سے پوچھا کہ اس کا گورباچوف کے بارے میں کیا خیال ہے۔ کیا اسے اس کے خیالات میں اتنی گہرائی دکھائی دیتی ہے کہ وہ سویت انقلاب کے مقاصد پورے کر سکے گا۔

آغا عاطف نے الیونا سے سوال کی وجہ دریافت کی۔ الیونا نے کہا اسے لگتا ہے کہ گورباچوف اگلا جنرل سیکرٹری بنے گا۔ اگر وہ جنرل سیکرٹری بنا تو بہت کچھ اس کے فیصلوں پر منحصر ہو گا۔ اگر وہ سوویت یونین کو کوئی واضح سمت دینے میں کامیاب ہو گیا تو چیزیں ٹھیک ہو جائیں گی لیکن اگر وہ ایسا نہ کر سکا تو ہر چیز بکھر جائے گی۔

الیونا کا سوال سن کر آغا نے کہا اسے میخائل گورباچوف ایک سادہ لوح آدمی دکھائی دیتا ہے۔ اسے یوری آندراپوف جیسے طاقت ور جنرل سیکرٹری کی پوری حمایت حاصل تھی۔ لیکن وہ کرسٹین چرننکو جیسے کمزور آدمی کے مقابلے میں سنٹرل کمیٹی سے ووٹ حاصل نہ کر سکا۔ پولٹ بیورو میں تو اس کی کارکردگی اور بھی کمتر تھی۔ آندرے گرومیکو جیسے لوگ کہہ رہے تھے کہ وہ کرسٹین چرننکو کے ساتھ بہتر کام کر سکتے ہیں۔

"لیکن تم نے غالباً اس کی ایک بات کی طرف توجہ نہیں دی تھی۔" الیونا نے کہا۔

"کس بات کی طرف۔" آغا عاطف نے پوچھا۔

"اس نے کہا تھا وہ موجودہ قیات میں اکیلا آدمی ہے جو کے جی بی کے ذریعے اس مقام تک نہیں پہنچا۔" الیونا نے اپنی بات کی وضاحت کی۔

"یہ تو ٹھیک ہے لیکن سمجھنے والی بات یہ ہے کہ اس کے پاس متبادل پروگرام کیا ہے؟ انقلاب تو ایک بار آ چکا۔ انقلاب کے اندر اور انقلاب تو نہیں آنا چاہیئے۔ ویسے بھی سوویت نظام کو اب ارتقا کی ضرورت ہے

انقلاب کی نہیں۔ سوال یہ ہے کہ سوویت یونین کو اس ارتقا کے راستے پر کون ڈالے گا اور کس طرح ڈالے گا؟"

الیونا نے آغا عاطف کی بات سن کر ایک ٹھنڈی سانس بھری اور کہا: "آغا تم نے بہت بڑی بات کہہ دی ہے۔ اس دنیا میں بہت کم لوگ اس بات کو سمجھتے ہیں کہ ارتقا کا نظریہ ہی وہ اصول ہے جس پر عمل پیرا ہو کر چیزیں بہتر سے بہترین کی طرف سفر کرتی ہیں۔ اس کائنات میں کوئی چیز مکمل نہیں۔ جس چیز کے بارے میں لوگوں کو وہم ہو جائے کہ وہ مکمل ہو گئی ہے بس سمجھو کہ وہ چیز نقطہ زوال تک پہنچ چکی ہے اور اب اس کے آگے بڑھنے کے امکانات مسدود ہو گئے ہیں۔"

"یہ اصول صرف کمیونزم پر مبنی سیاسی، سماجی اور معاشی نظام پر ہی لاگو نہیں ہوتا بلکہ جمہوری نظاموں پر بھی ایسے ہی لاگو ہوتا ہے۔ اصل چیز لوگوں کی زندگی میں بہتری لانا ہوتی ہے۔ لوگوں کی بھلائی اور بہتری کے امکانات لامحدود ہیں۔ یہ عمل کبھی نہیں رکنا چاہیئے۔" آغا عاطف نے الیونا کی بات آگے بڑھائی۔

"بدقسمتی سے یہ بات نہ سرمایہ دارانہ نظام کے علمبرداروں کے پلے پڑتی ہے نہ کمیونسٹوں کے۔ اگر کوئی نظام اپنے قیام کے لیے لاکھوں یا ہزاروں لوگوں کے قتل و غارت کا متقاضی ہو تو ایسے نظام کی ترویج و اشاعت اور قیام سے انسانوں کو بچنا چاہیئے۔"

الیونا اور آغا عاطف میں یہ گفتگو چل رہی تھی کہ گھر کا بیرونی دروازہ کھلنے اور بند ہونے کی آواز سنائی دی۔ تھوڑی دیر بعد نکولائی وہاں کھڑا تھا۔

اس نے آتے ہی الیونا سے کہا کہ شہر میں اس کی دانشوروں، کمیونسٹ پارٹی اور پولٹ بیورو کے ممبران سے ملاقاتوں کا چرچا ہو رہا ہے۔ سب لوگ متجسس ہیں کہ آخر الیونا کیا کرنے جا رہی ہے۔ اس نے اسے بتایا کہ آج وہ دفتر سے نکلا تھا کہ کے جی بی کے میجر کریمانوف سے اس کی ملاقات ہوئی تھی۔ وہ کہہ رہا تھا کہ الیونا آغا عاطف کے ذریعے اپنے خیالات پراودا میں شائع کرا رہی ہے۔

"تم نے اسے کیا جواب دیا تھا؟" الیونا نے اسے پوچھا۔

"میں نے اسے بتایا تھا کہ آغا عاطف سوویت سماج میں پروان نہیں چڑھا۔ کتابوں سے انسان کسی حد تک واقعات کی حقیقت تک رسائی حاصل کر سکتا ہے۔ وہ اگر الیونا کے تجربات سے فائدہ اٹھا رہا ہے تو اس میں کیا ہرج ہے؟" نکولائی نے جواب دیا۔

"ہرج تو کوئی نہیں لیکن وہ جہاں پروان چڑھا تھا اس سوسائٹی کے علم کو سوویت سوسائٹی کے علم سے مکس کر کے وہ نت نئے نظریات تراش رہا ہے۔" میری وضاحت کے جواب میں اس نے فقرہ کسا تھا۔

"ہاں۔ ان کے جی بی کے کارندوں کا یہی مسئلہ ہے کہ انہیں کوئی نئی بات اچھی نہیں لگتی۔ وہ ہمہ وقت پندرہ بیس برس کے بچوں کے پیچھے لگے رہتے ہیں کیونکہ وہ خفیہ ناموں سے مغربی میڈیا میں خطوط لکھ کر اپنے جذبات کا اظہار کرتے ہیں۔ جو انہیں اچھا نہیں لگتا۔ آغا عاطف تھوڑی ہٹ کر بات کرتا ہے تو وہ ان کے دل میں کھٹکتا ہے۔ لیکن انہیں پتہ ہونا چاہیئے کہ تبدیلی کی جو ہوائیں چل رہی ہیں انہیں وہ زیادہ دیر تک نہیں روک سکیں گے۔" الیونا نے نکولائی سے کہی گئی میجر کریمانوف کی بات پر تبصرہ کیا۔

آغا عاطف نے نکولائی کے منہ سے میجر کریمانوف کا ذکر سنا تو کہنے لگا "اس نے کئی بار مجھ سے درخواست کی ہے کہ میں الیونا سے اس کی ملاقات کراؤں۔"

الیونا میجر کریمانوف کا نام سنتے ہی اچھل پڑی۔ پھر آغا عاطف سے مخاطب ہو کر کہنے لگی: "یہ وہی میجر ہے ناں جو تم سے ملنے تمہارے دفتر آیا تھا اور تم سے کہہ رہا تھا کہ وہ افغانستان سے میڈیکل چھٹی پر آیا ہے۔"

"ہاں، یہ وہی میجر کریمانوف ہے۔ مجھے تو فوراً ہی اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ کے جی بی کے لیے کام کرتا ہے۔ اسی لیے میں اسے قریبی ریستوران میں لے گیا تھا۔" آغا عاطف نے الیونا کے سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا۔

"بہتر ہو گا اسے تم ایک آدھ بار گھر لے آؤ۔ مجھے اس سے ملنے میں کوئی قباحت محسوس نہیں ہوتی۔ بلکہ وہ مجھ سے مل لے گا تو پھر تم لوگوں کا پیچھا چھوڑ دے گا۔" الیونا نے آغا عاطف اور نکولائی کو مشورہ دیا۔

"اگر ایسا ہے تو میں اسے جلد سے جلد گھر لانے کی کوشش کروں گا۔" آغا عاطف نے جواب دیا۔

پھر الیونا نے نکولائی سے مخاطب ہوتے ہوئے پوچھا کہ "کیا کمیونسٹ پارٹی، پولٹ بیورو اور پریذیڈیم کے نمائندگان کو کچھ خبر ہے کہ ملک کے اندر کیا ہو رہا ہے۔ یا وہ مکمل طور پر حقیقت سے کٹے ہوئے ہیں۔"

"لگتا ہے کہ ان کی اپنی ایک دنیا ہے۔ جس کا حقیقت کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ ملک کے اندر اور باہر کے جی بی کے کارندے ہر چیز پر نظر رکھے ہوئے ہیں۔ نہ کوئی ان کی نظروں سے چھپ سکتا ہے نہ کوئی انہیں دھوکہ دے سکتا ہے۔" نکولائی نے الیونا کی بات کا جواب دیتے ہوئے کہا۔

"یہ بات کبھی بھی ٹھیک نہیں تھی۔ اب کے جی بی والے اپنی گاڑیوں میں بیٹھ کر رپورٹ بنا کے داخل دفتر کر دیتے ہیں۔ پہلے ایس بی جی اور جی آر یو کے کارندے بھی یہی کرتے تھے۔ سٹالن کے زمانے میں ہر مخالف آدمی پر اسے قتل کرنے کی سازش کا الزام لگایا جاتا تھا۔ پھر انہیں نفسیات دانوں کے حوالے کر دیا جاتا تھا تاکہ وہ ان پر طرح طرح کے تجربات کر سکیں۔" الیونا نے اپنی یادداشت سے ماضی کے صفحات کھنگالتے ہوئے نکولائی کی بات کی تائید کی۔

"اب بھی صورت حال کچھ زیادہ مختلف نہیں۔ اب کل کی پولٹ بیورو کی کاروائی کا احوال سن لیں۔ پولٹ بیورو نے ایک روسی لکھاری کی پیرس میں چھپنے والی ایک کہانی پر گفتگو کرنے پر چھ گھنٹے صرف کئے۔"

"اگر کوئی حکومت اپنی خفیہ ایجنسی میں تیس چالیس لاکھ کارندے بھرتی کرے گی تو پھر اس کا نتیجہ سوائے اس کے کیا نکلے گا کہ اس کے سب سے اہم حکومتی ادارے کو کہانیوں پر گھنٹوں گفتگو میں صرف کرنا پڑیں گے۔" الیونا نے نکولائی کی بات سن کر بات آگے بڑھائی۔

آغا عاطف پاس بیٹھے دلچسپی سے الیونا اور نکولائی کی گفتگو سن رہا تھا۔ کترینا اب بھی ننھے لولیس کو باہوں میں اٹھائے ٹہل رہی تھی۔ اتنے میں بیرونی دروازے کی گھنٹی بجی۔

نکولائی نے اٹھ کر دروازہ کھولا تو اس نے دیکھا میجر کریمانوف دروازے پر کھڑا تھا۔ اس نے اس سے آمد کا سبب پوچھا تو میجر کریمانوف نے کہا اسے آغا عاطف سے ملاقات کرنا ہے۔

اسے اندر آنے کے لیے کہنے سے پہلے اس نے آغا عاطف کو اس کی آمد کی اطلاع دی۔ آغا نے سوالیہ انداز میں کترینا اور الیونا کی طرف دیکھا۔

الیونا نے آنکھوں ہی آنکھوں میں آغا عاطف سے کہا کہ وہ اسے اندر لے آئے۔ ہاں اگر وہ خود اندر نہ آنا چاہے تو وہ اس کے ساتھ کسی کیفے میں بیٹھ کر اس کی بات سن سکتا ہے۔

آغا نے دروازے پر جا کر گرم جوشی سے میجر کریمانوف کو خوش آمدید کہتے ہوئے اس سے پوچھا "کیا وہ ابھی تک افغانستان واپس نہیں گیا؟"

"ہاں۔ اب حکومت کو اس کی افغانستان سے ماسکو میں زیادہ ضرورت ہے۔ اب اس کی خدمات کے جی بی کے سپرد کر دی گئی ہیں۔ اب اسے ہی نہیں کسی اور روسی کو بھی افغانستان جانے کی ضرورت نہیں رہے گی۔ کیونکہ افغانستان کی حکومت اور اس کے مخالفین کے درمیان مذاکرات اہم سطح پر پہنچ گئے ہیں۔ شاید جلد ہی باقی سوویت فوجی بھی واپس آجائیں گے۔" میجر کریمانوف نے دروازے کے باہر کھڑے کھڑے جواب دیا۔

آغا عاطف میجر کریمانوف کی سادگی پر ہنس پڑا لیکن اس کی بات پر تبصرہ کئے بغیر اسے پوچھا کہ "وہ اس کی کس طرح مدد کر سکتا ہے۔" میجر نے کہا "اگر اس کے پاس وقت ہو تو وہ اس سے میخائل گورباچوف کے بارے میں بات کرنا چاہتا ہے۔"

"بالکل۔ کیوں نہیں۔" پھر وہ میجر کریمانوف کو ساتھ لیکر گھر کے قریب واقع ایک کیفے کی طرف چل پڑا۔ دونوں چند منٹ میں کیفے پہنچ گئے۔ کیفے پہنچ کر دونوں نے ویٹر کو وادکا لانے کا آرڈر دیا۔

ٹیبل پر بیٹھتے ہی میجر کریمانوف نے آغا عاطف سے کہا کہ "کے جی بی میں اس کے میخائل گورباچوف کے بارے میں لکھے گئے مضمون کے بارے میں تشویش پائی جاتی ہے۔"

"میخائل پولٹ بیورو کا اہم ممبر ہے۔ اگر وہ سوویت یونین کے لیے کوئی اچھا کام کرنا چاہتا ہے تو اس کے خیال میں اس کی حوصلہ افزائی کی جانی چاہیئے یا نہیں۔" آغا عاطف نے میجر کریمانوف سے سوال کیا۔

"آغا تمہیں پتہ ہے۔ وہ مرحوم یوری آندراپوف کا منظورِ نظر تھا۔ یوری آندراپوف اسے کیمونسٹ پارٹی کا جنرل سیکرٹری بنوانا چاہتا تھا۔ لیکن کے جی بی نے بڑے طریقے کے ساتھ کرسٹین چرننکو کو سیکرٹری جنرل بنوا دیا۔ اور میخائل گورباچوف کو سائڈ لائن کر دیا۔ پولٹ بیورو میں کوئی اس کے ساتھ کام نہیں کرنا چاہتا۔ یہاں تک کہ آندرے گرومیکو جیسے لوگ بھی کرسٹین چرننکو کے ساتھ زیادہ خوش ہیں۔"

"میجر تمہاری بات ٹھیک ہے۔ لیکن سوویت یونین میں سیکرٹری جنرل کی پوزیشن بہت اہم ہے۔ اس عہدے پر سب سے قابل بندے کو فائز ہونا چاہیئے۔ حکومتی معاملات میں کرسٹین چرننکو کا تجربہ میخائل گورباچوف سے کہیں زیادہ ہے۔ بین الاقوامی امور میں بھی وہ میخائل گورباچوف سے کہیں زیادہ شامل رہا ہے۔ اگر کے جی بی نے اسے سیکرٹری جنرل بنوایا ہے تو اس کا انتخاب سوویت یونین کے لیے اس وقت سب سے بہتر ہے۔" آغا عاطف نے میجر کریمانوف کو اپنی پوزیشن کے بارے میں بتایا۔

"مجھے تمہاری بات سن کر خوشی ہوئی ہے۔ میرا خیال ہے کے جی بی کے اعلیٰ عہدیداران بھی تمہاری بات سن کر خوش ہوں گے۔" میجر کریمانوف نے سنجیدہ چہرے پر مصنوعی مسکراہٹ سجاتے ہوئے جواب دیا۔

اس دوران ویٹر وادکا لے آئی۔ اس نے دونوں کے جام میں وادکا انڈیلی۔ دونوں نے جام اٹھا کر منہ کو لگائے اور میخائل گورباچوف کے بارے میں اپنی گفتگو جاری رکھی۔

میجر کریمانوف کا خیال تھا کہ " اگر گورباچوف کمیونسٹ پارٹی کا جنرل سیکرٹری بن جاتا تو سوویت یونین تباہی کے راستے پر چل نکلتا۔"

آغا نے کہا: " وہ یہ کیسے کہہ سکتا ہے؟"

"یہ میرا نہیں کے جی بی میں زیادہ تر لوگوں کا یہی خیال ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ گورباچوف کے نظریات سوویت نظام میں فٹ نہیں ہوتے۔" میجر کریمانوف نے اپنی بات آگے بڑھائی۔

آغا عاطف نے میجر کریمانوف کی بات کی تہہ تک پہنچتے ہوئے کہا: "فی الحال گورباچوف کے جنرل سیکرٹری بننے کا کوئی چانس نہیں۔ چرننکو کو کے جی بی کی مکمل حمایت حاصل ہے۔ جب تک چرننکو موجود ہے ہمیں گورباچوف کے بارے میں نہیں سوچنا چاہیے۔"

جب میجر کریمانوف نے دیکھا کہ آغا عاطف اس طرف نہیں آرہا جہاں وہ اسے لے جانا چاہتا ہے تو اس نے باقی واد کا اپنے حلق میں انڈیلی اور یہ کہہ کر اس سے رخصت لی کہ وہ گورباچوف کے بارے میں پھر کبھی بات کریں گے۔

آغا نے بھی اسے دس ودانیا کہا اور گھر واپس لوٹ گیا۔

فصل 35

کے جی بی نے وقتی طور پر میخائل گورباچوف کو سائڈلائن کر دیا تھا لیکن آغاعاطف کے مضامین کی وجہ سے اس کی پوزیشن قدرے مستحکم ہوئی۔ الیونا، نکولائی اور آغاعاطف کے ساتھ اس کی ملاقاتوں کا سلسلہ جاری رہا۔ وہ گاہے بگاہے آغاعاطف سے ملاقات کے لیے کبھی اس کے دفتر اور کبھی اس کے گھر چلا آتا۔ کے جی بی نے گورباچوف کی حمایت میں مضامین لکھنے کی وجہ سے بہت کوشش کی کہ وہ آغاعاطف کے خلاف کچھ مواد ڈھونڈ کر اسے سین سے غائب کرنے کی کوشش کریں لیکن انہیں اس کے خلاف کوئی مواد نہ ملا۔ اس نے کبھی کوئی ایسی لائن کراس نہ کی جس سے براہ راست کے جی بی کے ساتھ کوئی مسئلہ پیدا ہوتا۔

اگر آغاعاطف برزنیف کے دور میں اس طرح کے مضامین لکھتا تو اب تک سائبیریا پہنچ چکا ہوتا لیکن اب ماسکو میں فضا کافی حد تک تبدیل ہو چکی تھی۔

اگرچہ سوویت نظام ابھی تک مکمل طور پر ہر چیز پر حاوی تھا لیکن مزدوروں اور کسانوں کی اس جنت میں بڑھتے ہوئے مسائل کی وجہ سے اب اندرونی اور بیرونی معاملات پر مختلف آوازیں سنائی دینے لگی تھیں۔ افغانستان کی جنگ ابھی تک سب سے بڑا مسئلہ تھی۔

فوجی کمانڈ اور کے جی بی ایک طرف تھے اور گورباچوف اور اس کے ساتھی دوسری طرف۔ فوجی کمانڈر اور کے جی بی کا خیال تھا کہ سوویت یونین کو کابل میں ہر قیمت پر مارکسی حکومت قائم رکھنی چاہیئے لیکن گورباچوف کے حامیوں کا خیال تھا کہ سوویت یونین کو سرد جنگ کے جھگڑوں سے رفتہ رفتہ نکلنا چاہیئے۔

الیونا، کترینا اور آغاعاطف کی بھی یہی پوزیشن تھی۔ میخائل گورباچوف سے ان کی جب بھی ملاقات ہوتی وہ مسلسل اس بات پر اصرار کرتے کہ سوویت یونین کو فی الحال اندرونی معاملات پر توجہ مرکوز کرنا چاہیئے اور انقلاب کے حوالے سے بین الاقوامی ذمہ داریوں سے سبکدوش ہو جانا چاہیئے۔ ان کے خیال

میں جب کسی فرد یا کسی ملک کے حالات خراب ہونے لگیں تو ان کے لیے بہتر ہوتا ہے کہ وہ اپنی اندرونی طاقت کو مجتمع کر کے حالات پر اثر انداز ہونے کی کوشش کریں۔

افغانستان سے آنے والی خبریں ان کے نقطہ نظر کو مزید تقویت فراہم کر رہی تھیں۔ سرحد پار سے ببرک کارمل کی حکومت کے خلاف گوریلا کاروائیاں کرنے والے افغان مجاہدین امریکہ، سعودی عرب، چین، مصر اور پاکستان سے ملنے والی فوجی اور مالی امداد کی وجہ سے مسلسل کامیابیاں حاصل کر رہے تھے۔

کرسٹین چرنکو اپنے پیشروؤں کی طرح فوج کے ذریعے انقلابی حکومت کو قائم رکھنے کے فلسفے پر یقین رکھتا تھا۔ خروشچیف اور برزنیف کے ادوار میں یوری آندراپوف نے مختلف ممالک میں فوج کی مدد سے انقلاب دشمن قوتوں کو شکست دے کر جس طرح مارکسی حکومتوں کو قائم رکھا تھا کرسٹین چرنکو کا خیال تھا افغانستان میں بھی یہ اسٹریٹیجی آخر کار کامیاب ہوگی۔

لیکن افغانستان کے اندر صورت حال مسلسل بگڑتی جا رہی تھی۔ پاکستان اور ایران میں بیٹھے لاکھوں افغان مہاجرین نے خود کو کئی جنگی گروپوں میں منظم کر لیا تھا۔

اس کے علاوہ اندرون ملک جنگ کی وجہ سے لوگ ریلہ در ریلہ دیہاتوں کی طرف سے شہروں کی طرف بڑھتے چلے آرہے تھے جس سے حکومت کی حکمرانی کی اہلیت بری طرح متاثر ہوئی۔

خلق اور پرچم کا جھگڑا ابھی تک چل رہا تھا۔ سیاسی حمایت اب بھی پرچم کے ساتھ تھی لیکن فوج پر اب بھی زیادہ تر کنٹرول خلقیوں کا تھا۔ خلق اور پرچم کے باہمی اختلاف میں نظریاتی تضادات کے علاوہ سماجی، لسانی اور علاقائی تضادات بھی اہم کردار ادا کر رہے تھے جو ان کے اتحاد میں بہت بڑی رکاوٹ تھے۔

جب افغانستان میں صورت حال بگڑ رہی تھی ماسکو میں ایک اہم واقعہ کرسٹین چرنکو کی موت تھی۔ یوری آندراپوف نے پندرہ ماہ تک جنرل سیکرٹری کے فرائض سرانجام دیئے تھے لیکن کرسٹین چرنکو ساڑھے تیرہ ماہ بعد ہی چل بسا اور ماسکو میں نئے جنرل سیکرٹری کے انتخاب کے لیے دوڑ دھوپ شروع ہو گئی۔

الیونااور آغاعاطف سے ملاقاتوں کی وجہ سے میخائل گورباچوف کی نکولائی کے ساتھ اچھی ورکنگ ریلشن شپ قائم ہوچکی تھی۔

آغا پراودا میں مسلسل میخائل گورباچوف کے خیالات کا پرچار کر رہا تھا۔اس نے کئی بین الاقوامی اخبارات میں اس کے بارے میں مثبت مضامین لکھے تھے جن کی وجہ سے یورپ اور امریکہ میں میخائل گورباچوف کا مثبت تصور پیدا ہوا تھا۔ وہ پرانی سوویت قیادت کے برعکس میخائل گورباچوف کے ساتھ کام کرنے پر آمادہ تھے۔

ایک بار میخائل گورباچوف نے آغاعاطف، کترینا، نکولائی اور الیونا کو اپنے گھر ڈنر کی دعوت دی۔ جب وہ سارے اس کے گھر پہنچے رئیسہ گورباچوف نے انتہائی خندہ پیشانی سے ان کا استقبال کیا۔ الیکسی اور ساشا بھی ان کے ہمراہ تھے۔ رئیسہ کو الیونا، ساشا اور کترینا بہت اچھی لگیں۔ لولیس سے تو باقاعدہ اس کی دوستی ہوگئی۔ شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ اس کا اپنا کوئی بیٹا نہیں تھا۔ صرف ایک بیٹی تھی۔ ارینا ورگنسکیہ۔ ارینا پچیس چھبیس سال کی نوجوان لڑکی تھی۔ اپنے باپ اور ماں کے برعکس اس نے میڈیکل سائنس میں ڈگری حاصل کی تھی اور بطور ڈاکٹر کام کرتی تھی۔ وہ اپنے ماں باپ کے ساتھ ہی رہتی تھی لیکن اس روز گھر پر نہیں تھی۔

میخائل گورباچوف آغاعاطف اور الیونا کا بہت ممنون تھا۔ انہوں نے اس وقت اسے فکری کمک فراہم کی تھی جب کمیونسٹ پارٹی اور پولٹ بیورو میں اس کی حمایت تقریباً نہ ہونے کے برابر تھی اور لوگ اس کا حوالہ سیاسی یتیم کہہ کر دیا کرتے تھے۔

ڈنر ٹیبل پر بیٹھے ہوئے اس نے الیونا سے پوچھا کہ وہ انقلاب سے پہلے پیدا ہوئی تھی۔ اس نے سوویت یونین میں ہر طرح کے اتار چڑھاؤ دیکھے تھے۔ لینن سے لیکر کرسٹین چرننکو تک سب کی تاریخ اس کے سامنے تھی۔ وہ جانتی تھی کہ سوویت یونین میں کونسا کام مختلف طریقے سے ہوسکتا تھا جس کے کرنے سے بہتر نتائج حاصل کئے جاسکتے تھے۔

میخائل گورباچوف کا سوال سن کر الیونا کے چہرے پر سوچ کی گہری لکیریں ابھر آئیں۔ وہ سوچ میں ڈوب گئی۔ پھر کہنے لگی: "لینن کے بعد سوویت یونین میں سب سے اہم کردار سٹالن نے ادا کیا۔ سٹالن نے سوویت یونین میں ترقی کی جس طرح داغ بیل ڈالی اس کی وجہ سے سوویت یونین دنیا کی دوسری بڑی سپر پاور بنا۔ لیکن سوویت یونین کو باقی دنیا کے لیے علاقہ غیر بنا دینا سٹالن کی بہت بڑی غلطی تھی۔ اگر سوویت یونین باقی دنیا کے لیے اپنے دروازے کھلے رکھتا تو اس کی وجہ سے اندرونی طور پر سوویت نظام میں شفافیت پیدا ہوتی۔ لائف کی کوالٹی بہتر ہوتی۔ بلکہ ترقی کی رفتار بھی زیادہ تیز ہو جاتی۔ اس کے علاوہ اس نے جس طرح سوویت یونین کو کئی اندرونی اور بیرونی خفیہ ایجنسیوں کی جولاں گاہ میں تبدیل کیا اس سے سوویت شہریوں میں عدم تحفظ کا احساس پیدا ہوا۔"

الیونا کا جواب سن کر میخائل گورباچوف بھی گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ پھر اپنی مخصوص مسکراہٹ چہرے پر سجاتے ہوئے بولا: "اب وہ کیا تجویز کرتی ہے۔ سوویت یونین میں جمود توڑنے کے لیے کیا کیا جائے؟"

الیونا نے گورباچوف کا سوال سن کر پھر کہا: "وہ اس کی اپروچ سے آگاہ ہے لیکن وہ اس سے مکمل طور پر اتفاق نہیں کرتی۔ کئی دہائیوں سے بند کمروں کے نظام کی وجہ سے سوویت یونین میں اندرونی طور پر کئی سیاسی، سماجی اور معاشی مسائل پیدا ہو چکے ہیں۔ اگر سوویت یونین کو فوری طور پر مغربی سماج میں بدلنے کی کوشش کی گئی تو سوویت یونین بکھر جائے گا۔

ہمیں سوویت یونین کو ہر صورت میں قائم رکھنا چاہیئے۔ اس نظام کو رفتہ رفتہ اس طرح کھولنا چاہیئے کہ تبدیلی سوویت یونین کو کمزور کرنے کی بجائے اسے طاقتور بنائے۔"

جس دن میخائل گورباچوف نے الیونا اور اس کی فیملی کو ڈنر پر بلایا تھا اسی دن کمیونسٹ پارٹی نے اسے جنرل سیکرٹری منتخب کر لیا۔

اس انتخاب کی راہ ہموار کرنے میں نکولائی اور آغا عاطف نے بھرپور کردار ادا کیا تھا۔ آغا عاطف کی کمیونسٹ پارٹی اور پولٹ بیورو کے جتنے ارکان سے شناسائی تھی اس نے سب سے کہا تھا کہ میخائل

گورباچوف کا انتخاب سوویت یونین کو انقلاب سے پہلے پیدا ہونے والی قیادت کے سایوں سے نکال کر نئی قیادت کے ہاتھوں میں لے جائے گا جس کے سوویت یونین کے لیے بہتر نتائج مرتب ہوں گے۔

ابھی وہ سب ڈنر میں مصروف تھے کہ میخائل گورباچوف اور رئیسہ گورباچوف کی بیٹی ارینا بھی گھر پہنچ گئی۔ وہ نکولائی کے نام سے کمیونسٹ پارٹی اور آغا عاطف سے پر اودا کی وجہ سے شناسا تھی۔ آغا عاطف کی تحریروں سے وہ بہت متاثر تھی۔ خاص طور پر آغا عاطف نے اس کے والد میخائل گورباچوف کے حوالے سے جو مضامین لکھے تھے اس کی وجہ سے اس کے چہرے پر اس کے لیے ممنونیت کے تاثرات نمایاں تھے۔

اس نے آغا عاطف سے پوچھا کہ " وہ اتنی اچھی روسی زبان کیسے لکھتا ہے؟" آغا عاطف نے ارینا کا سوال سن کر کترینا اور الیونا کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا: "وہ دونوں اس کی استاد ہیں۔ کترینا نے اسے روسی بولنا، سمجھنا، پڑھنا اور لکھنا سکھایا جبکہ الیونا نے اسے سوویت تاریخ، ادب، سیاست اور سماج کے اسرار و رموز سمجھائے۔ اس کی تحریریں ان دونوں کی کاوشوں کا حسین امتزاج ہیں۔"

آغا عاطف کا جواب سن کر نہ صرف الیونا اور کترینا نے اسے محبت بھری نظروں سے دیکھا بلکہ میخائل، رئیسہ اور ارینا کے چہروں پر بھی مسکراہٹ پھیل گئی۔

ڈنر کے بعد وہ سب لوگ چائے پی رہے تھے کہ ماسکو ریڈیو پر میخائل گورباچوف کے کمیونسٹ پارٹی کے جنرل سیکرٹری منتخب ہونے کی خبر اناؤنس کی۔

الیونا اور اس کی فیملی نے میخائل، رئیسہ اور ارینا کو مبارک باد دی۔ اور جلدی سے ان کی رہائش گاہ سے رخصت ہو گئے۔

انہیں اندازہ تھا کہ اگلے چند لمحوں میں سوویت یونین کے سب حکومتی کارندے وہاں امڈے چلے آئیں گے۔ اب میخائل گورباچوف محض پولٹ بیورو کا ممبر نہیں بلکہ وہ سوویت یونین کا سب سے طاقت ور

شخص تھا جسے آنے والے دنوں، مہینوں اور برسوں میں دنیا کی دوسری بڑی سپر پاور کے بہت سے اہم فیصلے کرنا تھے۔

وہ جب میخائل گورباچوف اور اس کی بیوی اور بیٹی کو دس ودانیا کہہ کر رخصت ہو رہے تھے سرکاری گاڑیوں کا ایک قافلہ اس کی رہائش گاہ کی طرف چلا آرہا تھا۔

وہ چند لمحوں تک وہاں کھڑے آنے والی گاڑیوں پر میخائل گورباچوف کو ملنے آنے والے لوگوں کو دیکھتے رہے۔ ان میں سے بیشتر خفیہ ایجنسیوں کے اہل کار تھے۔ چند فوجی جنرل تھے اور چند سرکاری اہل کار۔

انہوں نے دیکھا کہ میخائل گورباچوف کی رہائش گاہ کے باہر ایک عارضی چوکی قائم کر دی گئی تھی۔ جہاں چاق و چوبند فوجی آنے جانے والوں کا جائزہ لے رہے تھے۔

فصل 36

گورباچوف کی کمیونسٹ پارٹی کی جنرل سیکرٹری کے انتخاب میں کامیابی پر آغا عاطف، کترینا، الیونا اور نکولائی بہت خوش تھے۔ وہ خوشی سے پھولے نہیں سما رہے تھے۔

یہ خوشی اس وقت اور بھی دوبالا ہوگئی جب گورباچوف نے نکولائی سے درخواست کی کہ وہ کمیونسٹ پارٹی کے پراپیگنڈہ سیکرٹری کے طور پر کام کرے۔

نکولائی نے آغا عاطف، کترینا اور الیونا سے گورباچوف کی اس پیشکش پر مشورہ کیا۔ سب کا خیال تھا کہ نکولائی کو کمیونسٹ پارٹی کا پراپیگنڈہ سیکرٹری بن جانا چاہیے۔ اس سے پہلے کئی اہم لوگ اس اہم عہدے پر فائز رہے تھے۔ گورباچوف کا پیشرو کرسٹین چرننکو بھی کمیونسٹ پارٹی کا جنرل سیکرٹری بننے سے پہلے کمیونسٹ پارٹی کا پراپیگنڈہ سیکرٹری تھا۔ گورباچوف نے نکولائی کو یہ عہدہ اس کی صلاحیتوں کو دیکھ کر پیش کیا تھا۔ اس نے کمیونسٹ پارٹی اور پولٹ بیورو میں گورباچوف کی مردہ ممبرشپ میں جان ڈالنے کے لئے بہت اہم کردار ادا کیا تھا۔

نکولائی نے یہ کام آغا عاطف اور الیونا کے کہنے پر کیا تھا۔ آغا عاطف اور الیونا دونوں اس بات پر متفق تھے کہ گورباچوف کی زندگی فوج اور کے جی بی سے وابستگی سے پاک تھی۔ وہ ایک قانون دان تھا۔ اور چیزوں کو قانونی نقطہ نظر سے دیکھنے کا عادی تھا۔

اس کی سوچیں ایک سویلین کی سوچیں تھیں۔ وہ اس طرح نہیں سوچتا تھا جیسے فوج اور کے جی بی سے تعلق رکھنے والے لیڈر سوچتے تھے۔

گورباچوف کی سوچ رکھنے والے لوگ ماسکو میں بہت کم تھے۔ یہی وجہ تھی کہ اس نے کمیونسٹ پارٹی کا جنرل سیکرٹری بننے کے فوراً بعد پہلا کام یہی کیا تھا کہ نکولائی کو پارٹی کا پراپیگنڈہ سیکرٹری مقرر کیا تھا۔

شاید نکولائی اس کام کے لیے مناسب ترین آدمی تھا۔ وہ ماسکو میں پیدا ہوا تھا۔ ماسکو میں پروان چڑھا تھا اور ماسکو ہی میں اس کی تعلیم و تربیت ہوئی تھی۔ اس نے ہائی اسکول کے زمانے سے کمیونسٹ پارٹی کی سرگرمیوں میں حصہ لینا شروع کر دیا تھا۔ یونیورسٹی پہنچنے تک وہ کمیونسٹ پارٹی کا لوکل عہدیدار بن چکا تھا۔ شہر میں ہر اہم آدمی کو ذاتی طور پر جانتا تھا اور سب کے ساتھ رابطے میں رہتا تھا۔

آغا عاطف اور الیونا نے اسے فوراً پراپیگنڈہ سیکرٹری کا عہدہ قبول کرنے کا مشورہ دیا۔ کترینا آغا عاطف کے کالموں کے لیے مواد اکٹھا کرتی۔ الیونا اسے مناسب مشورے دیتی۔ اس طرح جب آغا عاطف کا کالم پراودا میں چھپتا اس میں دیئے گئے حقائق اور دلائل تقریباً فکری اور نظری غلطیوں سے پاک ہوتے۔

آغا عاطف نے گورباچوف کے کمیونسٹ پارٹی کے جنرل سیکرٹری بننے کو اپنے کالم میں ایک اہم واقعہ قرار دیا۔ اس کا کہنا تھا کہ گورباچوف کی بطور جنرل سیکرٹری تعیناتی کے سوویت یونین کے مستقبل پر دوررس نتائج مرتب ہوں گے۔ گورباچوف پہلے سے افغانستان میں سوویت یونین کی جنگ کو غلط سمجھتا تھا۔ آغا عاطف، کترینا اور الیونا سے اس کی بحثوں نے اسے قائل کر دیا تھا کہ سوویت یونین کو اس جنگ سے جتنی جلدی ہو سکے باہر آنا چاہیے۔ چنانچہ سیکرٹری جنرل بنتے ہی اس نے سوویت یونین کے وزارت دفاع کے خارجی امور کے دفتر کو احکامات جاری کئے کہ وہ افغانستان کی حکومت کے مجاہدین کے ساتھ جاری مذاکرات کو کامیاب بنانے میں کلیدی کردار ادا کرے۔ اس مقصد کے لیے اس نے اپنے وزیر خارجہ شیوردنادزی کو پاکستان بھی بھیجا تا کہ ان کے ذریعے مجاہدین کو قائل کرے کہ وہ پی ڈی پی اے کی حکومت کا حصہ بن جائیں۔

سوویت فوج اور کے جی بی نے گورباچوف کے ایکشن کی بھرپور مخالفت کی۔ لیکن گورباچوف اس ایکشن پر ڈٹا رہا۔ اگرچہ سوویت وزیر خارجہ شیوردنادزی پاکستان سے ناکام لوٹا چونکہ مجاہدین نے اپنے پشت پناہوں کے ایما پر کہہ دیا تھا کہ وہ کہ وہ سوویت یونین کے افغانستان سے مکمل انخلا کے بغیر پی ڈی پی اے کی حکومت کا نہ حصہ بنیں گے اور نہ ان کے ساتھ کسی قسم کا تعاون کریں گے۔

آغا عاطف نے پر اودا میں اپنے کالموں میں حکومت پاکستان کو مشورہ دیا کہ وہ مجاہدوں کو تلقین کرے کہ وہ امن کی خاطر افغانستان میں پی ڈی پی اے کی حکومت کے ساتھ شراکت اقتدار کا فارمولا قبول کر لیں تو افغانستان پر امن طریقے سے دوبارہ نارمل ملک میں تبدیل ہو جائے گا۔ اس نے اپنے مضامین میں اس خدشے کا اظہار کیا کہ اگر مجاہدین نے یہ فارمولا قبول نہ کیا تو اس کے نتیجے میں افغانستان کے حالات کو معمول پر لانے کا عمل نہ صرف طویل ہو گا بلکہ تکلیف دہ اور مشکل بھی ہو گا۔

بد قسمتی سے امریکہ کو افغانستان میں امن سے دلچسپی کم اور اسے سوویت یونین کے لئے ویت نام بنانے کا جذبہ زیادہ طاقتور تھا۔ چنانچہ افغان جنگ میں اپنے تمام اتحادیوں سمیت امریکہ کا مجاہدین کو یہی مشورہ تھا کہ وہ سوویت یونین کے خلاف جنگ جاری رکھیں۔ یہاں تک کہ سوویت یونین مکمل پسپائی پر مجبور ہو جائے۔ سوویت ائیر فورس اب تک مجاہدین کے خلاف کاروائی میں زمینی فوجوں کو کمک پہنچا رہی تھی۔ امریکہ نے مجاہدین کو لائٹ ویٹ سٹنگر میزائیل فراہم کئے جو مجاہدین نہ صرف آسانی کے ساتھ ایک جگہ سے دوسرے جگہ لے جاسکتے تھے بلکہ ان کو اپنے کندھوں سے فائر کر کے سوویت جہازوں اور ہالی کاپٹروں کو نشانہ بنا سکتے تھے۔

ان میزائیلوں کے استعمال سے سوویت یونین کی زمینی فوجوں کی مجاہدوں کے خلاف کاروائیاں بڑی حد تک غیر موثر ہونا شروع ہو گئیں۔

اس تجربے کے بعد ماسکو میں فوجی اور کے جی بی قیادت نے بھی افغان جنگ کے بارے میں اپنا نقطہ نظر تبدیل کر لیا۔ یہ گورباچوف کی حکمت عملی کے لیے ایک بڑی کامیابی تھی۔ وہ چاہتا تھا کہ جلد سے جلد افغان جنگ سے باہر آیا جائے۔ سرد جنگ کا خاتمہ کیا جائے۔ امریکہ کے ساتھ آرمز کنٹرول کے معاہدے کئے جائیں۔ یورپ کے ساتھ تعلقات مستحکم کئے جائیں۔ سوویت مالی پالیسی تبدیل کی جائے۔ روبل کا دوسری کرنسیوں کے ساتھ تبادلے کا نظام وضع کیا جائے اور غیر ملکی کمپنیوں کو سوویت یونین میں سرمایہ کاری کی اجازت دی جائے۔

ایجنڈے کی حد تک یہ ساری باتیں ٹھیک تھیں۔ آغا عاطف، کترینا اور الیونا کے کہنے پر نکولائی گورباچوف کے اس ایجنڈے کی بھرپور حمایت کر رہا تھا۔ اس نے کمیونسٹ پارٹی کے پراپیگنڈے کے تمام وسائل گورباچوف کے ایجنڈے کی ترویج و اشاعت پر لگا دیئے تھے۔ جس کے نتیجے میں سوویت یونین کے اندر گورباچوف کے ایجنڈے کے لیے فضا ہموار ہونا شروع ہو گئی۔

لیکن اس ایجنڈے کی محتاط تکمیل کے لیے جس نوکر شاہی اور حکومتی عملے کی ضرورت تھی وہ موجود نہیں تھے۔ چھ سات دہائیوں کی بند دروازوں میں کام کرنے کی عادت نے سوویت نوکر شاہی کے کارندوں سے وہ صلاحیت چھین لی تھی جس کے بل بوتے پر یہ سب کچھ ممکن بنایا جا سکتا تھا۔

سست رو نوکر شاہی کی موجودگی میں گورباچوف ایک تنی ہوئی رسی پر چل رہا تھا۔ آغا عاطف اور الیونا سے اس کی براہِ راست ملاقاتیں تو تقریباً ختم ہو چکی تھیں لیکن وہ نکولائی کے ذریعے ان کے ساتھ مسلسل رابطے میں تھا۔ نکولائی نے آغا عاطف اور الیونا سے مشورے کے ساتھ گورباچوف کے ماتحت نوکر شاہی کی راہنمائی کے لئے چار اہم نقاط متعارف کرائے۔ اس نے کمیونسٹ پارٹی کے پراپیگنڈہ سیکرٹری کے طور پر چاروں نقاط کی خوب تشہیر کی۔ یہاں تک کہ سوویت یونین کے اندر اور باہر ہر طرف کھلے پن، تعمیر نو، جمہوریت اور معاشی تعمیر نو کی باتیں ہونے لگیں۔ مغربی ممالک جو ابھی تک سوویت یونین میں تبدیلی کے امکانات سے مایوس چلے آ رہے تھے اچانک جاگ اٹھے۔ ان چار نقاط نے انہیں کھلی آنکھوں کے ساتھ سوویت یونین کی طرف دیکھنے پر مجبور کر دیا۔

ان نقاط کی تشہیر سے سوویت یونین کے اندر اور باہر گورباچوف کے وقار میں زبردست اضافہ ہوا۔ خاص طور پر یورپ اور امریکہ نے گورباچوف کا کھلی باہوں کے ساتھ استقبال کیا۔ مغربی ممالک کی طرف سے اسے سرکاری طور پر دوروں کی دعوتیں ملنا شروع ہو گئیں۔

اس کامیابی کے لیے وہ نکولائی، آغا عاطف، کترینا اور الیونا کا بہت مشکور تھا۔ الیونا بھی گورباچوف کی ان کامیابیوں پر بہت خوش تھی لیکن اسے مسلسل ایک دھڑکا لگا رہتا تھا۔ اس نے کئی بار نکولائی اور آغا

عاطف سے کہا تھا کہ وہ گورباچوف سے کہیں کہ وہ مغربی ممالک کے ساتھ اپنے رابطوں کو فی الحال کمتر ترجیح دے اور اندرون ملک نوکرشاہی کی تربیت پر زیادتوجہ مرکوز کرے۔ کیونکہ اس نے اپنے لیے جن مقاصد کا تعین کیا ہے اس کی کامیابی کا دارومدار ایک قابل، متحرک اور انتہائی فعال نوکرشاہی پر ہے۔ سوویت یونین کی وقت کے ساتھ دوڑ لگی ہے۔ اگر گورباچوف نے اپنی زیادہ توجہ مغربی ممالک کے ساتھ تعلقات استوار کرنے پر مرکوز رکھی تو سوویت یونین یہ دوڑ ہار جائے گا۔ جس کے نتائج سوویت یونین کے لیے ٹھیک نہیں ہوں گے۔

لیکن گورباچوف کو اپنے دوروں میں بلجیم، انگلینڈ، کینیڈا اور امریکہ میں جو پذیرائی حاصل ہوئی تھی اس کی وجہ سے وہ اندرونی ترجیحات سے تقریباً غیر متعلق ہو گیا تھا۔ چنانچہ اس نے سوویت یونین کے اندر جس کھلے پن، تعمیر نو اور جمہوری عمل کا آغاز کیا تھا وہ رفتہ رفتہ اپنا راستہ آپ متعین کر رہا تھا۔ جن حدود کے اندر رہتے ہوئے اس عمل کو آگے بڑھنا تھا وہ حدود رفتہ رفتہ ٹوٹنا شروع ہو گئیں۔

آغا عاطف، کترینا اور نکولائی نوجوان تھے۔ انہیں ذرائع ابلاغ تک دسترس حاصل تھی۔ وہ اپنے جذبات کا کسی نہ کسی طرح اظہار کر لیتے تھے۔ لیکن ٹوٹتے ہوئے سوویت نظام سے آنے والی آوازوں سے الیونا کی طبیعت خراب ہونا شروع ہو گئی۔

وہ سوویت یونین کے نظام میں کشادگی، تعمیر نو اور عوامی رائے کی پذیرائی ضرور چاہتی تھی لیکن یہ بالکل نہیں چاہتی تھی کہ سوویت یونین ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو۔

سوویت نظام کے تڑخنے کی آوازوں کے درمیان جب نکولائی اور آغا عاطف نے اسے افغانستان سے سوویت فوجوں کے انخلا کی خبر سنائی تو وہ بہت خوش ہوئی۔ اس نے فرط جذبات سے آغا عاطف اور کترینا کی پیشانیوں پر بوسہ دیا کہ اس جنگ کے خاتمے میں ان کی کوششیں بھی شامل تھیں۔

لیکن اس وقت اس کی یہ خوشی ہوا ہو گئی جب اسے مشرقی یورپ اور بالٹک میں مارکسی حکومتوں کے گرنے اور سوویت حلقہ اثر سے آزاد ہونے کی خبریں ملنے لگیں۔

مارکسزم اور انقلاب اس کے وہ خواب تھے جس کے لیے اس کے آباواجداد نے قربانیاں دی تھیں۔ جس کے لیے اس کی نسل اور اس کے بعد آنے والی نسلوں نے مسلسل قربانیاں دی تھیں۔ اسے محسوس ہوا کہ وہ برزنیف کے دور سے جمود کے شکار سوویت یونین کو جمود سے نکالنے کے جو خواب دیکھتی آئی تھی ان خوابوں میں کہیں کوئی کمی رہ گئی تھی۔ کوئی بے رنگی تھی۔ کوئی ادھوراپن تھا جو انقلاب کے فلسفے سے لگا نہیں کھاتا تھا۔

وہ گورباچوف کے بارے میں ذہنی طور پر دہرے پن میں الجھ کر رہ گئی۔ اسے گورباچوف کے خیالات اور نظریات سے کوئی اختلاف نہیں تھا لیکن جس طرح گورباچوف ان مقاصد کی تکمیل کے لیے عمل پیرا تھا اس سے اس پر ڈیپریشن کی ایک کیفیت طاری ہوگئی تھی۔

آغا عاطف، کترینا اور نکولائی اس کی صحت کے بارے میں سخت تشویش میں مبتلا ہوگئے۔ ساشا اور الیکسی نے بھی کوشش کی کہ وہ اسے تسلی دیں لیکن اس کی باتوں سے چہچہانا غائب ہوگیا۔ وہ زیادہ تر خاموش رہنا شروع ہوگئی۔ وہ اپنی وھیل چیئر پر بیٹھی میکسم گورکی کا ناول "ماں" پڑھتی رہتی۔ آغا عاطف اسے زیادہ تنگ کرتا تو ساون بھادوں کی دھوپ کی طرح چند لمحوں کے لیے اس کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل جاتی لیکن پھر مایوسی اور اداسی کے گہرے بادل چھا جاتے۔ شاید اسے اپنے خواب بکھرتے ہوئے نظر آرہے تھے۔ خوابوں کے بکھرنے کا درد اس کے دل اور روح کو اپنی گرفت میں لے رہا تھا۔ اسے لگا خزاں کا زرد ہاتھ رفتہ رفتہ اس گلشن کی طرف بڑھ رہا ہے جسے اس سے پہلی اور اس کی نسل نے اپنے خون سے سینچا تھا۔

فصل 37

آغا عاطف پراودا میں اپنے چھٹے فلور پر واقع دفتر کی کھڑکی میں کھڑا حدِ نظر تک پھیلے ماسکو کو حسرت بھری نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

اس برس موسم خزاں نے ماسکو کو اتنی تیزی سے اپنی گرفت میں لیا کہ سارا شہر درختوں سے گرے زرد اور خشک پتوں سے ڈھک گیا۔ دیکھتے دیکھتے سارے درخت برہنہ ہو گئے۔ ان کی ٹنڈ منڈ شاخیں بے مراد ہاتھوں کی طرح آسمان کی طرف اٹھی ہوئی تھیں۔ مبادہ کہیں سے کوئی معجزہ ہو اور موسم بہار واپس لوٹ آئے۔

لیکن ابھی موسم بہار لوٹنے میں کئی ماہ باقی تھے۔ موسم بہار تک پہنچنے سے پہلے ماسکو کو ابھی برفباری کے کتنے طوفانوں کا سامنا کرنا تھا۔

کابل سے سوویت فوجوں کی واپسی پر دنیا بھر کی ماسکو نواز کمیونسٹ تنظیموں کے ممبران کے دل بجھ گئے۔ انہیں دکھ اس بات کا نہیں تھا کہ سوویت فوجوں کو کابل کو خیرباد کہنا پڑا تھا۔ بلکہ انہیں افسوس اس بات کا تھا کہ افغانستان میں انقلابی حکومت فیل ہو گئی تھی۔

دنیا بھر میں پھیلی ماسکو نواز تنظیموں نے کابل میں کمیونسٹ حکومت کی ناکامی کو اپنے اپنے انداز میں سمجھنے کی کوشش کی۔ ان کی اپنی کامیابی ان کے لیے سوالیہ نشان بن گئی۔ سوویت یونین کے شہری بھی باقی دنیا میں کمیونسٹ تنظیموں کی کامیابی کے بارے میں شکوک وشبہات میں مبتلا ہو گئے۔ لیکن وہ ہنوز اس بات سے بے خبر تھے کہ سوویت یونین پر اس کے کیا اثرات مرتب ہوں گے۔ ان میں سے زیادہ تر کا خیال تھا کہ یہ ایک وقتی ناکامی ہے جو کسی اور جگہ نہیں دہرائی جائے گی۔

تاہم ان کے ادراک کے برعکس افغانستان سے سوویت فوجوں کی واپسی کے ساتھ ہی سوویت یونین کے اندر انحطاط کے عمل کی رفتار تیز ہو چکی تھی۔ شاید انحطاط کے اس عمل کو روکنا اب کسی کے بس کی بات نہیں تھی۔ نہ اسے سوویت فوج روک سکتی تھی، نہ کے جی بی اور نہ سیاسی قیادت۔

انحطاط کے اس عمل سے نہ صرف الیونا کو شدید دھچکا لگا تھا بلکہ آغا عاطف اور کترینا بھی پریشان تھے۔ گزشتہ رات کتنی دیر تک پہلو بہ پہلو لیٹے وہ دیر تک ماسکو میں حالیہ مہینوں میں رونما ہونے والے واقعات کے بارے میں گفتگو کرتے رہے تھے۔

لولیس کی طبعیت بھی کچھ ٹھیک نہیں تھی۔ بیماری کی وجہ سے اس کا مزاج بھی کئی دنوں سے خاصہ چڑچڑا ہو چکا تھا۔ ڈاکٹر نے اسے دوا دی تھی جس میں نشہ آور اجزا شامل تھے۔ چنانچہ وہ دوا پیتے ہی نیند کی وادیوں میں کھو گیا۔ آغا عاطف اور کترینا عام سوویت شہریوں کے برعکس حالات پر گہری نظر رکھے ہوئے تھے۔ انہیں خوب اندازہ تھا کہ حالات کس طرف جا رہے تھے۔ چنانچہ سوویت یونین کے حالات سے مایوس وہ ایک دوسرے کو تسلیاں دے رہے تھے۔ انہیں افسوس تھا کہ وہ سوویت یونین کو افغان جنگ کا حصہ بننے سے روکنے میں ناکام رہے تھے۔ اس جنگ کے نتائج اب انہیں سامنے نظر آ رہے تھے۔ سوویت یونین نے اپنی فوجیں افغانستان سے نکال لی تھیں۔ لیکن اس کے باوجود جنگ نے اپنا کام دکھا دیا تھا۔ اب سوویت یونین کی اپنی بقا خطرے میں تھی۔ ریچھ بری طرح زخمی ہو چکا تھا۔ اور اب اس کے ٹھیک ہونے کے امکانات تقریباً ختم ہو چکے تھے۔

جیسا کہ ہوتا آیا ہے نامساعد حالات میں انسان اکثر زندگی کی اصل میں پناہ ڈھونڈتا ہے۔ سوویت یونین کے مایوس کن حالات کی باتیں کرتے آغا عاطف اور کترینا کے وجودوں میں زندگی کی ابدیت کے گیت کی دھنیں ہلکے ہلکے بلند ہونا شروع ہو گئیں۔ ان کی روحیں گھائل تھیں۔ دل افسردہ تھے۔ لیکن جینے کی امنگ اور حالات سے لڑنے کی خواہش ابھی تک توانا تھی۔

"یہ میرا گھر

یہ میرا آنگن

یہ میرے دیوار و در

انہیں کھا گئی

کس کی نظر

سڑکوں پہ بکھرے

یہ زرد پتے

یہ ٹنڈ منڈ شجر

یہ آزردہ چہرا

یہ ٹھہری نظر

یہ میرا گھر

یہ میر آنگن

یہ میرے دیوار و در

انہیں کھا گئی

کس کی نظر

سوویت یونین کے حالات کے بارے باتیں کرتے ان کی توجہ الیونا کی طرف مڑ گئی۔ الیونا کترینا کی دادی تھی ۔ اس نے اسے بچپن سے پالا پوسا تھا۔ اس کے آنسو پونچھے تھے۔ اس کی دیکھ بھال کی تھی ۔ اسے خوشیاں دی تھیں۔ کترینا سوویت یونین کے بگڑتے ہوئے حالات کی وجہ سے جنم لینے والی الیونا کی اداسی پر سسک اٹھی۔ وہ اس عمر میں اسے اداس نہیں دیکھنا چاہتی تھی۔ لیکن حالات پر ہر شخص کا بس کہاں چلتا ہے۔

آغا عاطف کا حال بھی کترینا سے زیادہ مختلف نہیں تھا۔ اتنے برس ساتھ رہنے کی وجہ سے اسے بھی الیونا سے خاصہ انس ہو گیا تھا۔ وہ اسے صرف کترینا کی دادی کے طور پر نہیں بلکہ اپنی استاد اور ہیرو کی طرح دیکھتا تھا جس نے اس پر سوویت یونین میں کامیابی کے دروازے کھولے تھے۔ وہ بھی اس کو خاموش اور بجھا بجھا دیکھ کر دکھی اور پریشان تھا۔

اس نے درد سے سسکتی ہوئی کترینا کو اپنے بازوؤں میں سمیٹ لیا۔ وہ بھی ایک سہمی ہوئی لڑکی کی طرح اس کے بازوؤں میں سمٹ گئی۔

"اب کیا ہو گا آغا؟ کیا سوویت یونین ٹوٹ جائے گا؟" یہ سوال آغا عاطف کے ذہن میں بھی کئی برسوں سے سرسرا رہا تھا لیکن اس نے کترینا کے ہونٹوں پر اپنے ہونٹ رکھ کر اس کا منہ بند کر دیا۔

"سوویت یونین دنیا بھر کے مزدوروں اور کسانوں کی امیدوں کا مرکز ہے۔ اگر سوویت یونین ٹوٹا تو دنیا بھر کے مزدوروں اور کسانوں کی جدوجہد کو زک پہنچے گی۔ بلکہ ہو سکتا ہے دنیا بھر میں انقلاب کے لئے چلتی تحریکیں ختم ہو جائیں۔ کیونکہ سوویت یونین کے بعد کوئی اور ملک نہیں تھا جو استحصال سے نجات کے لئے ان تحریکوں کے الاؤ کو روشن رکھ سکتا تھا۔"

"ہم اپنی جدوجہد جاری رکھیں گے۔ آخری دم تک کوشش کریں گے کہ سوویت یونین کسی بڑے المیے سے دوچار نہ ہو۔" پھر ان کے جسم سمندر کی موجوں کی طرح بل کھانا شروع ہو گئے۔ وہ دیر تک ایک دوسرے میں ابھرتے، ڈوبتے، ٹوٹتے اور بکھرتے رہے۔

ان دونوں کو اندازہ تھا کہ وہ سوویت یونین کو درپیش چیلنجز سے گھبرا کر ایک دوسرے میں پناہ لے رہے ہیں۔ لیکن دوسری پناہ گاہوں کی طرح جنسی پناہ گاہ بھی آخر کار مٹی کے گھروندے کی طرح ٹوٹ پھوٹ جاتی ہے اور انسان ساحلوں کی بھیگی ریت پر چلتا پھر حقیقی دنیا میں لوٹ آتا ہے۔

ایک دوسرے کی باہوں میں مچلتے اور تڑپتے کب ان کی آنکھ لگی انہیں کچھ پتہ نہ چلا۔ آغا عاطف صبح اٹھا تو کترینا اور لولیس ابھی تک سو رہے تھے۔ اس نے دونوں کو بوسہ دیا اور جلدی سے کپڑے بدل کر پراودا

کے دفتر چلا آیا۔ دفتر میں اس نے مختلف ذرائع سے وصول ہونے والی رپورٹیں پڑھنے کی کوشش کی لیکن اس کا دماغ ابھی تک رات کترینا سے ہونے والی گفتگو میں کھویا ہوا تھا۔

اس کے خیالات کترینا، لولیس، ایلونا اور نکولائی کے گرد گھوم رہے تھے۔ وہ سب اس کی فیملی کا حصہ تھے۔ وہ سوویت یونین سے ان کی جذباتی وابستگی سے آگاہ تھا۔

سڑکوں پر گرے زرد اور خشک پتے دیکھ کر اس کا ذہن میخائل گورباچوف کی طرف چلا گیا۔ اسے اس کی نیت پر شبہ نہیں تھا۔ لیکن اس کی سادگی سے اسے ہمیشہ خوف آتا تھا۔ اس کے ذہنی سطحی پن کے بارے میں ایلونا سے اس کی کئی بار بات ہوئی تھی۔

"اسے نکولائی کو ساتھ لیکر میخائل گورباچوف سے ملاقات کرنی چاہیے۔ اس کی پالیسیوں کا از سر نو جائزہ لینا چاہیے۔ ہو سکتا ہے وہ سوویت یونین کی بگڑتی ہوئی صورت حال کو سہارا دے سکیں۔ لیکن سوویت یونین سے علیحدگی کی خواہش رکھنے والی ریاستوں کو سوویت یونین کا حصہ بنائے رکھنا شاید اب ممکن نہیں تھا۔ باقی رہا روس، تو روس تو سوویت یونین سے پہلے بھی تھا اور بعد میں بھی رہے گا۔ لیکن وہ نظریہ شاید دم توڑ جائے جس کی وجہ سے سوویت یونین نے جنم لیا تھا۔"

وہ پراودا میں اپنے آفس کی کھڑکی میں کھڑا یہ سب سوچ رہا تھا کہ استقبالیہ ڈیسک پر کام کرنے والی لڑکی نے اسے ہیلو کہہ کر ایک خط دیا۔ یہ خط کمیونسٹ پارٹی کے جنرل سیکرٹری کے دفتر سے آیا تھا۔ اس نے خط کھولا تو میخائل گورباچوف نے اپنے ہاتھ سے ایک مختصر رقعہ لکھا تھا جس میں اس سے استدعا کی تھی کہ وہ نکولائی اور ایلونا کے ساتھ ڈنر کے لیے اس کی ذاتی رہائش گاہ پر آئے۔ اس نے لکھا تھا کہ اسے ان سے ملے عرصہ ہو گیا تھا۔ وہ ان سے ملنا اور ان کے ساتھ کچھ وقت گزارنا چاہتا ہے۔

میخائل گورباچوف کا ہاتھ سے لکھا رقعہ پڑھ کر اس کے ماتھے پر پریشانی سے سلوٹیں پڑ گئیں۔ اس رقعے نے اسے بن کہے بہت کچھ کہہ دیا تھا۔ اس سے اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ حالات اس کے فہم سے کہیں زیادہ خراب ہیں۔ گورباچوف نے اسے کسی خاص رات کے لیے نہیں کہا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ وہ انہیں جلد

سے جلد ملنا چاہتا ہے۔ چنانچہ اس نے دوبارہ اس دن کی رپورٹوں پر نظر ڈالی اور جلدی سے اگلے دن کے لئے پراودا کے لیے اپنا مضمون لکھا۔ اس کے مضمون کا عنوان تھا: مسٹر گورباچوف سلوڈاؤن۔

اس نے اپنے مضمون میں تیزی کے ساتھ بگڑتے ہوئے حالات کا ذکر کرنے کے بعد گورباچوف کو مشورہ دیا کہ جب ہر چیز ہاتھ سے نکلتی ہوئی محسوس ہو رہی ہے تو بہتر ہو گا کہ کمیونسٹ پارٹی کا سیکرٹری جنرل سوویت یونین کے روائتی اداروں کے کارندوں کے ساتھ ایک میٹنگ کرے اور ان سے صلاح مشورہ کرے کہ وہ ان حالات سے نپٹنے کا کونسا راستہ تجویز کرتے ہیں۔

چونکہ اس وقت تک ایسے کارندے موجود نہیں جو میخائل گورباچوف کے نظریات کو بے ضرر طریقے سے عملی شکل دے سکیں اس لیے ضروری ہے کہ وہ روائتی نوکر شاہی کے کارندوں کے ساتھ مل کر وقتی طور پر اپنی ساری اسٹرٹیجی کا از سر نو جائزہ لے۔

اس نے یہ مضمون لکھ کر ایڈیٹر کے حوالے کیا اور واپس گھر کی طرف چل پڑا۔ وہ چاہتا تھا کہ کترینا اور نکولائی کو تیار کرے اور وہ آج ہی میخائل گورباچوف کے ساتھ ڈنر کریں۔

وہ جانتا تھا کہ گورباچوف سے براہ راست بات کر کے کترینا کے اضطراب میں کچھ کمی ہو گی۔ جہاں تک الیونا کا تعلق تھا وہ ذہنی طور پر اس حالت میں نہیں تھی کہ خاندان سے باہر کسی شخص سے اس کی ملاقات کروائی جاتی۔ سوویت یونین کے بگڑتے ہوئے حالات کی وجہ سے وہ رفتہ رفتہ خود سے بھی بے خبر ہوتی جارہی تھی۔

فصل 38

آغا دفتر جانے کے بعد اتنا جلدی کم ہی گھر لوٹتا تھا۔ وہ کام سے فارغ ہونے کے بعد اکثر کمیونسٹ پارٹی یا پولٹ بیورو کے کسی ممبر کے ساتھ شامیں گزارنے کا عادی تھا۔ کبھی وہ ان میں سے کسی کے دفتر چلا جاتا اور کبھی ان میں سے کوئی اس کے دفتر آجاتا۔ پھر وہ اکٹھے کسی قریبی کیفے میں چلے جاتے۔ دیر گئے وہاں بیٹھ کر شراب پیتے اور گپ شپ کرتے۔

کترینا نے اتنی جلدی دفتر سے لوٹنے کا سبب پوچھا تو اس نے اسے میخائل گورباچوف کے رقعے کے بارے میں بتایا۔ اس نے کہا وہ چاہتا ہے کہ وہ آج ہی گورباچوف سے ملیں اور سوویت یونین کی صورت حال کے بارے میں اس کے خیالات جاننے کی کوشش کریں۔

کترینا بھی اس خبر سے بہت خوش ہوئی۔ اس نے کہا یہ ایک اچھا آئیڈیا ہے۔ نکولائی کو بھی گورباچوف سے مل کر یقیناً خوشی ہوگی۔ وہ بھی کمیونسٹ پارٹی کے اندر بڑھتی ہوئی بے چینی کے بارے میں میخائل سے بات کرنا چاہتا ہے۔ اس کے لیے بھی یہ ایک اچھا موقع ہوگا۔ لیکن الیونا کو اس حالت میں جب کہ وہ زیادہ تر اپنے آپ سے بے خبر رہتی ہے ڈنر کے لیے میخائل اور رئیسہ کے گھر لے جانا ٹھیک نہیں رہے گا۔

آغا عاطف نے بھی کترینا سے اتفاق کیا۔ پھر کہنے لگا کہ ہم لولیس کو ساشا کے پاس چھوڑ جائیں گے تاکہ تسلی سے گورباچوف کے ساتھ بات چیت کرسکیں۔ اگر وہ ساتھ ہوا تو تم اسے سنبھالنے میں لگی رہو گی اور بات چیت میں بھرپور حصہ نہیں لے سکو گی۔

کترینا نے آغا عاطف کی بات سے اتفاق کیا۔ پھر وہ گھر کے کام کاج میں مصروف ہوگئی۔ پہلے اکثر الیونا یہ سارے کام کر دیتی تھی۔ وھیل چیئر پر ہونے کے باوجود وہ مستعدی کے ساتھ اس طرح سارے کام نپٹاتی کہ کسی اور کو کچھ نہ کرنا پڑتا۔ لیکن سوویت یونین کے بگڑتے حالات نے اسے ڈیپریشن کی اتھاہ گہرائیوں میں دھکیل دیا تھا۔ پہلے وہ خود سب کی مدد کرتی تھی لیکن اب اسے خود مدد کی ضرورت تھی۔

گھر کے کام کاج سے فارغ ہو کر کترینا نے پہلے شاور لیا، پھر زرد رنگ کی پینٹ اور شرٹ پہنی، اوپر زرد رنگ کا سویٹر پہنا اور آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر بال سنوارے اور جانے کے لئے تیار ہو گئی۔ آغا عاطف نے بھی شاور لیا، کترینا سے ملتے رنگ کی پینٹ اور شرٹ پہنی، اوپر برگنڈی رنگ کا سویٹر پہنا اور چلنے کا سگنل دے دیا۔ لیکن نکولائی کا ابھی تک دور دور تک پتہ نہیں تھا۔ عام طور پر وہ سر شام گھر آجاتا تھا۔ آج کسی وجہ سے وہ ابھی تک گھر نہیں لوٹا تھا۔

الیونا نے کترینا اور آغا عاطف کو یوں تیار ہو کر بیٹھے دیکھا تو اس نے کترینا سے پوچھا کہ وہ کہاں جا رہے ہیں۔ کترینا اس کے سوال پر حیران تھی۔ اس نے جس طرح چپ کا روزہ رکھ لیا تھا ایسے میں اس کی طرف سے ایسے سوال کا آنا کترینا اور آغا کے لیے تعجب اور خوشی کا باعث بنا۔

کترینا نے الیونا کو بتایا کہ آج میخائل گورباچوف نے آغا کو پیغام بھجوایا ہے کہ ہم اس سے ملیں۔ ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ ہم آج رات ڈنر پر اس سے ملیں گے۔ اس وقت ہم صرف نکولائی کا انتظار کر رہے ہیں۔

الیونا نے کترینا سے پوچھا: "کیا گورباچوف نے اسے ڈنر کے لیے دعوت نہیں دی۔"

الیونا کا سوال سن کر کترینا کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو بہنا شروع ہو گئے۔ اس نے الیونا کے سوال کا کوئی جواب نہ دیا۔

کترینا کی بجائے آغا نے الیونا کو جواب دیا کہ گورباچوف نے اسے بھی ڈنر کے لیے بلایا ہے اگر وہ چلنا چاہے تو وہ بھی تیار ہو جائے۔

لیکن آغا کا جواب سن کر الیونا نے دوبارہ خاموشی کی چادر اوڑھ لی۔ وہ اپنی وھیل چیئر پر بیٹھی کھڑکی سے باہر ماسکو میں آہستہ آہستہ اترتی رات کا منظر دیکھتی رہی۔

اس کی حالت دیکھ کر آغا کی آنکھیں بھی آنسوؤں سے تر ہو گئیں۔ لیکن وہ خاموشی سے قدم اٹھاتا کھڑکی کے سامنے جا کھڑا ہو۔

اس دوران باہر کا دروازہ کھول کر نکولائی گھر کے اندر داخل ہوا۔ اس نے کترینا اور آغا کو یوں تیار بیٹھے دیکھا تو کترینا کو چھیڑتے ہوئے بولا: "وہ کہاں جانے کے لئے تیار بیٹھی ہے۔"

اس سے پہلے کہ کترینا اسے کوئی جواب دیتی آغا نے اسے کہا کہ "آج میخائل گورباچوف کا خط آیا تھا۔ اس نے ڈنر کے لیے دعوت دی ہے۔ وہ تمہیں، مجھے، کترینا اور الیونا سے ڈنر پر ملنا چاہتا ہے۔ الیونا ہمارے ساتھ جانے کی حالت میں نہیں اس لئے ہم تینوں جائیں گے۔"

"یہ تو بڑی اچھی خبر ہے۔ میں بھی کئی دنوں سے میخائل گورباچوف سے ملنا چاہتا تھا۔ لیکن کوئی موقع نہیں بن پا رہا تھا۔ اب اگر اس نے خود ہی دعوت دی ہے تو ہم ضرور جائیں گے۔"

پھر اس نے آگے بڑھ کر الیونا کی پیشانی پر بوسہ دیا۔ کترینا اور آغا عاطف سے تیاری کرنے کے لیے چند منٹ کے لئے اجازت لی اور کپڑے اتار کر شاور لینے چلا گیا۔

جب تک وہ تیار ہوا آغا نے کترینا کو اپنے آج کے مضمون کے بارے میں بتایا۔ اس نے کہا وہ مضمون کل کے پراودا میں چھپے گا۔

الیونا اپنی وھیل چیئر پر بیٹھی آغا عاطف کے مضمون کی تفصیلات سنتی رہی۔ عام طور پر ایسے مواقع پر وہ آغا عاطف کے ہر پوائنٹ پر رائے دیتی تھی۔ لیکن آج وہ اسی طرح خاموش بیٹھی کھڑکی سے باہر گھورتی رہی۔ اس نے آغا کی کسی بات پر کسی رد عمل کا اظہار نہ کیا۔

کترینا نے آغا عاطف کے سارے نقاط کی تائید کی۔ اس نے کہا یہ مضمون وقت کی ایک اہم ضرورت کی نشاندہی کرتا ہے۔ لیکن اس کے خیال میں حالات اس قدر دگرگوں ہو چکے ہیں کہ اب ان کا ٹھیک ہونا ممکن نظر نہیں آتا۔ اگر ان تجاویز پر عمل کیا گیا تو بھی اس سے زیادہ فائدہ نہیں ہو گا۔

کترینا اور آغا کی باتوں کے دوران نکولائی نہا دھو کر تیار ہو گیا۔ لولیس سو رہا تھا۔ ساشا نے اس کا دھیان رکھنے کی حامی بھری۔ پھر وہ تینوں گورباچوف کی سرکاری رہائش گاہ کے طرف چل دیئے۔

جب وہ ٹیکسی لے کر جنرل سیکرٹری کی رہائش گاہ پر پہنچے ماسکو پر رات مکمل طور چھا چکی تھی۔ رہائش گاہ کی سیکورٹی نے اندر پیغام بھجوایا تو رئیسہ اور میخائل گورباچوف نے بیرونی دروازے پر آکر ان کی طرف ہاتھ ہلایا۔ انہوں نے بھی جواب میں ہاتھ ہلایا اور پھر آہستہ آہستہ چلتے اندر چلے گئے۔

گورباچوف اور رئیسہ نے انہیں خوش آمدید کہا۔ تب تک ارینا بھی مین دروازے تک پہنچ چکی تھی۔ اس نے آتے ہی کترینا سے لولیس کے بارے میں پوچھا۔ کترینا نے اسے بتایا کہ اس کی طبعیت کچھ ٹھیک نہیں تھی۔ ڈاکٹر کی دوا کی وجہ سے وہ زیادہ وقت سو کر گزار رہا ہے۔

ارینا نے کترینا سے مذاق کرتے ہوئے کہا۔" اگر وہ اسے ساتھ لاتے تو وہ اس کا معائنہ کرتی۔ بلکہ وہ اس کے لیے کوئی بہتر دوا بھی تجویز کرتی۔"

یہی باتیں کرتے وہ سب مہمانوں کے کمرے میں جا بیٹھے۔ میخائل گورباچوف نے الیونا کے بارے میں پوچھا کہ وہ ان کے ساتھ کیوں نہیں آئی۔

کترینا نے گورباچوف کو بتایا کہ "اس کی طبعیت اب ٹھیک نہیں رہتی۔ جب سے سوویت یونین کے حالات دگر گوں ہونا شروع ہوئے ہیں وہ خاموش رہتی ہے۔ کسی سے بات چیت نہیں کرتی۔ کھانے پینے کا بھی اسے کوئی ہوش نہیں۔ ہم اسے وقت پر کھانا کھلا دیتے ہیں۔"

گورباچوف نے الیونا کی حالت کے بارے میں سُن کر اظہارِ افسوس کیا۔ پھر کہنے لگا" میں کل ہیلتھ سیکرٹری کو کہہ کر ڈاکٹروں کا ایک ٹربیونل بنواؤں گا جو الیونا کا معائنہ کریں گے اور اس کی دیکھ بھال کے ذمہ دار ہوں گے۔" پھر کہنے لگا اس نے انہیں ایک خاص مسئلے پر مشورے کے لئے بلایا۔ اسے پتہ چلا ہے کہ کے جی بی اور فوج کے ہارڈ لائن عناصر اس کی حکومت کا تختہ الٹنا چاہتے ہیں۔ وہ ان کے بارے میں کاؤنٹر سٹریٹیجی تیار کرنا چاہتا ہے۔ بظاہر وہ افغان جنگ کے خاتمے اور تعمیرِ نو کے پروگرام سے ناخوش ہیں۔ وہ نہیں چاہتے کہ موجودہ نظام کی تجدید یا تشکیلِ نو کی جائے۔ وہ بدلی ہوئی دنیا کے حقائق کو سمجھنے اور تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں۔

میخائل گورباچوف کا سوال سن کر نکولائی نے اسے بتایا کہ کمیونسٹ پارٹی کے اندر بھی کافی ارتعاش پیدا ہو چکا ہے۔ ہارڈ لائن پارٹی ممبرز موجودہ صورت حال پر خوش نہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ یہ صورت حال گورباچوف کی نئی پالیسیوں کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے۔ بلکہ ان میں سے زیادہ تر کا خیال ہے کہ گورباچوف مغربی قوتوں کا آلہ کار بن کر اشتراکی نظام کے خاتمے کے لیے کوشاں ہے۔ ہم پراپیگنڈہ دفتر سے پوری قوت کے ساتھ نئی پالیسیوں کے بارے میں پراپیگنڈہ کر رہے ہیں۔ شروع شروع میں لوگ نئی پالیسیوں سے بہت خوش تھے لیکن چونکہ عملی طور پر ان پالیسیوں کے نتائج سامنے نہیں آرہے اس لیے لوگوں میں اضطراب پیدا ہو رہا ہے۔

کترینا نے کہا آغا عاطف نے آج ہی پراودا میں اس مسئلے پر ایک اہم مضمون لکھا ہے۔ کل کی اشاعت میں وہ مضمون شامل ہو گا۔

آغا عاطف نے بھی میخائل گورباچوف کی بات کی تصدیق کی۔ اس نے کہا وہ پراودا میں اپنے دفتر سے نکل کر روزانہ کچھ وقت کمیونسٹ پارٹی اور پولٹ بیورو کے ممبران کے ساتھ گپ شپ میں گزارتا ہے۔ بعض اوقات کے جی بی کے اہلکاروں سے بھی اس کی ملاقات ہو جاتی ہے۔ اسے بھی لگتا ہے کہ گورباچوف کے خلاف بغاوت کی ایک فضا تیار کی جا رہی ہے۔ لیکن اس بارے میں کسی کو ٹائم لائن کا اندازہ نہیں۔ یہ بھی کوئی نہیں جانتا کہ اس بغاوت کی قیادت کون کرے گا۔

آغا عاطف نے گورباچوف کو چند مفید مشورے دیئے۔ اس نے کہا کہ وہ اپنی سکیورٹی کے ذمہ داروں، قریبی وزیروں، کے جی بی کے اہم عہدیداروں، ملٹری کے اہم جرنیلوں اور کمیونسٹ پارٹی میں ہارڈ لائن ممبران کے رویوں پر نظر رکھے۔ جب اسے اندازہ ہو کہ بغاوت کا خطرہ بڑھ رہا ہے وہ ماسکو سے باہر چلا جائے اور اپنے اعتماد کے لوگوں کے ذریعے باغیوں کو کنٹرول کرنے کی کوشش کرے۔ ایسے حالات میں باغیوں کی طرف سے کسی بھی رابطے کی کوشش کو ٹھکرا دے۔ ان کے ساتھ کسی قسم کے مذاکرات نہ کرے۔

بالٹک ریاستوں میں قوم پرستوں کے مقاصد کو ناکام کرنے کے لیے ریفرنڈم کے ذریعے ان کی سوویت یونین میں نمائندگی کو تازہ کرے۔

گورباچوف کو آغا عاطف کی تجاویز پسند آئیں۔ نکولائی کو اس نے کہا کہ وہ کمیونسٹ پارٹی کے اندر ہارڈ لائنرز کو سائڈلائن کرنے کے لیے ان ممبران کی نشاندہی کرے جو اس ضمن میں مددگار ثابت ہو سکتے ہیں۔

نکولائی نے کہا وہ اپنے طور پر اس ایجنڈے پر کام کر رہا ہے۔ بہت سے ممبر اس بات پر آمادہ ہیں کہ وہ کسی بھی غیر آئینی حرکت کا ساتھ نہیں دیں گے۔ لیکن یہ بغاوت صرف کمیونسٹ پارٹی کے ہارڈ لائنرز تک محدود نہیں اس میں ملٹری، کے جی بی اور نوکر شاہی کے بھی کئی لوگ شرکت کا عندیہ دے چکے ہیں۔

نکولائی کی وضاحت پر گورباچوف نے اُسے پوچھا کہ کیا کمیونسٹ پارٹی میں کسی پلیٹ فارم پر ملٹری اور کے جی بی کے کارندوں کے نام سامنے آئے ہیں۔

نکولائی نے اس بارے میں لاعلمی کا اظہار کیا۔ لیکن اس نے وعدہ کیا کہ وہ اپنی آنکھیں اور کان کھلے رکھے گا۔ اگر اس کے سامنے کوئی نام آیا تو وہ ضرور اسے اطلاع دے گا۔

گورباچوف نے ملازمین کو منع کر دیا تھا کہ وہ انہیں گفتگو کے دوران ڈسٹرب نہ کریں۔ انہیں باتیں کرتے کافی دیر ہو چکی تھی۔ اس نے تینوں سے درخواست کی کہ وہ اس کے ساتھ رابطے میں رہیں۔ وہ جب چاہیں ڈنر کے لیے اس کے ہاں چلے آئیں۔ اگر وہ مصروف بھی ہُوا تو بھی انہیں پینے کے لیے ماسکو وسکیہ واد کا ضرور ملے گی۔

رئیسہ اب تک خاموشی سے بیٹھی ان کی گفتگو سن رہی تھی۔ گفتگو سمٹتی دیکھ کر اس نے کچن میں منتظر ملازمین کو ڈائننگ ٹیبل پر کھانا چننے کا حکم دیا۔

ٹیبل پر کھانا چن دیا گیا تو وہ سب اٹھ کر ڈائننگ روم میں چلے گئے۔ کھانے کے دوران ان میں ہلکی پھلکی گفتگو چلتی رہی۔

ارینا نے کھانے کے دوران اپنی گفتگو سے سب کو خوب محظوظ کیا۔ رئیسہ کھانے کے دوران قدرے خاموش بیٹھی رہی لیکن میخائل گورباچوف اور ارینا کافی زندہ دل اور باتونی تھے۔

کھانا کھا کر کترینا، آغا اور نکولائی رخصت ہوئے تو سب بہت ہلکا محسوس کر رہے تھے۔ ایسے لگتا تھا باہمی گفتگو سے سب کے دل کا بوجھ اتر گیا تھا۔

میخائل گورباچوف بھی ہر طرح کی صورت حال سے نپٹنے کے لیے مکمل طور پر تیار اور پر اعتماد دکھائی دے رہا تھا۔

اسے آغا عاطف، کترینا اور نکولائی کے ساتھ اپنی دوستی اور تعلق پر افتخار کا احساس ہُوا۔ وہ خوش تھا کہ اتنی بڑی سیاسی مشینری میں پھنسا ہونے کے باوجود چند لوگ ایسے ہیں جن کے ساتھ وہ اپنے خدشات اور امیدیں شیئر کر سکتا ہے۔ جو ان حالات میں بھی اسے کوئی ایسا مشورہ دے سکتے ہیں جس سے تیزی کے ساتھ امڈتے ہوئے طوفانوں کا رخ موڑا جا سکتا ہے۔

فصل 39

ماسکو میں بدلتے موسموں میں آغا عاطف کی جب بھی گورباچوف کی ساتھ ملاقات ہوئی اس نے ظاہری طور پر اسے ہمیشہ مطمئن پایا۔ اس کے چہرے کی مسکراہٹ اور آنکھوں کی چمک میں کبھی کمی نہ آئی۔ لیکن آغا عاطف کو اندازہ تھا کہ سوویت یونین کی دن بدن بگڑتی ہوئی صورت حال پر اسے خاصی تشویش ہے۔ وہ سچے دل سے چاہتا تھا کہ سوویت یونین میں اس طرح تبدیلی آئے جس سے سوویت شہریوں کا معیارِ زندگی بلند ہو سکے۔ اپنے کئی بیرونی دوروں میں وہ آغا عاطف کو اپنے سرکاری دوروں کا حصہ بنا کر ساتھ لے گیا۔

خاص طور پر اپنے کینیڈا اور یوکے کے دورے میں وہ لوگوں کے لائف اسٹائل سے بہت متاثر تھا۔ آغا عاطف کے سامنے کئی بار اس نے کینیڈا اور یوکے کے لوگوں کے معیار زندگی کے بارے میں رشک کا اظہار کیا۔ اس کا کہنا تھا کہ کاش سب سوویت شہری بھی اسی طرح زندگی گزاریں۔

لیکن گورباچوف کبھی ان ممالک میں مروّجہ نظام کے پیچھے چھپی تلخ حقیقتیں نہ دیکھ سکا۔ اُسے ان ممالک کے شہروں میں بھاگ دوڑ کرتے مرد اور خواتین بہت متاثر کرتے ہیں۔ وہ اکثر کہتا ہے زندگی تو یہ لوگ گزارتے ہیں ہمارے لوگ تو بس زندگی کاٹتے ہیں۔

آغا جب بھی اسے کہتا کہ سرمایہ دار ممالک کا نظام اتنا ظالم ہے کہ اگر کوئی شخص ایک بار زندگی کی جدوجہد میں نیچے گر جائے تو اس کے لیے دوبارہ اپنے پیروں پر کھڑا ہونا ناممکن ہو جاتا ہے۔ لوگ ساری عمر محنت کرتے رہتے ہیں لیکن کوئی چھوٹی سی غلطی یا کوئی چھوٹا سا غلط فیصلہ ان کی زندگی بھر کی پونجی سے انہیں محروم کر دیتا ہے۔

ان ممالک نے بہت ہوشیاری کے ساتھ انسانی غلامی کا ایسا نظام وضع کیا ہے جسے دیکھ کر بظاہر لگتا ہے کہ غلامی ختم ہو گئی ہے لیکن حقیت میں انہوں نے انسانوں کو ایسی غیر مرئی زنجیروں میں جکڑ دیا ہے کہ ان

کی حالت غلاموں سے بدتر ہے۔ مغربی ممالک نے قومی اور بین الاقوامی سطح پر اس طرح کا نظام کھڑا کیا ہے کہ پہلے یہ پوری دنیا میں مقامی سطح پر نسلی، علاقائی، لسانی اور مذہبی اختلافات کو ہوا دیتے ہیں۔ جنگیں شروع کرواتے ہیں۔ مختلف طریقوں سے انسانی آبادیوں میں اکھاڑ پچھاڑ کرتے ہیں۔ لوگ مجبوراً اپنے ملکوں کو چھوڑ کر ان کے ممالک کا رخ کرتے ہیں تو یہ ان کو ایسی زنجیروں میں جکڑتے ہیں کہ وہ ساری عمر غلاموں کی طرح اپنی تمام ذہنی، جسمانی اور تخلیقی صلاحیتیں ان کے نظام کر بہتر بنانے پر صرف کر دیتے ہیں۔

آغا عاطف جب بھی اس نہج پر گفتگو کرتا گورباچوف اپنے چہرے پر پھیلی مسکراہٹ کو کچھ اور پھیلاتے ہوئے اس کے دلائل کو ٹھکرا دیتا۔ وہ کہتا کہ مغربی ممالک نے ایک منصفانہ معاشی نظام سے عام انسانوں کی زندگیوں میں بہتری کا اہتمام کر دیا ہے۔ جو لوگ اس نظام میں مناسب طور پر جدوجہد کرتے ہیں وہ عمدہ معیاری زندگیاں گزارتے ہیں۔ لیکن جو کسی وجہ سے جدوجہد نہیں کرتے ایک امدادی نظام ان کی بھی بنیادی ضروریات پوری کرتا ہے۔

آغا عاطف کہتا کہ بظاہر ایسا لگتا ہے لیکن حقیقت میں ایسا نہیں ہے۔ امدادی نظام ایک محدود پیمانے پر ان کی ضروریات پوری کرتا ہے لیکن اگر کوئی نظام کے لئے دوبارہ کارآمد ثابت نہ ہو تو ریس کے ناکارہ گھوڑے کی طرح اسے سماجی دوڑ سے باہر کر دیا جاتا ہے۔ گورباچوف آغا عاطف کے دلائل سنتا تو ٹھنڈی سانس بھر کر کہتا۔۔ "بدقسمتی سے ابھی تک کوئی ایسا سیاسی، سماجی اور معاشی نظام تخلیق نہیں ہُوا جس سے ایک معاشرے کے تمام انسانوں کی سماجی آزادیاں اور معاشی ضروریات کی اس طرح تکمیل ہو کہ تمام انسان مطمئن ہو جائیں۔"

آغا عاطف گورباچوف کو اس طرح کی دلیلوں سے اپنے نقطہ نظر کی وضاحت کرتے دکھائی دیتا تو اس کے جواب میں کہتا: " کیپٹلزم کی کامیابی کا معیار یہ ہے کہ کسی بھی معاشرے میں درمیانی طبقہ باقی طبقات سے پھیلاؤ اور اثر ورسوخ میں زیادہ ہو۔ وسائل کی تقسیم کا ایسا نظام ہو کہ زیادہ سے زیادہ وسائل درمیانے

طبقے کے لوگوں میں مستقل طور پر اس طرح تقسیم ہوتے رہیں کہ ان کی زندگی آسودگی سے چلتی رہے۔ نچلا طبقہ نہ ہونے کے برابر ہو۔ اگر ہو تو ان کی زندگی کی بنیادی ضرورتیں احسن طریقے سے پوری ہوتی رہیں۔ اوپر والا طبقہ بھی نہ ہونے کے برابر ہو۔ اور اسے یہ اندیشہ نہ ہو کہ ان کے خلاف طبقاتی جدوجہد شروع ہو جائے گی جس میں ان کی املاک اور زندگیاں خطرات سے دوچار نہ ہوں۔ لیکن کیپٹل ازم کی اندرونی خرابیوں کی وجہ سے اس نظام کے لیے ایسا معاشی توازن قائم رکھنا ممکن نہیں رہتا۔ چنانچہ جب کسی کیپٹلسٹ معاشرے میں طبقات کا یہ توازن بگڑنے لگتا ہے تو اس میں دراڑیں پڑنے لگتی ہیں۔ جتنا زیادہ یہ توازن بگڑتا ہے سماج بیمار سے بیمار تر ہوتا جاتا ہے۔ اس کے اندرونی تضادات شدید سے شدید تر ہوتے جاتے ہیں۔ اور لوگوں میں بے چینی اور عدم استحکام بڑھنے لگتے ہیں۔

کیپٹل ازم کے برعکس کمیونزم کا ہدف طبقات کا مکمل خاتمہ اور ہر انسان کو اس کی ضرورت کے مطابق زندگی کے وسائل کی فراہمی لازمی ہوتی ہے۔

ان معیاروں پر اگر آج کے کیپٹلسٹ اور کمیونسٹ سماجوں کا جائزہ لیا جائے تو دونوں میں مسائل پیدا ہو رہے ہیں۔ کیپٹلسٹ سماجوں میں غربت بڑھ رہی ہے۔ درمیانہ طبقہ سکڑتا جا رہا ہے۔ اوپر والے طبقات نے نہ صرف کارپوریشنوں کی تخلیق کے ذریعے اپنے ممالک کے وسائل پر قبضہ کر لیا ہے بلکہ وہ اب جغرافیائی حدود سے آزاد ہو کر پوری دنیا کے وسائل پر قبضہ جما رہے ہیں۔ کارپوریشنیں وہ بے رحم معاشی مشینیں ہیں جن کے ذریعے کیپٹلسٹ ممالک کے سرمایہ دار دنیا بھر کے وسائل پر قابض ہو رہے ہیں۔ انہوں نے انسانی غلامی کی زنجیریں اتنی پھیلا دی ہیں کہ ایک سرمایہ دار امریکہ میں اپنے گھر میں بیٹھا ایک کارپوریشن کے ذریعے ہندوستان اور چین میں رہنے والے کروڑوں انسانوں کو غلام بنا سکتا ہے۔

سوویت یونین کی بقا ان بین الاقوامی غلامی کی زنجیروں کو بے اثر کرنے اور توڑنے میں ہے۔ لیکن اگر سوویت یونین خود ایسی ڈگر پر چل پڑا جس سے سوویت شہری بھی ان کارپوریشنوں کے غلام بن گئے تو سوویت یونین تادیر زندہ نہیں رہ سکے گا۔"

گوربا چوف کا مکالمہ اب تک سوویت یونین کے اندرونی مسائل تک محدود تھا۔ اس نے کبھی کارپوریشنوں کے بین الاقوامی کردار کے حوالے سے آغا عاطف سے گفتگو نہیں کی تھی۔ بلکہ گورباچوف کا خیال تھا کہ سوویت یونین بھی اپنے شہریوں کے لیے معاشی خوشحالی کا ایک ایسا سراب کھڑا کر سکتا ہے جیسا مغربی ممالک نے کر رکھا ہے۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ خوشحالی کا یہ سراب انسانوں کو ان کے انسانی شرف سے اس طرح محروم کر دیتا ہے کہ وہ چاہے نہ چاہے جانوروں کی طرح زندگی گزارنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔

بین الاقوامی دوروں کے دوران گورباچوف اپنا سارا سفری وقت ایسے معاملات کی تفہیم کے لئے آغا عاطف کے لیے وقف کر دیتا۔

آغا عاطف نے اپنے کالج کے زمانے میں کمیونزم کے حوالے سے جتنے اسٹڈی سرکل اٹینڈ کئے تھے، وہاں پر جتنی باتیں سیکھی تھیں، وہ گورباچوف کے ساتھ اپنی گفتگو میں سب انڈیل دیتا۔ آغا عاطف ایسے کلچر سے آیا تھا جہاں ابھی اندرونی اور بیرونی سامراجی مظاہر کے خلاف جدوجہد چل رہی تھی جبکہ سوویت یونین کے اندر یہ جدوجہد ختم ہو چکی تھی اور اب اس کا مقابلہ فقط بین الاقوامی استعمار کے ساتھ تھا۔ چنانچہ سوویت یونین کے اندرونی مسائل ان ممالک سے مختلف تھے جہاں ابھی انقلاب برپا نہیں ہوا تھا لیکن بیرونی مسائل سب کے ایک جیسے تھے۔ سوویت یونین براہ راست بین الاقوامی سامراج کا ہدف تھا۔ سامراجی ممالک سوویت یونین کے خلاف ہر وہ حربہ استعمال کر رہے تھے جس سے اُسے اندرونی طور پر غیر مستحکم کیا جائے اور بیرونی طور پر اس کے اثر و رسوخ کو کم سے کم تر کیا جائے۔ گورباچوف کی کُھلے پن اور تعمیر نو پر مبنی پالیسیوں نے سامراجی ممالک کو موقع فراہم کیا تھا کہ وہ سوویت یونین پر آخری کاری ضرب لگائیں اور اس کا خاتمہ کر دیں۔

بدقسمتی سے گورباچوف فکری طور پر سامراجی ممالک کے ان ہتھکنڈوں کو سمجھنے کی صلاحیت سے عاری تھا۔ ان دوروں کے دوران آغا عاطف نے پوری کوشش کی کہ گورباچوف کو ان ہتھکنڈوں سے آگاہ

کرے لیکن گورباچوف کوئی ایسے منطقی دلائل سننے کے لیے تیار نہیں تھا جن سے اس پر مغربی ممالک کی بدنیتی آشکار ہوتی۔

گورباچوف کے ساتھ اپنی اس قسم کی گفتگو میں آغا عاطف کو الیونا بہت یاد آتی۔ جب تک اسے الیونا کی راہنمائی حاصل تھی وہ باآسانی اپنے دلائل روسی ثقافتی ساختیات میں ڈھال لیتا تھا۔ اس کے خاموش ہو جانے کے بعد اسے نہ صرف ایسے مسائل پر میٹریل ڈھونڈنا پڑتا تھا بلکہ اس کو مناسب سیاق و سباق میں ڈالنے کے لیے خاصی جدوجہد کرنا پڑتی تھی۔ یہ ایک ایسا پہلو تھا جہاں کترینا بھی اس کی زیادہ مدد نہیں کر سکتی تھی۔

یو کے کے دورے سے واپسی پر آغا عاطف نے آخری بار کوشش کی کہ وہ گورباچوف کو سمجھائے کہ وہ یورپی اقوام کے ساتھ بلا مقصد اور بے معنی ڈائیلاگ میں الجھنے کی بجائے سوویت یونین کے اندرونی مسائل کے اندرونی حل ڈھونڈے لیکن گورباچوف "کھلے پن" کے نام پر بڑی تیزی کے ساتھ سوویت یونین کو تباہی کے آخری دہانے کے طرف لے جا رہا تھا۔ جس فلسفے میں آغا عاطف کو ابتدا میں سوویت یونین میں بہتری کے عنوان دکھائی دیتے تھے وہی فلسفہ سوویت یونین کو مکمل انتشار کی طرف لے جا رہا تھا۔

گورباچوف اب تک "دوسری آواز" اور "دوسرے نقطہ نظر" کے طور پر آغا عاطف اور الیونا سے ان مسائل پر ڈائیلاگ کر رہا تھا لیکن جب اس نے دیکھا کہ آغا اسے اس کے سوچے سمجھے راستے سے دست بردار ہونے کے لیے کہہ رہا ہے تو اس نے آغا عاطف سے مشاورت کا سلسلہ کم کر دیا لیکن کمیونسٹ پارٹی کے حوالے سے اس کے اور نکولائی کے ساتھ رابطہ برقرار رکھا۔

بگڑتے ہوئے حالات میں اسے کمیونسٹ پارٹی کے اندر نکولائی کی مدد کی جتنی ضرورت آج تھی اس سے پہلے کبھی نہیں تھی۔

خاص طور پر اس کے یو کے اور یو ایس اے کے دورے کے دوران اس کے خلاف بغاوت کے خدوخال واضح ہونے لگے تھے۔ کمیونسٹ پارٹی، کے جی بی، فوج اور نوکر شاہی کے گورباچوف مخالف عناصر میں بغاوت کا وقت، طریقہ کار اور اس مقصد کے لئے اٹھائے جانے والے ضروری اقدامات کی تفاصیل طے ہو چکی تھیں۔

چنانچہ دورے سے واپسی پر اس کی سب سے پہلے ملاقات نکولائی سے ہوئی۔ اس نے گورباچوف کو متوقع بغاوت کے تمام اہم عناصر کی نشاندہی کر دی۔

گورباچوف ان عناصر کے نام سن کر حیران و پریشان تھا کہ اتنے اہم کھلاڑیوں کا مقابلہ وہ کس طرح کرے گا۔ ایک طرف بالٹک ریاستیں سوویت یونین سے علیحدگی کا اعلان کر رہی تھیں اور دوسری طرف کمیونسٹ پارٹی، کے جی بی، فوج اور نوکر شاہی کے عناصر اس کے خلاف اتحاد کر چکے تھے۔

چنانچہ اس نے فیصلہ کیا کہ وہ اس بغاوت کا سامنا ماسکو کی بجائے ماسکو سے باہر بیٹھ کر کرے گا۔ لیکن اس سے پہلے کہ وہ ماسکو چھوڑتا کے جی بی کے چیئر میں ولادیمیر کرچکوف نے سوویت ٹی وی پر ماسکو میں "آرڈر آف دی ڈے" جاری کیا جس میں اس نے کے جی بی کے افسران کو ہدایت کی کہ وہ ماسکو میں ایمرجنسی کے لیے مناسب اقدامات کریں۔ منصوبے کے مطابق اس کے "آرڈر آف دی ڈے" کی حمایت وزیر دفاع دمتری یازوف، وزیر داخلہ بورس پوگو، وزیر اعظم ویلنٹائین پاولو، نائب صدر گنادی ونائیو، ڈیفنس کونسل کے چیف اولگی بخلانوف اور کمیونسٹ پارٹی کی سنٹرل کمیٹی کے سیکرٹری اولگی شینن نے بھی کر دی۔

گورباچوف کے "کُھلے پن" اور "تعمیرِ نو" کے فلسفے کے خلاف انہوں نے اپنا ایک مینی فیسٹو جاری کیا جس کا ٹائٹل تھا "سوویت یونین سوویت شہریوں کے لیے۔"

ان کا خیال تھا کہ گورباچوف ان کے نقطہ نظر کی حمایت کرتے ہوئے ان کے ایمر جنسی کے پلان کی حمایت کرے گا اور وہ ایمر جنسی کی آڑ میں اسے اقتدار سے الگ کر کے اس کی اصلاحات کا خاتمہ کر دیں گے اور اس طرح سوویت یونین کو گورباچوف کے راستے پر جانے سے روک دیں گے۔

آغا عاطف بھی دوروں کے دوران گورباچوف سے کچھ مایوس لوٹا تھا۔ اس نے نکولائی کو صاف بتا دیا تھا کہ اگرچہ آج تک اس نے گورباچوف کی حمایت کی تھی۔ اسے مناسب مشورے دیئے تھے۔ لیکن جس طرح وہ سوویت یونین کو مغربی ممالک کی محبت میں مکمل تباہی کی طرف لے جا رہا تھا اس سے وہ اتفاق نہیں کرتا۔

نکولائی نے آغا عاطف کے خیالات میں تبدیلی دیکھی تو اس نے بھی گورباچوف سے مزید تعاون میں احتیاط شروع کر دی۔

وہ جانتے تھے کہ اب کھیل ان کی سطح سے اوپر اٹھ چکا ہے اور ان حالات میں وہ کوئی اہم کردار ادا نہیں کر سکیں گے۔ چنانچہ اب وہ دونوں باہر بیٹھے گورباچوف کے اگلے اقدامات کا جائزہ لے رہے تھے۔

فصل 40

کے جی بی کا چیئر مین ولادیمیر کرچکوف گورباچوف کے گرد گھیرا تنگ کر رہا تھا۔ اس نے بڑی ہوشیاری کے ساتھ ماسکو میں ایمر جنسی لگا کر گورباچوف کا تختہ الٹنے کی کوشش کی لیکن گورباچوف نے اس کے پلان کے مطابق ایمر جنسی کی حمایت کرنے سے انکار کر دیا۔

آغا عاطف کو اس بات کا کے جی بی کے میجر کریمانوف سے پتہ چلا۔ ایک دن وہ پراودہ میں اپنے دفتر سے نکل رہا تھا کہ اس کی نظر سڑک پر چلتے کریمانوف پر پڑی۔

کریمانوف نے اسے بتایا کہ وہ اسے ملنے آ رہا تھا۔ کے جی بی کا چیئر مین ولادیمیر کرچکوف اس سے ملنا چاہتا ہے۔ وہ ذاتی طور پر اس کا شکریہ ادا کرنا چاہتا ہے۔

آغا عاطف نے پوچھا کہ اس نے کونسا ایسا معرکہ مارا ہے جس کی وجہ سے کے جی بی کے چیئر مین مسٹر ولادیمیر کرچکوف نے اسے یاد کیا ہے۔

"گزشتہ کچھ عرصہ سے تم گورباچوف کے بہت قریب چلے آ رہے ہو۔ تم اُس کے ساتھ غیر ملکی دوروں پر بھی گئے ہو۔ اُس کی ساتھ تمہاری بات چیت بھی چلتی رہتی ہے۔ ولادیمیر تم سے گورباچوف کے بارے میں گفتگو کرنا چاہتا ہے۔ میں نے کہا تھا کہ اُس کے سوالوں کے جواب میں تم سے پوچھ کر اسے بتا سکتا ہوں۔ لیکن وہ تم سے ذاتی طور پر ملنے میں دلچسپی رکھتا ہے۔"

آغا عاطف نے میجر کریمانوف سے کے جی بی کے چیئر مین سے ملاقات کی خبر سنی تو اُسے کچھ تشویش ہوئی۔ اُسے خوب اندازہ تھا کہ کے جی بی کا چیئر مین گورباچوف کے خلاف سازش کرنے والوں کا سرغنہ ہے۔ وہ کسی سازش کا حصہ نہیں بننا چاہتا تھا۔ نہ گورباچوف کے خلاف نہ کسی اور کے خلاف۔ جب ملک میں اتنی بڑی تبدیلیاں رونما ہونے جا رہی تھیں وہ تخت یا تختے میں سے ایک کا انتخاب کرنے کی بجائے سارے عمل سے الگ رہ کر سلامتی کے ساتھ اس مشکل وقت میں سے گزرنا چاہتا تھا۔ اُسے اپنی فکر نہیں

تھی لیکن اسے کترینا اور لولیس کی فکر ضرور تھی۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کی کسی حماقت سے اس کی بیوی اور بچے کا مستقبل تاریک ہو جائے۔

اس نے کریمانوف سے پوچھا کہ ولادیمیر اُسے کب ملنا چاہتا ہے۔ کریمانوف نے کہا کہ ابھی اور اِسی وقت لیکن اگر اُس کے پاس وقت ہو تو وہ فی الحال اُس کے ساتھ بیٹھ کر واد کا پینا چاہتا ہے۔

آغا گھر جا رہا تھا لیکن میجر کریمانوف کی پیشکش کے بعد اس نے فیصلہ کیا وہ تھوڑی دیر کریمانوف کے ساتھ بیٹھ کر واد کا پیئے گا۔ اسے پتہ تھا کہ میجر کریمانوف واد کا کے چند پیگ چڑھانے کے بعد سب کچھ اگل دیتا ہے۔ چنانچہ وہ ولادیمر سے ملنے سے پہلے اس سے زیادہ سے زیادہ انفارمیشن حاصل کرنا چاہتا تھا۔ تاکہ اس سے ملاقات میں وہ اپنی گفتگو کا فوکس ٹھیک رکھ سکے۔

وہ دونوں تیز تیز قدم اٹھاتے پاس ہی واقع ایک کیفے میں داخل ہو گئے۔ کیفے کی ویٹر نے دونوں کو دروازے پر خوش آمدید کہا۔

وہ دونوں ویٹر کو واد کا لانے کا کہہ کر ایک کونے میں جا کر بیٹھ گئے۔ ٹیبل پر بیٹھتے ہی میجر کریمانوف نے پہلے الیونا کے بارے میں پوچھا۔ آغا نے اسے بتایا کہ اس کی طبعیت ٹھیک نہیں رہتی۔ وہ سارا دن وھیل چیئر پر چپ چاپ بیٹھی رہتی ہے۔ میکسم گورکی کا ناول "ماں" اب بھی اس کے سامنے رکھا رہتا ہے۔ وہ کسی کو ناول کو ہاتھ نہیں لگانے دیتی۔ کبھی کبھی ناول کھول کر اپنے ہاتھوں میں تھام لیتی ہے لیکن صاف پتہ چلتا ہے کہ پڑھنے کی بجائے محض پڑھنے کا بہانہ کر رہی ہے۔

"کیا اس کا کوئی علاج معالجہ چل رہا ہے؟" میجر کریمانوف نے پوچھا۔

"ہاں۔ گورباچوف نے منسٹری آف ہیلتھ کو کہہ کر ڈاکٹروں کا ایک پینل بنوایا تھا لیکن سب کا خیال تھا کہ اس کے ذہن کو کوئی سخت صدمہ پہنچا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اس کا وقتی علاج سکون آور دواؤں کا استعمال ہے۔ لیکن مستقل علاج ممکن نہیں۔ سکون آور دواؤں سے اس کا ذہن مزید ماؤف ہو گا۔ اس لیے سب کا مشورہ تھا کہ اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا جائے۔"

میجر کریمانوف نے الیونا کی حالت پر افسوس کا اظہار کیا۔ پھر کہنے لگا: " آج کل گورباچوف کے ساتھ اس کی ملاقاتوں کا سلسلہ کیسا چل رہا ہے؟"

آغا نے اسے بتایا کہ غیر ملکی دوروں سے واپسی کے بعد گورباچوف خاصہ مصروف ہو چکا ہے۔ بگڑتی ہوئی صورت حال نے اس سے ذاتی سرگرمیوں کا وقت چھین لیا ہے۔

انہی باتوں میں ویٹر واد کا لے آئی۔ آغا نے واد کا پیگ میں ڈالی اور آہستہ آہستہ پینا شروع کی۔ لیکن میجر کریمانوف نے بوتل منہ کو لگائی اور ایک ہی گھونٹ میں آدھی بوتل اپنے حلق میں انڈیل لی۔ چند منٹوں بعد باقی آدھی بوتل بھی اسی انداز میں اپنے حلق میں انڈیلی اور ویٹر کو مزید شراب لانے کے لیے کہا۔

ایک بوتل نے میجر کریمانوف کو اتنا ٹن کر دیا کہ اس نے ساری بات آغا عاطف کے سامنے کھول دی۔ اس نے آغا عاطف کو بتایا کہ " ولادیمیر گذشتہ کئی ماہ سے گورباچوف کی سرگرمیوں پر نظر رکھے ہوئے ہے۔ وہ ملک کے اندر رہو یا باہر وہ اس کی تمام ملاقاتوں، باتوں اور حرکتوں کی تفصیل جانتا ہے۔ اسے یہ بھی پتہ ہے کہ تمہاری اور نکولائی کی اس سے کیا گفتگو ہوتی ہے۔ وہ تم سے بہت خوش ہے۔ وہ جانتا ہے کہ تم نے گورباچوف کو سیدھی راہ پر قائم رکھنے کی کتنی کوشش کی ہے۔ لیکن وہ نکولائی سے ناخوش ہے۔"

آغا عاطف نے لوہا گرم دیکھتے ہوئے ایک اور چوٹ لگائی: "لیکن ولادیمیر کو یہ ساری اطلاعات کہاں سے ملتی ہیں؟"

"اطلاعات کہاں سے ملتی ہیں؟ گورباچوف کی ہر چیز بگ کی گئی ہے۔ اس کا گھر، گاڑی، دفتر یہاں تک کہ اس کے سب جوتے بھی بگ کئے گئے ہیں۔ وہ جہاں جاتا ہے۔ جس سے بات کرتا ہے۔ اس کی اطلاع کے جی بی آفس میں ریکارڈ ہوتی رہتی ہے۔ اس کے علاوہ اس کے گھر اور دفتر میں اس کا سارا عملہ کے جی بی کے لیے کام کرتا ہے۔ چنانچہ وہ کسی سے کوئی بات نہیں کر سکتا جس کی کے جی بی کو اطلاع نہ ہو۔"

آغا عاطف حیرت سے میجر کریمانوف کی باتیں سن رہا تھا۔ پھر اس نے اسے نکولائی کے بارے میں پوچھا: "نکولائی نے کیا کیا ہے جس سے ولادیمیر ناخوش ہے۔"

"نکولائی نے گورباچوف کو کمیونسٹ پارٹی میں اس کے پالیسی مخالفین کے نام فراہم کیئے ہیں۔ اسے بتایا ہے کہ کون کیا کرنا چاہتا ہے یا کرنے جارہا ہے۔"

اسی دوران ویٹر وادکا کی دوسری بوتل بھی لے آئی۔ میجر کریمانوف نے وہ بوتل بھی پہلے کی طرح اپنے حلق میں انڈیل لی۔ دوسری بوتل کے بعد میجر کریمانوف کی حالت غیر ہوگئی۔ سیدھی گفتگو کرنے کی بجائے وہ آئیں بائیں شائیں کرنے لگا۔ اس کے الفاظ بے ربط اور جملے بے ترتیب ہو گئے۔ آغا نے بہتر سمجھا کہ اس سے جان چھڑائے اور گھر جائے۔ چنانچہ اس نے میجر کریمانوف سے یہ کہہ کر اجازت لی کہ وہ کل کسی وقت کے جی بی کے چیئرمین سے ملاقات کے لئے اس کے دفتر جائے گا۔ پھر وہ اسے اسی حالت میں چھوڑ کر گھر کی طرف چل پڑا۔ ویٹر نے میجر کریمانوف کو ڈرنک دیکھا تو ماسکو سوشل سروس کے دفتر کال کر کے اسے اس کے گھر بھجوا دیا۔

آغا عاطف نکولائی کے بارے میں میجر کریمانوف کی گفتگو سن کر پریشان تھا۔ وہ جانتا تھا کہ نکولائی نے گورباچوف کو وہ ساری انفارمیشن فراہم کی تھی۔

کیفے سے نکل کر وہ پیدل چلتا گھر پہنچا تو نکولائی گھر پر موجود تھا۔ وہ لولیس کے ساتھ کھیل رہا تھا۔ اس نے اسے میجر کریمانوف سے اپنی ملاقات کے بارے میں بتایا۔ پھر اس نے اسے بتایا کہ کے جی بی کا چیئرمین ولادیمیر کرچکوف جانتا ہے کہ اس نے گورباچوف کو کمیونسٹ پارٹی میں اس کے مخالف متحرک ممبران کی فہرست فراہم کی ہے۔

نکولائی نے آغا عاطف کی بات سنی تو بغیر پریشان ہوئے اسے جواب دیا کہ وہ اس کی فکر نہ کرے۔ وہ جانتا ہے کہ کیا ہو رہا ہے اور اس کا نتیجہ کب اور کیا نکلے گا۔

آغا نے اسے یہ بھی بتایا کہ ولادیمیر اس سے ملنا چاہتا ہے اور وہ کل اسے ملنے جارہا ہے۔ نکولائی نے اسے چند مشورے دیئے۔

الیونا پاس بیٹھی آغا عاطف اور نکولائی کی گفتگو سن رہی تھی۔ اس نے بغیر ان کی طرف دیکھے چند جملے کہے جن کا کوئی مطلب یا مفہوم نہیں تھا۔

آغا کا دل تڑپ اٹھا لیکن وہ جانتا تھا کہ وہ اس کے لیے کچھ نہیں کر سکتا۔ وہ آغا کے جذبات سے بے خبر اپنی دنیا میں کھوئی رہی۔

کترینا نے آغا سے پوچھا کہ کیا وہ کل اس کے ساتھ کے جی بی کے چیئر مین کے دفتر جا سکتی ہے۔ لیکن آغا نے اسے منع کر دیا۔ اس نے کہا وہ اسے اکیلے ملے گا۔ اس کی باتیں سنے گا۔ جس سوال کا اس کے پاس جواب ہو گا دے گا نہیں ہو گا تو معذرت کر لے گا۔

اس نے پر اعتماد نگاہوں سے آغا کی طرف دیکھا۔ پھر کہنے لگی: "آغا تم اب روسیوں سے زیادہ روسی ہو۔ تم چیزوں کو کئی روسیوں سے بہتر سمجھتے ہو۔"

آغا عاطف نے محبت بھری نظروں سے کترینا کی طرف دیکھا۔ پھر کہنے لگا: "یہ سب تمہاری وجہ سے ہے۔ اگر تم مجھے نہ ملتی تو میں آج بھی کرپال سنگھ کے قرب وجوار میں یونیورسٹی کے کسی اسٹوڈیو میں رہ رہا ہوتا۔ شاید تاحال میری پڑھائی چل رہی ہوتی۔"

کرپال سنگھ کے ذکر پر کترینا کہنے لگی: " عرصہ ہو گیا ہے نہ ہم اس سے ملے ہیں اور نہ وہ ہم سے۔ کسی دن ہمیں اس سے ملنے چلنا چاہیے یا اسے اپنے ہاں بلانا چاہیے۔ ساچن اور سپیتمی سے بھی ملاقات نہیں ہوئی۔ انہوں نے ہمارے لیے کیمپس پر کتنا اچھا فنکشن کیا تھا۔"

آغا عاطف نے کترینا سے اتفاق کیا۔ پھر کہنے لگا: " ذرا سیاسی بادل چھٹ جائیں اور حالات کوئی واضح رخ اختیار کر لیں تو ان سے ضرور ملیں گے۔"

انہی باتوں میں ماسکو میں رات اتر آئی۔ شہر کی ساری سڑکوں پر روشنیاں جل اٹھیں۔ ساشا نے ٹیبل پر ڈنر چن دیا تھا۔ سب باتیں چھوڑ کر میز کے گرد بیٹھ کر ڈنر کھانا شروع ہو گئے۔

فصل 41

اگلے دن آغا عاطف نے تیزی سے اپنے دفتر کا کام نبٹایا اور کے جی بی کے آفس کی طرف چل نکلا۔ وہ چاہتا تھا کہ کے جی بی کے چیئرمین ولادیمیر کرچکوف سے ملاقات کرکے اس سے طلبی کی وجوحات دریافت کرے اور اگر اس کے کچھ سوال ہوں تو ان کا جواب دے کر اس کی تشفی کرے۔

ولادیمیر ابھی تک اپنے دفتر میں تھا۔ اس کی عادت تھی کے وہ رات دیر تک کام کرتا تھا۔ آغا عاطف استقبالیہ کلرک کی معیت میں اس کے دفتر میں داخل ہُوا تو وہ اپنے میز پر جھکا کچھ دستاویزات کا مطالعہ کر رہا تھا۔ استقبالیہ کلرک اسے پہلے ہی آغا عاطف کی آمد کی اطلاع دے چکی تھی۔

چنانچہ اس نے اپنی سیٹ سے اٹھ کر آغا عاطف کو اپنے دفتر میں خوش آمدید کہا: "میں مشکور ہوں کہ میری درخواست پر تم کے جی بی آفس چلے آئے ہو۔"

"یہ اتفاق ہے کہ میری تم سے پہلے ملاقات نہیں ہوئی۔ ورنہ میجر کریمانوف کے ساتھ تو میں اکثر شام کو کسی کیفے میں میں بیٹھ کر واد کا پیتا ہوں۔"

"ہاں۔ لیکن ہم ماسکو میں ہر آدمی کو جانتے ہیں۔ پراودا میں تمہارے تجزیاتی مضامین تو میں بہت شوق سے پڑھتا ہوں۔ تم نے اتنی اچھی روسی لکھنی کہاں سے سیکھی ہے۔"

"یہ میری پیاری بیوی کترینا اور اس کی دادی الیونا کی مہربانیوں کا نتیجہ ہے۔ ورنہ میں تو روسی زبان سے بالکل نابلد تھا۔ بلکہ جب میں ماسکو آیا تھا میرا خیال تھا کہ میں کبھی روسی نہیں سیکھ سکوں گا۔ لیکن ان دونوں نے مل کر میرے لیے روسی لکھنا، پڑھنا اور بولنا آسان بنا دیا۔ اب تو میری شکل و صورت اور روسی لہجے سے اکثر لوگ دھوکہ کھا جاتے ہیں کہ میں پیدائشی روسی باشندہ ہوں۔"

"اچھا آغا اس سے پہلے کہ میں تم سے وہ سوالات کروں جن کے لیے میں نے تمہیں یہاں آنے کی دعوت دی ہے تم بتاؤ تم پینے کے لئے کیا لوگے؟ چائے یا واد کا؟"

"نہیں چائے ٹھیک رہے گی۔" آغا نے بغیر تردد فوراً جواب دیا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ وہ وادکا پی کر کے جی بی کے چیئرمین کے ساتھ سوال وجواب میں مشغول ہو۔

جب تک ولادیمیر کی سیکرٹری نے ان کے لیے کپوں میں چائے انڈیلی وہ دونوں اپنی فارمل گفتگو کا آغاز کر چکے تھے۔ ولادیمیر نے آغا عاطف سے گورباچوف کے ساتھ اس کے یوکے، کینیڈا اور یو ایس اے کے دوروں کے بارے میں پوچھا۔

آغا نے اسے مختصراً یکے بعد دیگرے ان دوروں کی تفصیلات سے آگاہ کیا۔ اس نے اسے بتایا کہ دوروں کے دوران اس کی گورباچوف کے ساتھ زیادہ تر گفتگو جہاز میں ہوتی تھی۔ ان ممالک میں اس کی مصروفیات کی وجہ سے تفصیلی بات کرنے کا موقع کم ملتا تھا۔ لیکن مختصر گفتگو چلتی رہتی تھی۔

ولادیمیر نے آغا عاطف سے پوچھا ان دوروں کے دوران کوئی ایسی غیر معمولی بات جو اس کے نوٹس میں آئی ہو۔ جس پر اسے تعجب ہوا ہو۔ آغا عاطف نے منفی میں سر ہلا دیا۔

ولادیمیر نے کہا: "وہ اس کی فکری صحت کی وجہ سے اس کا بہت مداح ہے۔ وہ جانتا ہے کہ وہ سوویت نظام میں جمود کے خاتمے کا حامی ہے۔ لیکن وہ یہ بھی جانتا ہے کہ وہ یہ خاتمہ سوویت یونین کے خاتمے کی قیمت پر نہیں چاہتا۔ اسی وجہ سے وہ اس سے یہ گفتگو کر رہا ہے۔ جبکہ گورباچوف کے بارے میں اس کا خیال ہے کہ وہ اس جمود کے خاتمے کے لیے سوویت یونین کے خاتمے سے بھی گریز نہیں کرے گا۔"

"ایسی بات نہیں۔ گورباچوف مغربی ممالک میں لوگوں کی سیاسی، سماجی اور معاشی آزادیوں کا بہت مداح ہے۔ لیکن وہ سطحی سوچ کا مالک ہونے کی وجہ سے ان آزادیوں کی تہہ میں چھپی غلامیوں کو دیکھنے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ میں نے کئی بار اس کے ساتھ اپنی گفتگو میں اسے مغربی ممالک کا وہ رخ دکھانے کی کوشش کی ہے لیکن وہ مغرب کا یہ رخ دیکھنے پر آمادہ نہیں ہے۔" آغا عاطف نے ولادیمیر کی بات سن کر جواب دیا۔

"میرے کچھ تجزیہ کاروں کا خیال ہے ۔ گورباچوف شعوری یا غیر شعوری طور پر سی آئی اے کے ایجنڈے پر کام کر رہا ہے۔ لیکن ہمارے پاس اس بات کے شواہد موجود نہیں کہ اس کی کبھی کسی سی آئی اے کے اہل کار سے ملاقات ہوئی ہے۔" ولادیمیر نے بات آگے بڑھائی۔

"میرا نہیں خیال کہ گورباچوف یہ سب کچھ کسی سی آئی اے کے ایجنٹ کے کہنے پر کر رہا ہے۔ ایک بات تو تم بھی مانتے ہو کہ سوویت نظام جمود کا شکار ہے۔ اس جمود کی وجہ سے اس نظام میں کئی سماجی اور معاشی مسائل کھڑے ہو رہے ہیں۔ گورباچوف سنجیدگی کے ساتھ انہیں درست کرنا چاہتا ہے۔ اس کی اپروچ بھی ٹھیک ہے لیکن نظام میں اصلاح کے لیے اس کے ٹُول ٹھیک نہیں۔ میں سمجھتا ہوں سوویت نظام کے مسائل کا حل سوویت نظام کے اندر موجود ہے جبکہ گورباچوف اس کا حل سوویت نظام سے باہر ڈھونڈ رہا ہے۔ اس بات کا اظہار وہ سوویت یونین کے اندر بھی کرتا ہے اور باہر بھی۔ میں نے یوکے، کینیڈا اور امریکہ میں کئی یونیورسٹیوں میں اس کے لیکچر سنے ہیں۔ وہ سوویت یونین کو درپیش مسائل کی تفصیل پیش کرنے کے بعد ہمیشہ اپنے "کھلے پن" اور "تعمیر نو" کی پالیسی کی بات کرتا ہے۔ ان لیکچرز کے بعد سوال اور جواب کے مرحلے پر بھی وہ اپنی انہی پالیسیوں کی وضاحت کرتا ہے۔ جس سے مغربی ممالک کے دانشور خوش ہوتے ہیں۔ نہ جانے وہ اس خوشی کا اظہار سوویت یونین کی بے بسی پر کرتے ہیں یا گورباچوف کی سادہ لوحی پر۔" آغا عاطف نے ولادیمیر کی بات آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

وہ دونوں آمنے سامنے بیٹھے چائے پی رہے تھے اور گفتگو کر رہے تھے۔ دونوں کی نظریں ایک دوسرے کے چہروں پر جمی تھیں۔ وہ مسلسل ایک دوسرے کی آنکھوں میں دیکھ رہے تھے۔ دونوں کو اندازہ تھا کہ اب تک کسی نے دوسرے سے جھوٹ نہیں بولا تھا۔

یہ کوئی تفتیشی ملاقات نہیں تھی۔ آغا عاطف کے سب معاملات کے جی بی کے سامنے تھے۔ وہ بھی کے جی بی کی سرگرمیوں سے اتنا بے خبر نہیں تھا۔ کترینا، نکولائی اور الیونا نے اس کی سوویت سسٹم میں بہت اچھی ٹریننگ کی تھی۔ وہ اس نظام کو کئی روسیوں سے زیادہ بہتر طور پر سمجھتا تھا۔

ولادیمیر کو دلچسپی تھی کہ اسے آغا عاطف سے گورباچوف کے بیرونی دوروں سے کوئی ایسا نقطہ ملے جسے وہ گورباچوف کے خلاف کاروائی میں پبلک کو مطمئن کرنے کے لیے استعمال کر سکے۔ لیکن تا حال آغا عاطف نے ساری گفتگو کے دوران اسے کوئی ایسی بات نہیں بتائی تھی۔ بات بتا تا بھی تو کیا۔ بات تھی بھی کوئی نہیں۔ گورباچوف سوویت یونین کے بارے میں اس طرح نہیں سوچتا تھا جیسے وہ نسل سوچتی تھی جس نے انقلاب میں حصہ لیا تھا۔ اس کے بعد انقلاب کی تعمیر و ترقی اور سوویت یونین کی ساخت اور تعمیر میں براہ راست حصہ لیا تھا۔ گورباچوف کے سوویت یونین کے بارے میں وہ جذبات بھی نہیں تھے۔ اس کے فکری نظام میں ملکوں کے بننے اور ٹوٹنے کی بھی کوئی خاص اہمیت نہیں تھی۔ خاص طور پر اس کے نزدیک سوویت یونین ایک غیر حقیقی ملک تھا۔ اصل ملک روس تھا اور روس کے ٹوٹنے کا کوئی امکان نہیں تھا۔ سوویت یونین ٹوٹ بھی جاتا تو روس اسی طرح قائم رہتا۔ اس کے روس کی نئی ابھرتی ہوئی قیادت کے ساتھ تعلقات بھی ٹھیک تھے۔ بورس یلسن حال ہی میں روس کا صدر منتخب ہوا تھا۔ اس سے پہلے وہ ماسکو کا میئر تھا۔ آغا عاطف کے علاوہ گورباچوف کا بورس یلسن سے بھی ملنا جلنا رہتا تھا۔ بورس یلسن خاصہ رنگین مزاج آدمی تھا۔ لیکن اس میں سیاسی سوجھ بوجھ بہت تھی۔ گورباچوف متوقع بغاوت کے بارے میں بورس یلسن سے مسلسل مشورہ کر رہا تھا۔

ولادیمیر کے سوالوں کا جواب دیتے ہوئے آغا نے کوئی ایسی بات نہیں کہی تھی جس سے ولادیمیر کا اس سے ملاقات کا مقصد پورا ہوتا۔ چنانچہ اس نے اپنی گفتگو کا رخ نکولائی کی طرف موڑ دیا۔

"ہمیں پتہ ہے کہ تم نے گورباچوف سے فاصلہ پیدا کر لیا ہے۔ لیکن نکولائی اب بھی گورباچوف سے مکمل رابطے میں ہے۔ اس نے گورباچوف کو کمیونسٹ پارٹی کے ان تمام ممبران کی فہرست فراہم کی ہے جو گورباچوف کے "کھلے پن" اور "تعمیر نو" کی پالیسی سے اتفاق نہیں رکھتے۔"

"گورباچوف کمیونسٹ پارٹی کا جنرل سیکرٹری ہے۔ جبکہ نکولائی کمیونسٹ پارٹی کا پراپیگنڈہ سیکرٹری ہے۔ اب اگر اسے پارٹی کا جنرل سیکرٹری کسی کام کے بارے میں کہتا ہے تو آئینی اور قانونی طور پر وہ پابند ہے کہ وہ اس کے احکامات پر عمل کرے۔ اس نے کوئی کام پارٹی میں متعین طریقہ کار سے ہٹ کر نہیں کیا۔"

"لیکن اس نے اُسے کچھ ملٹری جرنیلوں اور کے جی بی کے اہلکاروں کی فہرست بھی فراہم کی ہے۔ اگر اسے ایسا کرنا ہی تھا تو اسے چاہیے تھا وہ پہلے ہم سے مشورہ کرتا۔" ولادیمیر نے اپنے سوال میں مزید پیچیدگی پیدا کرتے ہوئے کہا۔

"گورباچوف نے اسے جنرل سیکرٹری کی حیثیت سے حکم دیا تھا کہ وہ اپنے "کھلے پن" اور "تعمیرنو" کے فلسفے کے حامیوں اور مخالفین کی فہرست پیش کرے۔ پراپیگنڈہ سیکرٹری کی حیثیت سے اسے ایسے ریکارڈ تک دسترس حاصل ہے۔ چنانچہ اس نے کمیونسٹ پارٹی کے جنرل سیکرٹری کے احکامات کی بجا آوری کرتے ہوئے اسے دیانت داری کے ساتھ ہر ایک کا ریکارڈ پیش کیا۔" آغا عاطف نے نکولائی کے اقدامات کا دفاع کرنے کی کوشش کی۔

ولادیمیر نے ان سوالوں کے دوران آغا عاطف پر یہ ظاہر نہ ہونے دیا کہ وہ بغاوت کے حوالے سے بنائے گئے منصوبے کی روشنی میں اس سے یہ سب سوالات کر رہا ہے۔

آغا عاطف نے بھی جواب دیتے ہوئے اُسے احساس نہ ہونے دیا کہ نہ صرف نکولائی اور اسے بلکہ گورباچوف کو بھی پتہ ہے کہ اُس کے خلاف کمیونسٹ پارٹی، ملٹری اور کے جی بی کے کچھ کارندے مل کر بغاوت کرنے جارہے ہیں اور وہ اس بغاوت سے نبرد آزما ہونے کے لیے متقابل منصوبہ بندی کر رہا ہے۔

ولادیمیر نے پھر گفتگو کو ایک نیا رخ دیا: "ہم خوش ہیں کہ آغا عاطف نے گورباچوف سے فاصلہ پیدا کر لیا ہے۔ ہماری خواہش ہے کہ نکولائی بھی گورباچوف سے فاصلے پر رہے تو بہتر ہے۔ ورنہ اس کے لیے دشواریاں پیدا ہو سکتی ہیں۔"

"نکولائی ماسکو میں پیدا ہوا تھا، ماسکو میں اس کی پرورش ہوئی ہے، ماسکو میں اس نے تعلیم حاصل کی ہے اور ماسکو ہی میں اس کا سارا سیاسی عمل شروع سے اب تک جاری رہا ہے۔ اس کی زندگی کا کوئی گوشہ کسی کی نظروں سے اوجھل نہیں۔ چنانچہ اس کے لیے دشواریوں کے پیدا ہونے کی گفتگو کرنا کچھ مناسب دکھائی نہیں دیتا۔" آغا عاطف نے اپنے برادرِ نسبتی کا دفاع کرنے کی کوشش کی۔

"تمہارا نقطہ بہت اہم ہے۔ لیکن سوویت مفاد کا تعین ہم کرتے ہیں۔ اگر ہمیں کسی جگہ سوویت مفاد خطرے میں دکھائی دے تو ہماری ذمہ داری بنتی ہے کہ ہم حرکت میں آئیں۔ لہذا میری فی الحال تمہارے توسط سے نکولائی سے درخواست ہے کہ وہ بھی اگر گورباچوف سے مناسب فاصلے پر رہے تو اس کے لیے بہتر ہے۔ سوویت یونین میں جس تیزی کے ساتھ تبدیلیاں رونما ہو رہی ہیں۔ اگر کوئی ان تبدیلیوں میں شامل ہونا چاہے تو اسے ہوشیاری کے ساتھ صحیح سائیڈ کا انتخاب کرنا چاہیے۔"

آخر ولادیمیر نے وہ بات کہہ دی جو وہ چاہتا تھا کہ آغا عاطف کے توسط سے نکولائی تک پہنچائی جائے۔ آغا عاطف جانتا تھا کہ ولادیمیر کیا کہہ رہا ہے۔

اس نے کہا: "نکولائی بھی گورباچوف سے اتنا ہی مایوس ہے جتنا وہ خود۔ چنانچہ اسے اس سے فاصلے پیدا کرنے کے لئے کسی پیغام کی ضرورت نہیں۔"

ولادیمیر نے آغا عاطف کا جواب سن کر اس کا ملاقات کے لیے آنے کا شکریہ ادا کیا۔ اس نے کہا کہ اسے اس سے مل کر بہت خوشی ہوئی ہے۔ اس نے امید کی کہ کسی دن وہ بھی پراودا میں آغا کے دفتر رکے گا۔ اور پھر وہ مل کر کسی کیفے میں بیٹھ کر واد کا پئیں گے۔

ملاقات ختم ہوئی تو آغا نے اطمینان کا سانس لیا اور کے جی بی کے چیئرمین ولادیمیر کرچکوف کا شکریہ ادا کر کے اس کے دفتر سے باہر نکل آیا۔

کرچکوف سے ملاقات سے اسے اندازہ ہوا کہ گورباچوف کے بغاوت کے بارے میں خدشات اتنے بھی بے بنیاد نہیں تھے۔ اس کے ان خدشات کی سچائی کی سرسراہٹ اسے کرچکوف کی گفتگو میں واضح طور پر سنائی دی تھی۔

اسے لگا سوویت یونین ایک نئے بحران کی طرف بڑھ رہا ہے۔ ایک ایسا بحران جس کا نتیجہ کچھ بھی نکل سکتا ہے۔

فصل 42

ماسکو میں برف باری شروع ہو چکی تھی۔ ساری عمارتیں، درخت اور سڑکیں برف سے سفید ہو رہی تھیں۔ ولادیمیر کرچکوف مستقل گورباچوف پر نظر رکھے ہوئے تھا۔ سب کو اندازہ تھا کہ گورباچوف کے خلاف بغاوت ہونے جارہی ہے لیکن اس کے وقت کا کسی کو کوئی اندازہ نہیں تھا۔

بورس یلسن نے گورباچوف کو یقین دلایا تھا کہ اگر اس کے خلاف بغاوت ہوئی تو وہ اس کی پوری مدد کرے گا۔ ان حالات میں جب کہ سوویت فوج کے ماسکو میں متعین جنرل، کے جی بی کی قیادت اور کمیونسٹ پارٹی کے کٹر کمیونسٹ ارکان گورباچوف کے خلاف ہو چکے تھے اس نے بہتر جانا کہ ماسکو سے باہر چلا جائے اور دور بیٹھ کر باغیوں کی سازشوں کو ناکام بنائے۔

آغا عاطف اور نکولائی سے گورباچوف کا کوئی رابطہ نہیں تھا۔ وہ ان حالات میں اس کی کوئی مدد کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھے۔

اس کو اگر مدد مل سکتی تھی تو بورس یلسن سے کیونکہ اس وقت وہ روس کی ابھرتی ہوئی طاقت تھا۔ پہلے میئر اور پھر صدر کی حیثیت سے اس نے اتنی طاقت جمع کر لی تھی کہ وہ سوویت یونین کے لئے کی جانے والی کسی بھی بغاوت کا مقابلہ کر سکتا تھا۔

بالٹک ریاستوں میں فوجی طاقت استعمال کر کے انہیں اندازہ ہو گیا تھا کہ طاقت کے زور پر سوویت یونین کو قائم رکھنا ممکن نہیں تھا۔ چنانچہ گورباچوف اور بورس یلسن اس بات پر متفق تھے کہ اگر روس کی سالمیت خطرے میں پڑتی ہے تو بہتر ہو گا کہ سوویت یونین کے خاتمے کا اعلان کر دیا جائے اور روس کو بطور ریاست قائم رکھا جائے۔ لیکن فی الحال اس کا وقت نہیں آیا تھا۔ وہ دونوں چاہتے تھے کہ اگر بغاوت کو دبایا جا سکے تو باغیوں سے نبرد آزما ہونے کے بعد فیصلہ کیا جائے کہ سوویت یونین کو نئی فیڈریشن کی شکل میں قائم رکھنا ہے یا روس کو بچانا ہے۔ لیکن روس بغاوت سے کئی ماہ پہلے حق خود ارادیت کا اعلان کر

چکا تھا۔ چنانچہ روسی قیادت اپنی حدود میں سوویت قوانین کی بجائے اپنے قوانین کے تحت حکومت چلا رہی تھی۔ سوویت یونین کو بچانے کے لیے گورباچوف نے ریفرنڈم کرایا جس میں تمام ریاستوں سے یونین کو فیڈریشن کی شکل میں قائم رکھنے کے بارے میں رائے پوچھی گئی۔ بالٹک ریاستوں نے ریفرنڈم کا بائیکاٹ کیا۔ لیکن باقی ریاستوں نے ریفرنڈم میں عہد کیا کہ وہ فیڈریشن کی شکل میں اکٹھی رہیں گی۔ نئے بندوبست کے تحت فیصلہ کیا گیا کہ فیڈریشن کا ایک صدر ہو گا، ایک خارجہ پالیسی اور مشترکہ فوج ہو گی۔
جن ریاستوں نے ریفرنڈم میں نئی فیڈریشن کے قیام کی منظوری دی انہوں نے فیصلہ کیا کہ وہ کسی ایک تاریخ کو ماسکو میں اکٹھے ہو کر نئے معاہدے پر دستخط کریں گی۔
کے جی بی کا چیئرمین ہم خیال جرنیلوں اور کمیونسٹ پارٹی کے ممبران کے ساتھ بغاوت کے لیے مناسب وقت کا منتظر تھا۔ اس کے خیال میں وہ وقت آ پہنچا تھا۔ اس نے اپنے ساتھیوں کو بتایا اگر نئے معاہدے پر دستخط ہو گئے تو سوویت یونین کا خاتمہ ہو جائے گا اس لیے انہیں آگے بڑھ کر پارلیمنٹ، کمیونسٹ پارٹی اور حساس سرکاری دفاتر پر قبضہ کر لینا چاہیے۔
اس نے کے جی بی کے گیسٹ ہاؤس میں اپنا ہیڈ کوارٹر قائم کیا۔ کے جے بی کے سب ملازموں کی تنخواہ دگنا کر دی۔ سب کی چھٹیاں کینسل کر دیں۔ مخالفوں کو حراست میں لینے کے لیے ڈھائی لاکھ ہتھکڑیاں منگوائیں اور ماسکو کے قریب سب جیلیں خالی کرا لیں تاکہ بغاوت کی مخالفت کرنے والوں کو وہاں بند کیا جا سکے۔
اس انتظام کے بعد ٹینکوں نے کمیونسٹ پارٹی، وائٹ ہاؤس [پارلیمنٹ] اور ریڈ اسکوائر کا گھیراؤ کر لیا۔ سب پیپلز ڈپٹیز کو حراست میں لے لیا گیا۔
ریڈیو اور ٹی وی پر ایک آٹھ رکنی ایمرجنسی کمیٹی کا اعلان کیا گیا۔ گنادی ینانیوف نے کمیٹی کا اعلان کرتے ہوئے گورباچوف کی علالت کی وجہ سے خود کو بطور صدر متعارف کرایا۔

وقتی طور پر چند ایک ضروری اخباروں کو چھوڑ کر سب اخبار بند کر دیئے۔ اسی طرح ضروری ریڈیو اسٹیشنوں اور ٹی وی اسٹیشنوں کو چھوڑ کر سب ریڈیو اور ٹی وی اسٹیشن بند کر دیئے گئے۔

گنادی ینانیوف نے اپنے اعلان میں یہ بھی کہا کہ وہ عام سوویت شہریوں کا احترام بحال کریں گے۔ نئی فیڈریشن کے معاہدے پر عوامی مباحثہ کرائیں گے۔ شہروں اور سڑکوں کو جرائم سے پاک کریں گے۔ کھانے والی اشیا کی کمی کا خاتمہ کریں گے۔ سچی جمہوریت کی داغ بیل ڈالیں گے اور ذاتی کاروبار کی اجازت دیں گے۔

منصوبے کے مطابق گورباچوف بغاوت سے بہت پہلے صحت کی خرابی کا بہانا کر کے کریمیا میں واقع اپنے ڈھاچہ میں قیام پذیر تھا۔ سوویت یونین میں زیادہ تر لوگ اپنی شہری رہائش گاہوں کے علاوہ دیہاتی علاقوں میں تفریحی گھر بناتے ہیں جسے عام روسی زبان میں ڈھاچہ کہا جاتا ہے۔

اُسے باغیوں کے اقدامات کی ہر منٹ کی خبریں مل رہی تھیں۔ باغیوں نے گورباچوف سے ملنے کے لیے ایک چار رکنی وفد بھجوایا تاکہ وہ اس سے استعفیٰ لیکر ان کے اقدامات کی حمایت میں بیان جاری کرائیں۔ لیکن گورباچوف نے ان سے ملنے سے انکار کر دیا۔

چنانچہ اس کمیٹی کے ارکان کریمیا سے ناکام لوٹے۔ گورباچوف کا استعفیٰ سے انکار باغیوں کے لیے ایک بہت بڑا دھچکہ ثابت ہوا۔

منصوبے کے مطابق بورس یلسن گورباچوف کے حامیوں کا ایک بہت بڑا جلوس لیکر وہائٹ ہاؤس اور ریڈ اسکوائر پر قابض ٹینکوں کی طرف بڑھے۔ وہائٹ ہاؤس اور ریڈ اسکوائر میں کھڑے ٹینکوں کے ڈرائیوروں نے لوگوں کا جم غفیر اپنی طرف بڑھتے دیکھا تو انہوں نے ٹینک ان پر چڑھانے کی کوشش کی لیکن بورس یلسن کے حامی ٹینکوں پر چڑھ گئے۔

بورس یلسن اپنے حامیوں سمیت وہائٹ ہاؤس [پارلیمنٹ] کی بلڈنگ میں داخل ہُوا۔ وہاں جا کر اُس نے اعلان کیا کہ موجودہ بغاوت غیر آئینی اور غیر قانونی ہے۔ اس نے عوام سے درخواست کی کہ وہ بڑی

تعداد میں باہر نکلیں۔ اس نے مطالبہ کی کہ گورباچوف کو سٹیٹ ٹی وی پر عوام سے خطاب کی اجازت دی جائے۔

بورس یلسن کی اپیل کی دستی اشتہاروں کے ذریعے عوام میں بھرپور تشہیر کی گئی۔ جس کے نتیجے میں بڑی تعداد میں لوگوں نے وہائٹ ہاؤس اور ریڈ اسکوائر میں کھڑے ٹینکوں کے گرد حصار کھڑے کر دیئے۔

یہ صورت حال دیکھ کر ٹینکوں کی بٹالین کے انچارج میجر نے گورباچوف کے ساتھ اپنی وفاداری کا اعلان کر دیا۔ اس کے بعد بورس یلسن نے ٹینک پر کھڑے ہو کر عوام سے خطاب کیا۔

بورس یلسن کے خطاب کے مناظر پوری دنیا کے ٹی وی اسٹیشنوں پر دکھائے گئے۔ اگلے دن دنیا بھر کے اخبارات نے اس کی تصویریں اپنے پہلے صفحات پر شائع کیں۔

باغیوں کو اس قدر شدید عوامی رد عمل کی توقع نہیں تھی۔ اس رد عمل کی وجہ سے گنادی ینانیوف نے فوراً پریس کانفرنس بلائی۔ پریس کانفرنس میں اس نے ایمرجنسی کا دوبارہ اعادہ کیا۔ اس نے پریس کو بتایا کہ گورباچوف کئی برسوں کی محنت سے سخت تھک چکا ہے۔ اُسے آرام کی شدید ضرورت ہے۔ جیسے ہی اُس کی صحت اجازت دے گی وہ عوام سے خطاب کرے گا۔

جس وقت گنادی ینانیوف پریس کانفرنس سے خطاب کر رہا تھا۔ اُس کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔ اُس کے الفاظ اُس کا ساتھ نہیں دے رہے تھے۔

آغا عاطف اس پریس کانفرنس میں بیٹھا گنادی ینانیوف کا بیان سُن رہا تھا۔ اس کے کانپتے ہاتھوں، لرزتے بدن اور بے ربط الفاظ سے اُسے واضح طور پر دکھائی دے رہا تھا کہ گورباچوف کے خلاف ان کی بغاوت ناکام ہو چکی ہے اور وہ اسے کامیاب بنانے کی آخری کوشش کر رہے ہیں۔

بورس یلسن کی قیادت میں پارلیمنٹ کے ممبروں نے وہائٹ ہاؤس [پارلیمنٹ] پر قبضہ کر لیا۔ اس دوران ٹینکوں کے انچارج میجر نے رات کی تاریکی کا فائدہ اٹھا کر ریڈ اسکوائر اور وہائٹ ہاؤس سے ٹینک غائب کر دیئے۔

لیکن آغا عاطف کے خیال کے برعکس ابھی بغاوت کا آخری مرحلہ شروع نہیں ہُوا تھا۔ ابھی ولادیمیر کرچکوف کے ترکش میں کئی تیر باقی تھے۔ وہ ان کو آزمائے بغیر بغاوت کے خاتمے کا اعلان نہیں کرنا چاہتا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ ایسے وقت میں ہتھیار ڈالنے کا کیا مطلب تھا۔

چنانچہ اس نے اپنے حامی جنرلوں کے ساتھ مل کر وہائٹ ہاؤس [پارلیمنٹ] پر حملہ کرنے کا منصوبہ بنایا۔ اس مقصد کے لیے انہوں نے ماسکو میں کرفیو کے نفاذ کا اعلان کر دیا تاکہ لوگ حملے کے وقت ان کے راستے کی دیوار نہ بنیں۔ لیکن لوگ مسلسل وہائٹ ہاؤس [پارلیمنٹ] کے قرب وجوار میں موجود رہے۔ اُنہوں نے کرفیو کے باوجود وہاں سے جانے سے انکار کر دیا۔ چند فوجی جنرلوں نے لوگوں کو وہاں سے ہٹانے کی کوشش کی لیکن انہیں جلد اندازہ ہوگیا کہ لوگوں کو وہاں سے ہٹانے کے لئے انہیں بہت سا خون بہانا پڑے گا۔

رات کے وقت ٹینکوں کی ایک اور ڈویژن نے ماسکو میں داخلے کی کوشش کی لیکن عوام نے صفائی کرنے والی گاڑیاں کھڑی کر کے اُن کا راستہ روک دیا۔ بعد میں لوگوں نے ٹینکوں کو آگ لگا دی۔ ٹینک رجمنٹ نے ان پر گولیاں چلائیں جس کے نتیجے میں کئی لوگ مارے گئے لیکن انہوں نے ٹینکوں کی شہر میں داخلے کی سب کوششیں ناکام بنا دیں۔

باغیوں نے یہ صورت حال دیکھی تو وہ سارے وزارت دفاع میں اکٹھے ہوئے۔ ان کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کیا کریں۔

کافی دیر تک مشورہ کرنے کے بعد انہوں نے ایک اور وفد کریمیا بھیجا تاکہ گورباچوف سے معاملات طے کر سکیں۔ اس وفد میں خود کے جی بی کا چیئرمین ولادیمیر کرچکوف بھی شامل تھا۔ لیکن گورباچوف نے انہیں بھی ملنے سے انکار کر دیا۔

وفد کی ناکامی کے بعد گورباچوف کے ڈھانچہ کے ماسکو کے ساتھ سارے رابطے بحال کر دیئے گئے۔ اُس نے سب باغیوں کو ان کے سرکاری عہدوں سے معزول کر دیا۔ وہیں سے اُس نے پراسیکیوٹر جنرل کو حکم دیا کہ وہ باغیوں کے خلاف تحقیقات کرے اور ان کے خلاف مقدمات قائم کرے۔

اُن میں سے کئی ایک گرفتار ہوئے اور کئی ایک نے گرفتاری کے خوف سے خودکشی کرلی۔ اس طرح سوویت یونین کو بچانے کے نام پر کی گئی بغاوت ناکام ہوگئی۔ اور گورباچوف آخری معرکے کے لیے کریمیا میں واقع اپنے ڈھانچے سے واپس ماسکو چلا آیا۔

فصل 43

گورباچوف کے خلاف بغاوت ختم ہوئی لیکن ساتھ ہی سوویت یونین کے خاتمے کی تقریبات کا آغاز بھی ہو گیا۔ گورباچوف نے معاملات کو کنٹرول کرنے کے لئے کیبنٹ آف منسٹرز کی جگہ ایک نئی کمیٹی بنائی۔ اپنے وفادار وزیر اعظم ایوان سلاو کو اس کمیٹی کا سربراہ بنایا لیکن پانی اتنی تیزی سے پلوں کے نیچے سے بہہ رہا تھا کہ کوئی چیز کسی کے کنٹرول میں نہیں تھی۔

جس دن گورباچوف نے نئی کمیٹی تشکیل دی اُسی دن یوکرین نے آزادی کا اعلان کر دیا۔ ساتھ ہی یوکرین کے لیڈر نے اعلان کیا کہ آزادی کے اعلان کی عوامی تائید کے لیے وہاں ریفرنڈم کرایا جائے گا۔ یوکرین کی آزادی کے اعلان نامے کی صدا باقی ممبر ریاستوں میں بھی گونجنے لگی۔ چنانچہ یوکرین کے اعلان آزادی کے اگلے ہی روز مالدووا نے بھی آزادی کا اعلان کر دیا۔ مالدووا کے بعد تاجکستان، ترکمانستان، آرمینیا، اسٹونیا، لٹویا اور لتھوانیا نے بھی آزادی کا اعلان کر دیا۔

اس طرح 1917 کے انقلاب کے بعد جو ریاستیں سوویت یونین میں شامل ہوئیں ایک ایک کر کے سوویت یونین سے الگ ہو گئیں۔

جن ریاستوں نے فیڈریشن کی صورت میں اکٹھے رہنے کا عہد کیا وہ بھی کوشش کے باوجود معاہدے پر دستخط کرنے کے لیے ایک جگہ جمع نہ ہو سکیں۔

آغا عاطف، نکولائی اور کترینا اس صورت حال پر بہت دل گرفتہ تھے۔ نکولائی اور کترینا خالص سوویت شہری تھے۔ سوویت یونین ان کا ملک تھا۔ انہیں سوویت یونین سے محبت تھی۔ آغا عاطف پاکستان سے آیا تھا۔ ایک ایسے ملک سے جہاں بائیں بازو سے تعلق رکھنے والے نوجوان سوویت یونین کو ایک آئیڈیل سمجھتے تھے۔ ماسکو آنے تک آغا عاطف کی بائیں بازو کے نوجوانوں کے ساتھ دوستیاں تھیں۔ بیشتر

معاملات پر اسے ان کے نقطہ نظر سے اتفاق تھا۔ ماسکو آنے کے بعد اس کے دل میں بھی سوویت یونین کے لیے خیر سگالی کے جذبات پیدا ہو چکے تھے اور وہ اسے ہر قیمت پر قائم و دائم دیکھنا چاہتا تھا۔

پر اوداس میں اپنے مضامین، کمیونسٹ پارٹی اور پولٹ بیورو کے ممبران سے ملاقاتوں، اور ریاست کے مختلف اداروں کے کارکنوں سے تبادلہ خیال میں وہ ہمیشہ کوشش کرتا کہ سوویت یونین کی سلامتی کے بارے میں اپنے نظریات پیش کرے۔ ایک غیر ملکی ہونے کی وجہ سے اُسے جو حقائق دکھائی دیتے تھے اُن کا اظہار کرے اور اُن کی بنیاد پر سوویت یونین کی سکیورٹی کے متعلق مناسب تجاویز پیش کرے۔

اپنی ان سرگرمیوں کی وجہ سے اُسے ماسکو کے تمام حلقوں میں کافی حد تک رسائی حاصل تھی اور وہ کسی بھی ادارے میں کسی بھی شخص سے مل سکتا تھا۔

گورباچوف سے بھی اُس کے مراسم اِسی وجہ سے قائم ہوئے تھے۔ نکولائی اور کترینا بھی اُس کے ان تعلقات اور سرگرمیوں کو استحسان کی نظروں سے دیکھتے تھے۔ اس ضمن میں اُسے جس قسم کی مدد یا راہنمائی درکار ہوتی وہ اُسے بخوشی فراہم کرتے۔

بد سے بدتر ہوتے حالات سے صرف آغا عاطف ہی نالاں نہیں تھا۔ نکولائی اور کترینا بھی اس صورت حال سے نالاں تھے۔ وہ سب گورباچوف کو کافی حد تک ان حالات کا ذمہ دار سمجھتے تھے۔ اگر گورباچوف "کھلے پن" اور "تعمیرِ نو" کے نام پر سوویت نظام کو دسٹرب نہ کرتا تو شاید سوویت یونین کے حالات اِس قدر بدتر نہ ہوتے۔ لیکن وہ گورباچوف کی اِن سوچوں میں برابر کے شریک تھے۔ اُنہیں قلق تھا کہ وہ گورباچوف کے اِس عمل کا حصہ کیوں بنے۔ کاش گورباچوف سے اُن کا تعارف نہ ہوتا اور وہ کبھی "کھلے پن" اور "تعمیرِ نو" کے نام پر سوویت یونین کی تباہی کے منصوبے میں اس کے حصہ دار نہ بنتے۔

لیکن اب اِن سوچوں کا وقت نہیں تھا۔ سوویت یونین ایک خواب تھا جو بہت تیزی کے ساتھ اپنے آخری مراحل طے کر رہا تھا۔ مزدوروں اور کسانوں کی جنت کے مختلف حصے ایک ایک کر کے گر رہے تھے۔

نکولائی، آغا عاطف اور کترینا حسرت سے سوویت یونین کی تباہی کی خبریں سن رہے تھے۔ وہ نہیں جانتے تھے کہ وہ ایسے وقت میں سوویت یونین کو بچانے کے لیے کیا کر سکتے تھے۔ اصولی طور پر انہیں باغیوں کے ساتھ ہونا چاہیے تھا جو سوویت یونین کو بچانے کی کوشش کر رہے تھے لیکن انہیں بغاوت کی ناکامی کا اس حد تک وثوق تھا کہ وہ ان کا حصہ بن کر کوئی خطرہ مول نہیں لینا چاہتے تھے۔

بنیاد پرست کمیونسٹوں نے آخری بار کوشش کی کہ پارٹی کا ممبر ہونے کی حیثیت سے وہ ان کے ساتھ مل جائے لیکن گورباچوف کے ساتھ اس کے تعلقات اس حد تک سب کے علم میں تھے کہ اگر وہ وقتی طور پر ان کے ساتھ شامل ہو جاتا تو بھی کامیابی کی صورت میں وہ اس پر گورباچوف کا حامی ہونے کا مقدمہ چلاتے۔ گورباچوف کے ساتھ اُس کے روابط میں بھی اب پہلے سی گرمی نہیں تھی۔ چنانچہ وہ اِس امتحانی صورت حال میں آسانی کے ساتھ خود کو باغیوں اور گورباچوف سے لاتعلق رکھ سکتا تھا۔ وہ سب دیکھو اور انتظار کرو کی پالیسی پر عمل پیرا تھے۔ اگر سوویت یونین بچ گیا تو ان کی کھال سلامت رہے گی اگر نہ بچا تو بھی اُنہیں کسی بڑے امتحان کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔

گورباچوف ماسکو میں موجود تھا۔ نکولائی اور آغا عاطف چاہتے تو اس سے ملاقات کر کے ڈرامے کے آخری سین کا حصہ بن سکتے تھے۔

لیکن گورباچوف کا اپنا حال اب یہ تھا کہ وہ کمیونسٹ پارٹی کے جنرل سیکرٹری کے عہدے سے استعفیٰ دے چکا تھا۔ کمیونسٹ پارٹی عملی طور پر ختم ہو چکی تھی۔ ولادیمیر ایوشکو کمیونسٹ پارٹی کا ایکٹنگ جنرل سیکرٹری تھا۔ گورباچوف کے استعفیٰ کے چند دن بعد اس نے بھی استعفیٰ دے دیا۔

بورس یلسن نے بطور صدر روس کمیونسٹ پارٹی کا سارا ریکارڈ ریاست کی آرکائیو اتھارٹی کے حوالے کر دیا۔ کمیونسٹ پارٹی کے سارے اثاثے قومی ملکیت میں لے لئے گئے۔ اس میں کمیونسٹ پارٹی کا ہیڈ کوارٹر، تعلیمی ادارے اور بہت سے ہوٹل شامل تھے۔

جن ریاستوں نے سوویت یونین سے علیحدگی اور آزادی کا اعلان کیا تھا سوویت یونین کی عبوری اتھارٹی نے ان کی علیحدہ اور آزاد حیثیت کو تسلیم کر لیا۔ اس طرح جو ریاستیں روس کے ساتھ رہنا چاہتی تھیں اور جو الگ ہونا چاہتی تھیں ان میں ایک واضح تقسیم ہو گئی۔

اس وقت عملی صورت حال یہ تھی کہ سوویت یونین کا خاتمہ ہو چکا تھا اور ایک نئی روسی ریاست معرض وجود میں آ چکی تھی۔ گورباچوف نام کے سوویت یونین کا اب بھی صدر تھا جبکہ نئی روسی ریاست کی صدارت بورس یلسن کے پاس تھی۔

بورس یلسن بڑی تیزی کے ساتھ مختلف انتظامی اقدامات سے نئی روسی ریاست کی اتھارٹی مستحکم کر رہا تھا۔ اس نے ہر علاقے کے نئے ڈپٹی مقرر کر دیئے تھے۔

جو ریاستیں روس کے ساتھ تھیں ان کے درمیان نئے معاہدے کے لیے ان کے لیڈر پہلے بیلارس کے شہر منسک میں اکٹھے ہوئے جہاں انہوں نے 1922 کا وہ معاہدہ کینسل کیا جس کے تحت سوویت یونین معرض وجود میں آیا تھا۔ منسک میں کئی لیڈر شامل نہ ہوئے جس کی وجہ سے اس معاہدے کی قانونی حیثیت مشکوک رہی۔ چنانچہ اس کے چند دن بعد سب لیڈر الماتے میں دوبارہ اکٹھے ہوئے تا کہ معاہدے کی باقی ریاستوں سے بھی توثیق کرا سکیں۔ الماتے کے معاہدے سے سوویت یونین کے مکمل خاتمے کی راہ ہموار ہو گئی۔ بس فارمل اعلان باقی رہا۔ جس کا اگلے چند ہفتوں تک سب کو انتظار رہا۔ انتظار جو بعض اوقات اِس قدر دشوار ہو جاتا ہے کہ انسان اِس کے کرب سے نجات پانے کے لئے کچھ بھی کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ لیکن اُسے ان لمحوں کا کرب بہر حال برداشت کرنا پڑتا ہے۔ چاہے اس کی روح دکھ سے نڈھال ہو جائے۔ اور وہ اِس کے ناقابل برداشت ہونے کے لیے سسک اٹھے۔

یہ چند ہفتے آغا، کترینا اور نکولائی کے لئے بھی کچھ ایسے ہی تھے۔ لیکن وہ کروڑوں سوویت شہریوں کے ساتھ اس ناگزیر لمحے کے منتظر رہے۔ جس کے ظہور کا وقت صاف نظر آ رہا تھا اور جس کے خدشات کا اظہار وہ گزشتہ کئی برسوں سے کر رہے تھے۔

فصل 44

ماسکو میں کئی دنوں سے برفباری ہو رہی تھی۔ کرسمس کا دن تھا۔ الیونا، الیکسی، ساشا، نکولائی، کترینا اور آغا عاطف گھر پر تھے۔ الیونا سر جھکائے زانوؤں پر میکسم گورکی کی کتاب " ماں" کھولے بیٹھی تھی۔ ننھا لولیس پاس ہی زمین پر اپنے کھلونوں کے ساتھ کھیل رہا تھا۔

جب سے الیونا کی طبعیت ٹھیک نہیں رہتی تھی اسے اپنی ذاتی ضروریات کے لیے کسی کی مدد درکار ہوتی تھی۔ گھر پر ہونے کی وجہ سے عام طور پر کترینا الیونا کی دیکھ بھال کرتی۔ اگر ساشا گھر پر ہوتی تو وہ بھی اس کی مدد کر دیتی۔ آج کئی دنوں بعد ساشا نے الیونا کو غسل دیا تھا۔ غسل کے بعد اس نے اس کی پسندیدہ سفید رنگ کی طویل فراک اسے پہنائی، اس کے بال بنائے اور کرسمس کے حوالے سے سرخ ربن اس کے بالوں میں لگایا۔

وہ سب ڈرائینگ روم میں بیٹھے، ہاتھوں میں وادکا کے جام پکڑے، کھڑکیوں سے باہر گرتی برف کا منظر دیکھ رہے تھے۔ وہ سب خاموش تھے۔

لولیس پلاسٹک کی گاڑیاں فلور پر بھگا رہا تھا۔ جب اس کی گاڑی فلور پر کسی چیز سے ٹکراتی وہ تالیاں بجا کر شور مچاتا اور خوش ہوتا۔

کبھی کبھار الیکسی لولیس سے کہتا کہ اس کے نانا اور پرنانا نے ساری عمر ریل گاڑیاں چلائی ہیں۔ اسے گاڑیاں چلانے کے شغل سے باہر آنا چاہیے۔

لولیس اپنے نانا کی بات سن کر اور زور سے گاڑی چلانا شروع کر دیتا۔

اس دوران دروازے پر دستک ہوئی۔ نکولائی نے اٹھ کر دروازہ کھولا تو باہر کرپال، ساچن اور سپتمی کھڑے تھے۔ نکولائی نے دروازہ کھول کر انہیں خوش آمدید کہتے ہوئے اندر آنے کے لئے کہا۔

آغا عاطف اور کترینا نے کرپال، ساچن اور سپتمی کو نکولائی کے ساتھ گھر کے اندر داخل ہوتے دیکھا تو اٹھ کر ان سے لپٹ گئے۔ آغا عاطف کرپال اور ساچن سے بغلگیر ہوا جبکہ کترینا نے سپتمی کو گلے لگایا۔

کرپال نے انہیں بتایا کہ وہ کئی دنوں سے آغا عاطف اور کترینا سے ملنے کا پروگرام بنا رہے تھے۔ لیکن ہر بار کسی نہ کسی وجہ سے ان کا پروگرام ادھورا رہ جاتا اور وہ اس سے ملنے نہ آسکے۔

کرپال نے آگے بڑھ کر الیکسی اور ساشا کی خدمت میں آداب پیش کیا۔ پھر الیونا کا حال پوچھا۔ لیکن الیونا ہر چیز سے بے خبر اپنی وھیل چیئر پر بیٹھی رہی۔

کترینا نے وادکا کے پیگ بنا کر کرپال، ساچن اور سپتمی کو پیش کئے۔ کترینا اسے کیمپس پر اپنے دوستوں کے بارے میں پوچھ رہی تھی۔ کرپال، ساچن اور سپتمی اس دوران رونما ہونے والے تمام واقعات کی تفصیل سنا رہے تھے۔ وہ سوویت یونین کے بدلتے ہوئے حالات کے بارے میں سخت متفکر تھے۔ وہ نہیں جانتے تھے کہ ان تبدیلیوں کے ان پر کیا اثرات مرتب ہوں گے۔

آغا اور کترینا انہیں تسلی دے رہے تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ وہ تنہا ان حالات کا سامنا نہیں کر رہے بلکہ سب سوویت شہری ان حالات سے پریشان ہیں۔

انہی باتوں کے دوران ساشا نے رات کے کھانے کا اعلان کیا۔ اس نے ٹیبل پر ڈنر کا سامان چن دیا تھا۔ وہ سب کو ٹیبل پر بیٹھنے اور کھانے کا کہہ رہی تھی۔

پس منظر میں ٹی وی چل رہا تھا۔ اچانک ٹی وی اناؤنسر نے پروگرام روک کر اعلان کیا کہ سوویت یونین کے صدر گورباچوف قوم سے خطاب فرمائیں گے۔

سب نے گفتگو روک کر ساری توجہ ٹی وی پر مبذول کر دی۔ گورباچوف ٹی وی پر آیا تو اس کے چہرے سے اس کی مخصوص مسکراہٹ غائب تھی۔ اس کے سر پر بال بے ترتیب ہو رہے تھے۔ صاف لگ رہا تھا کہ وہ بغیر بال سنوارے ٹی وی پر چلا آیا ہے۔

ٹی وی پر آتے ہی گورباچوف لوگوں سے مخاطب ہوا: "میرے ہموطنو۔" ابھی اس نے اتنا ہی کہا تھا کہ کمرے میں کتاب گرنے کی آواز آئی۔

سب نے دیکھا میکسم گورکی کی کتاب "ماں" فلور پر گری تھی۔ کترینا نے آگے بڑھ کر کتاب اٹھا کر الیونا کو دینا چاہی تو اس نے دیکھا الیونا کا سر ایک طرف ڈھلک چکا تھا اور اس کی روح قفس عنصری سے پرواز کر چکی تھی۔ کترینا الیونا سے لپٹ کر رونا شروع ہو گئی۔

الیکسی، ساشا اور نکولائی بھی رونا شروع ہو گئے۔ آغا عاطف بھی اپنے جذبات پر قابو نہ رکھ سکا۔ کرپال، ساچن اور سپیتمی کی آنکھیں بھی جذبات سے تر ہو گئیں۔

ٹی وی پر گورباچوف کہہ رہا تھا: "آج میں نے سوویت یونین کے صدر کے طور پر اپنی سرگرمیاں ختم کر دی ہے۔ میں ہمیشہ سے قوموں کی آزادی اور حق خود ارادی کا قائل تھا۔ لیکن ساتھ ہی میں یونین کو بھی بچانا اور مضبوط کرنا چاہتا تھا۔ لیکن حالات مختلف راستے پر چل نکلے۔ میں نہیں چاہتا تھا لیکن ہمیں ملک کے ٹکڑے کرنے پڑے۔۔۔۔ قسمت سے جب مجھے ملک ملا تو صاف نظر آ رہا تھا کہ ملک میں ہر چیز ٹھیک نہیں۔

ہمارے پاس سب کچھ ہے۔ زمین، تیل، گیس اور لا محدود قدرتی وسائل۔ خدا نے ہمیں بے پناہ قابلیت بھی دی ہے۔ لیکن اس کے باوجود ہم دنیا کے ترقی یافتہ ممالک سے پیچھے رہ گئے ہیں۔

وجہ صاف ظاہر ہے۔ نوکر شاہی کے بوجھ تلے معاشرے کے لیے سانس لینا دشوار ہو رہا ہے۔ معاشرہ نظریئے کی خدمت اور اسلحے کی دوڑ جاری رکھنے پر مجبور ہے۔ یہ سماج اپنے امکانات کی انتہا تک پہنچ چکا ہے۔ اسے ریفارم کرنے کی تمام کوششیں فیل ہو چکی ہیں۔ اس کا تناظر گم ہو چکا ہے۔ ہر چیز میں انتہائی تبدیلی کی ضرورت ہے۔ لیکن ملک کو سنوارنے اور تبدیل کرنے کا عمل ہماری توقعات سے کہیں زیادہ پیچیدہ ہے۔ اس کے باوجود جو کچھ ہم نے حاصل کیا ہے اس کی توصیف ہونی چاہیے۔ معاشرہ سیاسی اور

روحانی آزادی چاہتا ہے۔ اس کا اہتمام ہم نے کر دیا ہے۔ لیکن ابھی ہم اس کی قدر و قیمت نہیں جانتے کیونکہ ہمیں ابھی آزادی کے استعمال کا طریقہ سیکھنا ہے۔

پھر بھی ہم نے جو حاصل کیا ہے اس کی تاریخی اہمیت ہے۔ ہم نے اس جابرانہ نظام کا خاتمہ کر دیا ہے جس کی وجہ سے ہم اب تک خوشحالی حاصل نہیں کر پائے تھے۔ ہم نے جمہوریت، ملٹی پارٹی سسٹم، الیکشن، مذہبی آزادی اور انسانی حقوق پر مبنی نظام قائم کر دیا ہے۔۔۔

اب ہم ایک نئی دنیا میں رہ رہے ہیں۔ سرد جنگ ختم ہو چکی ہے۔ اسلحے کی دوڑ ختم ہو چکی ہے۔ پرانا نظام ختم ہو چکا ہے۔ میں اپنی پوزیشن سے استعفیٰ دے رہا ہوں۔ میری امیدیں تم سے وابستہ ہیں۔ ہم ایک عظیم تہذیب کے وارث ہیں۔ اسے دوبارہ جنم دینا اور جاری رکھنا اب ہم میں سے ہر ایک کی ذمہ داری ہے۔۔۔"

گورباچوف بول رہا تھا لیکن الیونا اس کی تقریر سننے کے لیے اس دنیا میں نہیں تھی۔ اگر وہ ہوتی بھی تو کوئی فرق نہ پڑتا کیونکہ وہ عرصہ پہلے اپنی سچائیوں کے ساتھ خاموش ہو چکی تھی۔

اس کی نسل نے انقلاب کو جنم دیا تھا۔ پروان چڑھایا تھا۔ ساری عمر اس کی پرورش کی تھی۔ ایک عظیم ریاست کو جنم دیا تھا۔ جس نے دنیا بھر کے مزدوروں اور کسانوں کے دلوں میں کئی دہائیوں تک امید کے الاؤ روشن کئے تھے۔ الیونا دنیا بھر کے ان مزدوروں اور کسانوں کی ہیرو تھی۔ گورباچوف کے منہ سے سوویت یونین کے خاتمے کا اعلان سننے سے پہلے اس نے دم توڑ دیا۔ مرنے کے بعد بھی اس کے چہرے پر ایک اطمینان کی کیفیت تھی۔ ایک سکون تھا۔ وہ خواب اس کی آنکھوں میں سو رہے تھے جو اس نے اور اس کی نسل نے سوویت یونین کے شکل میں دیکھے تھے۔

اس کے غمزدہ خاندان نے اس کے جسد خاکی کو دفن کرنے کے لیے تابوت میں رکھ کر بند کرنا چاہا تو آغا عاطف نے میکسم گورکی کی کتاب "ماں" لولیس کے ساتھ مل کر الیونا کے سینے پر رکھ دی۔ الیکسی نے آگے بڑھ کر تابوت کا ڈھکن بند کر دیا۔

کچھ مصنف کے بارے میں

خواجہ اشرف 1951 میں سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔ 1971 میں پنجاب یونیورسٹی سے ایم اے کے بعد پہلے مختصر عرصہ کے لیے اسلام آباد میں پریذیڈنٹ سیکریٹریٹ میں کام کیا۔ پھر پنجاب پبلک سروس کمشن سے انتخاب کے بعد پنجاب میں محکمہ تعلیم سے وابستہ ہوئے اور پنجاب کے مختلف کالجوں میں بطور لیکچرار پڑھاتے رہے۔

لکھنے پڑھنے کا شوق بچپن سے تھا۔ دورانِ تعلیم پاکستان کے مختلف اخبارات میں کے ایم اشرف کے نام سے سیاسی، سماجی اور ادبی موضوعات پر مضامین لکھے۔

پاکستان میں وزیر آغا کی ادارت میں شائع ہونے والے ادبی میگزین اوراق اور ہندوستان میں شمس الرحمٰن فاروقی کی ادارت میں شائع ہونے والے ادبی میگزین شب خون میں کئی کہانیاں اور انشائیے لکھے۔

جنرل ضیا الحق کے مارشل لاء کے بعد 1981 میں امریکہ چلے گئے۔ امریکہ میں یونیورسٹی آف فنکس سے ایم بی اے کرنے کے بعد کاروباری دنیا سے وابستگی اختیار کی۔

امریکہ منتقلی کے بعد ضیا دور میں مختلف بین الاقوامی فورمز پر پاکستان میں بحالی جمہوریت کے لیے بھرپور جدوجہد کی۔ یہ جدوجہد مشرف دور میں بھی جاری رہی۔ اب بھی پاکستان میں جمہوریت کی نشوونما اور ترویج واشاعت سے خاص دلچسپی ہے۔

ادب میں ترقی پسند رجحانات کی طرف جھکاؤ ہے۔ زیر نظر ناول "شب گزیدہ سحر" کے علاوہ وہ دو ناولوں 'مٹی کا بیٹا' اور 'نسل سوختہ' کے اور کہانیوں کے ایک مجموعے "آئینہ کہانی" کے مصنف ہیں۔ نثری نظموں کا ایک مجموعہ زیر اشاعت ہے۔ تاحال لکھنے کا سلسلہ جاری ہے۔

مصنف کی دیگر کتابیں

مٹی کا بیٹا۔۔۔ناول

ایک اچھوتی اور دلچسپ کہانی جو پاکستان کے چھوٹے سے گاؤں سے شروع ہو کر امریکہ سے ہوتی ہوئی اسی گاؤں میں ختم ہوتی ہے۔ کہانی کا ہیرو ساری عمر اپنے طبعی والد کی تلاش میں کئی دلچسپ مرحلوں سے گزرتا ہے۔ انسانی جذبوں کی عظیم داستان جو انسان دوستی اور انسانی مساوات کا درس دیتی ہے۔ تشدد اور جنگ سے بچنے کا سبق سکھاتی ہے۔ زندگی کے احترام کی تلقین کرتی ہے۔

نسل سوختہ۔۔ناول

1947 میں پاکستان بننے سے لیکر 1971 میں قائداعظم محمد علی جناح کے پاکستان ٹوٹنے کی کہانی۔ پاکستانی سیاست کی بائیبل جس میں اُن کوتاہیوں کی نشاندہی کی گئی ہے جن کی وجہ سے 1971 میں قائداعظم محمد علی جناح کا پاکستان دولخت ہُوا۔ پاکستان کی مخصوص صورت حال کے پیش نظر پاکستان کے سیاسی، سماجی اور معاشی مسائل کے ممکنہ حل پیش کرتی ہے۔

آئینہ کہانی۔۔۔ کہانیوں کا مجموعہ

آئینہ کہانی میں مصنف کے قلم سے لکھی گئی چھبیس انوکھی اور دلچسپ کہانیاں شامل ہیں۔ ان میں سے ہر کہانی زندگی کے کسی نہ کسی انوکھے رخ کی نشاندہی کرتی ہے جسے پڑھ کر انسان بہت کچھ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

کتاب خریدنے کے لیے مندرجہ ذیل ای میل پر رابطہ کریں:

Email: kashraf@ix.netcom.com